

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَقُلْ لِلْعَيْنُونِ الرَّهْمَدَانِ أَنْتَ قَتَلْتَنِي
مَنْ أَلَا تَعْلَمُ أَنَّكَ أَنْتَ قَتَلْتَنِي
مَنْ أَلَا تَعْلَمُ أَنَّكَ أَنْتَ قَتَلْتَنِي
مَنْ أَلَا تَعْلَمُ أَنَّكَ أَنْتَ قَتَلْتَنِي

مقام حیات

المستطیع بغير

مَدَارِكُ الْأَوْكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الْأَوْكِيَاءِ

مَكِينُ كُنْزِ خَيْرِ كُنْزِ حَيَاةِ بَرْتَنِي كَارِيَانِ

تأليف

ذاکر علامہ خالد محمد اسماعیل بن ابی بکر
ذاکر علامہ اسماعیل بن ابی بکر



دارالمعارف
الفصل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فَقُلْ لِلْعَيْنِ الرَّهْمِ يَا كَذَّابٌ تَرَى سَنَا الشَّمْسِ فَاسْتَعِشْ ظِلَامَ اللَّيَالِيَا
گرد آلود آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر ڈھکیں

مقامِ حیرت

المُسْتَبْعَثُ

مَدَارِكُ الْأَذْكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

مکین گنجِ خضرِ اربعی حیاتِ برزخی کا بیان

تالیف

ڈاکٹر علامہ سید محمود
ڈائریکٹر اسلامک ایکسٹیمینٹ



دارالمعارف

افضل ہارکیٹ، اردو بازار، لاہور

حقوق التالیف کے تمام محفوظہ للمؤلف

نام کتاب ————— مقام حیات
مصنف ————— ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر
کتابت ————— محمد حفیظ الحق صدیقی خانیوال
صفحات ————— ۷۵۲
ایڈیشن ہذا ————— ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء
ناشر ————— جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور
دارالمعارف اردو بازار لاہور
تعداد ————— گیارہ سو
قیمت اعلیٰ مجلد ————— ۱۷۰ روپے
ممالک یورپ ————— ۱۲ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دارالمعارف پرا دیو سراج روڈ سنت نگر
جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور
پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

فہرست مضامین

<p>۴۱ { مخالفین کا علمائے دیوبند کو ۴۲ حیات فی الدنیا کا ملزم قرار دینا۔</p> <p>۴۱ وقت کا موضوع حیات ہے مہمات نہیں</p> <p>۴۱ حیات الانبیاء پر فریقین کا اتفاق</p> <p>۴۲ مخالفین کا اپنا اقرار</p> <p>۴۳ { حیات جہدی کے انکار کے خطرناک نتائج۔</p> <p>۴۴ { معتزلہ دروافض اور اہل سنت کا نظریہ آخرت میں اختلاف۔</p> <p>۴۴ اہل سنت حیات جہدی کے قائل ہیں</p> <p>۴۵ { وفات کے بعد روح و بدن میں علاقہ نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔</p> <p>۴۵ حضور روح و بدن کے مجموعہ سے رسول ہیں</p> <p>۴۶ حیات جسمانی کے انکار کا دوسرا نتیجہ</p> <p>۴۶ حضور عہدہ و رسول نہ رہیں گے</p> <p>۴۶ { کرامیہ کا عقیدہ کہ حضور اب صرف حکمی طور پر رسول ہیں۔</p> <p>۴۷ علامہ ابن حزم کرامیہ کے رد میں</p>	<p>تعارف و اعتذار</p> <p>لا دینیت کا محاذ</p> <p>اندرونی اتحاد کی ضرورت</p> <p>دین محمدی کا اہم ترین موضوع</p> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px; text-align: center; margin: 10px 0;"> اسلام کا عقیدہ معاد </div> <p>ارکان ایمان کا رکن خامس</p> <p>ایمان بالآخرت</p> <p>منکرین معاد کے استبعادات</p> <p>قرآن کریم کے جوابات</p> <p>جو بدن گناہ کرے وہی سزا پائے</p> <p>سواد اعظم اہل سنت کا عقیدہ</p> <p>عالم برزخ میں حیات نبویہ</p> <p>نفس و روح ہو یا اشرف روح</p> <p>روح پاک کا مقراصلی</p> <p>میات دنیا والے جسم میں</p> <p>میات کا مدار رزق مادی پر نہیں</p> <p>میات میں کبھی اختلاف نہیں رہا ہم</p>
---	---

- ۶۲ حضرت کو حقیقی طور پر رسول ماننا چاہیے ۴۹ حضرت نساء ولی اللہؑ حضرت اعلیٰ کی حمایت میں
- ۶۲ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اپنا عقیدہ ۵۰ مجتہد اور مناظر میں فرق
- ۶۳ کتب عقائد میں نبوت حقیقی کی تصریح ۵۰ مجتہد اور مقلد میں فرق
- ۶۵ کرامیہ اپنے اشاعت کے محاذ پر ۵۱ کیا مسئلہ حیات النبی یا وفات النبی
- ۶۶ امام سہیتی علامہ قشیری اور ابن عساکر سنی محاذ پر ۵۲ صراحت سے قرآن میں مذکور ہے؟
- ۶۶ کرامیہ جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں ۵۳ آیت حیات شہدار میں تخصیص کا احتمال
- ۶۶ کرامیہ کے مخصوص عقائد ۵۳ کیا آیت اموات غیر احياء مماتی
- ۶۶ عقیدے پر قطعی الدلالة ہے؟ ۵۴
- ۶۹ آیت اموات غیر احياء کا موضوع بیان ۵۴

انکار حیات کا تاریخی پس منظر

- ۶۹ کرامیہ کے خلاف علامہ سبکیؒ کا بیان ۵۵ آیت اموات غیر احياء میں کیا کسی
- ۷۱ علامہ سبکیؒ کے ہاں صحیح سنی عقیدہ ۵۲ اور معنی کا بھی دخل ہے؟
- ۷۲ امام ابو القاسم قشیریؒ کا سنی عقیدہ ۵۲ آیت اموات غیر احياء میں عموم مجاز
- ۷۴ علامہ ابن عابدین الشافعیؒ کا سنی عقیدہ ۵۴ قرآن کریم اور حضورؐ کی وفات شریفہ
- ۷۵ انبیاء رسالت سے معزول نہیں ہوتے ۵۸ بائبل میں صلیب مسیح کا ذکر کیا بائبل
- ۷۵ اس غلط عقیدہ سے متاثر ہونے ۵۹ کے اصلی نہ ہونے کی دلیل نہیں؟
- ۷۵ والے دوسرے مسئلے ۵۹ کیا اثبات عقائد کے لیے دلائل ظنیہ سے
- ۷۵ استدلال ہو سکتا ہے؟ ۵۹

مقدمہ

- ۷۶ علامہ شاطبیؒ کا بیان ۶۱
- ۷۶ علامہ شاطبیؒ کا بیان ۶۱
- ۷۶ استدلال بالقرآن کا دلکش نعرہ ۶۱
- ۷۶ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی ۶۱
- ۷۶ حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت ۶۱
- ۷۶ قرآن عزیز کا موت انسانی میں ۶۱
- ۷۶ ذہن جاہلیت سے اختلاف ۶۱

موت کی حقیقت

- عربی میں موت کے مختلف نام ۷۸
- قرآن کا استعمال لفظ توفی ۷۸
- ابانۃ الروح عن الجسد اور { دوال قوت حیوانیہ۔
- موت کے لیے سبق حیات ضروری نہیں ۸۸
- مسیبیت حیات موت کے لیے لازم نہیں ۸۸
- قرآن کی رو سے موت کی حقیقت ۷۹
- آنحضرتؐ کی موت طیبہ کی نشان ۸۹
- موت اور نیند میں عمل مشترک ۸۰
- آنحضرتؐ کی حیات بھی طیب موت بھی طیب ۹۰
- آثار حیات کا کچھ دیر باقی رہنا ۸۰
- موت کے باوجود بعض آثار حیات کا تسلسل ۹۰
- آنحضرتؐ کے آثار حیات اب تک باقی ۸۰
- صاحب ہدایہ کا موقف عدم تغیر ۸۰
- آپ کے اموال آپ کی ملک پر باقی ہے ۹۰
- آیت اللہ یتوفی الافس کو { متشابہات میں شامل کرنا۔
- موت ایک صفت ہے جو صفت حیات کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ ۹۱
- حدیث صحیح بخاری سے اس کا رد ۸۱
- روح اور حیات میں ملازمہ نہیں ۹۲
- نیند والے کے لیے ارسال روح کے علامہ احیاء کا لفظ بھی وارد ہے ۸۲
- موت کا شرعی مفہوم ۹۲
- اختلاف دارین کا تحقق ہو جائے ۹۳
- ارسال احیاء کے ساتھ روح کے الفاظ بھی حدیث میں وارد ہیں۔ ۸۲
- موت عدم محض اور فنا کے خالص نہیں ۹۴
- قرآن کی رو سے موت ایک وجودی پیر ہے ۸۳
- عالم آخرت کی عصری حیات ۹۵
- امام رازیؒ اور علامہ آکوسیؒ کے بیانات ۸۴
- حشر آخرت ذرات منتشرہ سے کیسے ۹۶
- موت کا وجود حدیث کی روشنی میں ۸۶
- انبیاء کے ابدان ریزہ ریزہ نہیں ہوتے ۹۷
- موت کے ذبح ہونے کی روایات ۸۶
- صورتحال سے بے خبری عدم حیات کی دلیل نہیں ۹۷
- گنہگار جہنمیوں پر ایک اور موت ۸۷
- عزیر علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے ابدان موت کا وجود محفوظ رہے ۹۷

- ۹۹ حشر کے دن پہلے آنحضرت قبر سے نکلیں گے
۱۱۰ اور اس کے لیے لفظ بعثت اور آپ کے لیے لفظ خروج
۱۱۰ رطبت میں اعتماد اور اسناد کے دو دور
۱۰۱ صحبت حدیث معلوم کرنے کی دو راہیں
۱۰۱ اعتماد علی السلف کو قائم رکھنے کی ضرورت

تمہید

- ۱۰۳ عالم برزخ کی کبھی کبھی جھلکیاں
۱۰۳ حیات انسانی کے چار دور
۱۰۳ ① عالم ارواح
۱۰۳ عالم ارواح میں ارسالِ ارسل کی خبر
۱۰۳ عالم ارواح کو عالم ارواح کیوں کہتے ہیں
۱۰۳ ② عالم دنیا
۱۰۳ عالم دنیا میں بدن کے احکام روح پر غالب
۱۰۳ تغذیہ و تنمیه اس زندگی کے لازم ہیں
۱۰۳ یہ دنیا دار التکلیف اور دار العمل ہے
۱۰۳ عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں
۱۰۳ جنت اور جہنم کا اس دنیا میں مشاہدہ
۱۰۳ اجمہر امت اور ذلّوب امت کا مشاہدہ
۱۰۳ پہلی امتوں اور پہلے انبیاء کو دیکھنا
۱۰۳ فتنوں کو بارش کی طرح اترتے دیکھنا

- ۱۱۰ دنیا کا مثل ہو کر آپ کے سامنے آنا
۱۱۰ آپ کا بچا دودھ حضرت عمر کی قسمت میں
۱۱۰ علم کی ایک برزخی صورت — دودھ
۱۱۱ دین کی ایک برزخی صورت — قیص
۱۱۱ کنوئیں سے نکلنے والی — خلافت
۱۱۱ دبا بھرے بالوں والی عورت کی صورت میں

③ عالم برزخ

- ۱۱۳ قرآن کریم میں اس جہان کی خبر
۱۱۳ برزخی زندگی میں روح و حیات میں تلازم نہیں
۱۱۳ برزخ میں روح و بدن کا تعلق بھی ہو سکتا ہے
۱۱۳ عالم برزخ ایک حبیب موداعن دنیوی میں
۱۱۳ ہے اور اس میں ارتقاء عمل ہے
۱۱۳ مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف
۱۱۳ ۱۔ عام اموات کا برزخ
۱۱۳ ۲۔ شہداء کا برزخ
۱۱۳ ۳۔ انبیاء کا برزخ
۱۱۵ عالم برزخ کو سمجھنے کے لیے ایک دنیوی تحریر
۱۱۵ نیند برزخ کی قریب ترین منزل ہے
۱۱۵ قبر کی واردات شرعی حقیقت ہیں مجاز نہیں
۱۱۶ توفی میں موت اور نیند دونوں جمع
۱۱۶ حدیث کی رو سے موت نیند کی بہن

④ عالم آخرت

- ۱۱۸ چار جہانوں میں کوئی دو متوازی نہیں
۱۱۸ ہر دوسرا جہاں پہلے سے وسیع ہے
۱۱۸ چاروں جہانوں کا آپس میں ایک لطیف ربط
۱۱۹ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بیان
۱۱۹ کہ عالم قبر اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے
۱۲۰ عالم برزخ اور عالم آخرت میں ایک کھلا فرق
۱۲۱ حکیم الاسلام قاری محمد طیب کا بیان
۱۲۱ تین جہانوں میں روح بدن کے تعلق کی نوعیت
۱۲۱ عالم برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق
۱۲۳ اہل برزخ کی اہل دنیا سے دلچسپی
۱۲۴ اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت
۱۲۴ باہمی واقفیت کے پانچ طریقے
۱۲۴ پانچ طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات
۱۲۵ استدلال کا شخصیتی درجہ
۱۲۶ استدلال کا طبقاتی درجہ
۱۲۶ استدلال کا کلیاتی درجہ
۱۲۸ کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح
۱۲۸ ہر سہ استدلال سے برزخ کا اندازہ
۱۲۹ انسان کا مستقل دارالقرار
۱۲۹ صرف آخرت ہے۔
- ۱۳۱ اسلام کا عقیدہ برزخ
۱۳۲ حضرت علامہ قرطبی کا بیان
۱۳۲ حضرت علامہ سیوطی کا بیان
۱۳۲ حضرت مولانا مہتازی کا بیان
۱۳۳ ① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت
۱۳۴ یہ صرف ایام ثلاثہ ہیں یا موطن ثلاثہ
۱۳۴ علامہ نسفی کی شہادت
۱۳۴ ابن الجوزی کی شہادت
۱۳۵ علامہ قرطبی کی شہادت
۱۳۵ امام رازی کی شہادت
۱۳۶ قاضی شہار اللہ کی شہادت
۱۳۶ تغیر خازن کی شہادت
۱۳۶ قبر میں سلام سے سلام تحیہ مراد ہو سکتا ہے
۱۳۸ علامہ ابن عطیہ کی شہادت
۱۳۹ صلوٰۃ و سلام اسی دنیوی بدن پر
۱۳۹ ② قرآن کریم میں قیامت سے پہلے
۱۳۹ آل فرعون کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے
۱۳۹ حافظ ابن کثیر کی شہادت
۱۳۹ ③ قوم نوح پر ڈوبنے سے متصل آگ
۱۳۹ کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے

۴ قرآن کی رو سے انسانی زندگی کے تین دور ۱۴۱ صاحب شکوہ کی شہادت ۱۵۶

قبر کے اندر کے چھپے معاملات ۱۴۲
روایت برابر پر قرآن کی تلاوت ۱۴۲

۵ قرآن کریم میں سوالات اخروی پر ثابت قدمی کی شہادت۔ ۱۴۲

برزخ کا شمار ادھر بھی ادھر بھی ۱۴۳

چالیس صحابہ کرامؓ سے قبر میں کئے جانے والے سوالات کا ثبوت۔ ۱۴۳

عذاب قبر کے انکار سے انسان کفر کی سرحد پر ۱۴۴

عذاب قبر کے منکر کے چھپے نماز جواز نہیں ۱۴۵

عذاب قبر کی احادیث تواتر کے درجہ میں ۱۴۵

۶ مرنے کے ساتھ عذاب الہی کا سامنا ۱۴۶

۷ مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا ۱۴۹

۸ قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی ۱۵۰

حضرت عقیلیؒ کا ایمان افروز بیان ۱۵۱

عذاب قبر محدثین کی نظر میں ۱۵۲

امام ابو داؤدؒ کی شہادت ۱۵۳

امام مسلمؒ کی شہادت ۱۵۴

امام بخاریؒ کی شہادت ۱۵۴

امام ترمذیؒ کی شہادت ۱۵۵

عذاب قبر احادیث کی روشنی میں ۱۵۱

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ۱۵۷

حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ۱۵۸

حضرت بلال بن عازبؓ کی روایت ۱۶۰

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ۱۶۰

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ۱۶۲

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ۱۶۲

حضرت جابرؓ کی روایت ۱۶۳

حضرت جابرؓ کی دوسری روایت ۱۶۴

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ۱۶۴

حضرت ام المؤمنینؓ کی روایت ۱۶۵

قبر کی واردات ۱۶۷

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد ۱۶۷

نوحیلیل القدرؑ صحابہؓ کی گواہی ۱۶۷

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی گواہی ۱۶۷

ابن جریر الطبریؒ کی گواہی ۱۶۸

امام طحاویؒ کی گواہی ۱۶۹

ما فظ ابو بکر حباص رازیؒ ۱۶۹

دسویں صدی کی شہادت

۱۸۲	علامہ سید طی کا بیان	۱۴۰
۱۸۳	علامہ دوانی	۱۴۰
۱۸۴	علامہ شعرانی	۱۴۲
۱۸۴	علامہ قہستانی	۱۴۲
۱۸۵	ملا علی القاری	۱۴۳

گیارہویں صدی کی شہادت

۱۸۸	۱۔ امام ربانی مجدد الف ثانی	۱۴۵
۱۸۹	۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۴۵

بارہویں اور تیرہویں صدی

۱۹۰	۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۴۶
۱۹۵	۲۔ شاہ عبدالغفریہ محدث دہلوی	۱۴۶
۲۰۱	۳۔ قاضی شہداء اللہ پانی پتی	۱۴۶
۲۰۲	۴۔ علامہ شامی	۱۴۶
۲۰۳	۵۔ قاضی شوکانی	۱۴۶
۲۰۵	۶۔ علامہ آلوسی	۱۴۶

چودہویں صدی کی شہادت

امام بیہقی، اسفرائینی، قشیری
ابن عساکر اور امام غزالی
صاحب ہدایہ کی گواہی

ساتویں صدی کی شہادت

۱۔ علامہ قسطلانی	۱۴۲
۲۔ امام نووی	۱۴۳
۳۔ علامہ نسفی	۱۴۴

آٹھویں صدی کی شہادت

۱۔ علامہ صدر الدین القونوی	۱۴۵
۲۔ علامہ سبکی شافعی	۱۴۵
۳۔ قاضی عہد الدین الہنجی	۱۴۶
۴۔ حافظ ابن تیمیہ	۱۴۶
۵۔ حافظ ابن قیم	۱۴۶

نویں صدی کی شہادت

علامہ سید شریف البحر جانی	۱۴۹
حافظ ابن حجر عسقلانی	۱۴۹
علامہ بدر الدین العینی	۱۸۰
حافظ ابن ہمام الاسکندری	۱۸۱

دنیوی زندگی نہیں دنیا کی سی زندگی ہے

- ۲۰۹ امام العصر مولانا نور شاہؒ
- ۲۱۰ مفتی عزیز الرحمنؒ
- ۲۱۰ مولانا حسین علی مرحومؒ
- ۲۱۰ نواب صدیق حسن خانؒ
- ۲۱۰ مسک محدثین اور مسک مشکلمین
- ۲۱۱ اعادہ روح اور اشراق روح
- ۲۱۳ صحت روایت کا مدار و اعتبار
- ۲۱۴ علامہ ذہبیؒ کی شہادت
- ۲۱۵ امام عبدالرحمن بن المہدیؒ
- ۲۱۵ علامہ سیوطیؒ کی شہادت
- ۲۱۶ حدیث اعادہ روح
- ۲۱۷ راویوں پر کلام
- ۲۱۹ حدیث کی تصحیح کرنے والے
- ۲۱۹ پہلی پانچ صدیوں کی شہادت
- ۲۱۹ چھٹی صدی کی شہادت
- ۲۲۰ ساتویں اور آٹھویں صدی کی شہادت
- ۲۲۱ نویں اور دسویں صدی کی شہادت
- ۲۲۲ گیارہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۲ بارہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۳ تیرہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۵ ایک سوال اور اس کا جواب
- ۲۲۸ دنیوی زندگی کی تعریف
- ۲۲۸ وفات کے بعد اس دنیوی زندگی میں {
- ۲۲۸ ۱۲ شیعوں کا عقیدہ رجعت ہے۔ {
- ۲۲۹ حضورؐ کی برزخی زندگی کو دنیوی کہنے کی جہت
- ۲۲۹ نمیند کے حالات اور برزخ کی واردات
- ۲۲۹ حضورؐ کا جسد اطہر بالکل تروتازہ
- ۲۳۰ برزخ میں روح کا عود کرنا دنیا کی طرح سے نہیں
- ۲۳۱ علامہ تقی زانیؒ کی شہادت
- ۲۳۱ علامہ عبدالعزیزؒ پر پاڑ وی
- ۲۳۱ حافظ ابن حجرؒ کی تائید
- ۲۳۲ قاسم بن قطلوبغا کی شہادت
- ۲۳۲ ملا علی قاریؒ کی شہادت
- ۲۳۳ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی شہادت
- ۲۳۴ اس دور کے معتزلہ کی اہل حق سے استہزاء
- ۲۳۶ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
- ۲۳۶ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
- ۲۳۷ قبر کی زندگی کس پہلو سے دنیوی زندگی ہے ؟
- ۲۳۸ حافظ ابن حجرؒ کی قبر کی زندگی کو قرآن کے {
- ۲۳۸ حوالے سے دنیوی زندگی مانتے ہیں۔ {

- علاء الدین ابوالحسن الخازنؒ کی شہادت ۲۳۹ انبیائے سابقین کے آنے کی صورت ۲۵۲
- شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت ۲۳۹ ملاقات انبیاء پر قرآن کی شہادت ۲۵۳
- حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۲۳۹ علامہ قرطبی کی شہادت ۲۵۲
- برسر مطلب آدمیم ۲۳۰ تفسیر جلالین کا بیان ۲۵۲
- حیات برزخی کا دنیوی پہلو ۲۴۱ امام فخر الدین رازیؒ کا تفسیری ضابطہ ۲۵۵
- برزخ کی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد ۲۴۲ علامہ لغوی کی شہادت ۲۵۲
- مجھے قیامت تک رہنے کا اختیار دیا گیا ۲۴۲ حضرت سعید بن جبیرؓ (۹۵ھ) کی شہادت ۲۵۲
- دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق ۲۴۴ قاضی شمس الدین صاحب پانی پتیؒ ۲۵۱
- برزخی زندگی کی آہٹ کہاں تک سنی جا سکتی ہے ۲۴۵ قاضی شمس الدین کی شہادت ۲۵۱
- انبیاء کا سلسلہ عمل رکھنا نہیں ہے ۲۴۶ علامہ محمود آلوسیؒ کی شہادت ۲۵۱
- انبیاء کا برزخی پرچے میں یہاں آنا ۲۴۶ حضرت قتادہؓ (۱۱۸ھ) کی شہادت ۲۵۹
- ۴ حضرت کا حضورؐ سے ملاقات کرنا ۲۴۶ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت ۲۶۰
- یہ ملاقات ابدان سے تھی صرف ارواح سے نہ ۲۴۷ ملا علی قاریؒ کی عبارات ۲۶۱
- پہلے انبیاء یہاں آکر حج بھی کر سکتے ہیں ۲۴۷ حضرت عیسیٰؑ کی پہلے انبیاء سے ملاقات ۲۶۲
- حضرت ہود اور حضرت صالحؑ کے گزرنے کی خبر ۲۴۸ حضرت عیسیٰؑ کی روحہ اطہرہ پر حاضری اور سلام ۲۶۳
- حضرت نوح اور حضرت ابراہیمؑ کے گزرنے کی خبر ۲۴۹ حضرت عیسیٰؑ کی روحہ اطہرہ سے احرام باندھیں گے ۲۶۴
- قرآن کی خبر کہ آپؐ موسیٰ سے ضرور ملیں گے ۲۴۹ حضرت عیسیٰؑ بعد نزول اللہ کے رسول ہوں گے ۲۶۵
- موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا ۲۴۹ حضرت عیسیٰؑ پر انتظامی امور میں وحی آنے لگی ۲۶۵
- قبر کے اعمال کا احادیث سے ثبوت ۲۵۰ لیکن وحی شریعت نہیں۔ ۲۶۵
- انبیاء کی برزخ میں حیات ارتقاء عمل سے ہے ۲۵۰ عالم برزخ سے سنی بات پر عمل ضروری نہیں ۲۶۵
- حضورؐ کی پہلے انبیاء سے ملاقات ۲۵۱ اجسام لطافیت میں ارواح کے درجے میں ۲۶۲

- برزخ میں گئے اعمال دنیوی اعمال کے حکم میں ۲۶۶ آثار حیات اگر گھنٹوں منتفی نہ ہوں تو
- ۲۶۳ عبادت صرف موت تک کے لیے ہے ۲۶۷ کیا یہ ایک جدی نوع کی موت نہ ہوگی
- ۲۶۳ عالم برزخ کی عبادت تکلیفی نہیں ۲۶۷ معتزلہ کا امساک کا موقف
- ۲۶۴ جنت میں یاد الہی مکلف کے طور پر نہ ہوگی ۲۶۷ اہل السنۃ و الجماعۃ کا جواب
- ۲۶۴ قرآن پاک کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۷ ۱. علامہ آلوسیؒ کی شہادت
- ۲۶۵ حدیث کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۸ ۲. مولانا مغانویؒ کی شہادت
- ۲۶۵ حضورؐ کا برزخی زندگی میں امت کے لیے استغفار ۲۶۸ ۳. حافظ ابن قیمؒ کی شہادت
- ۲۶۶ حضورؐ پر زائرین کے سلام کا جواب دینا و جواب نہیں ۲۶۸ روح و بدن کا ہر تعلق دنیا کا نہیں
- ۲۶۶ انبیاء کے وفات کے باوجود ان کے اعمال باقی رہے ۲۶۹ ریاض الحجۃ سرزمین مدینہ میں ہے
- ۲۶۶ انبیاء کے وفات کے باوجود انکی املاک باقی ہیں ۲۶۹

قبر کی حقیقت

- ۲۶۹ عدت وفات سے امہات المومنین { ۲۷۰ کا نکاح ختم نہیں ہوا۔
- ۲۶۹ ارواح شہداء کی سیر کیا کبھی دنیا میں بھی ہوتی ہے ۲۷۰
- ۲۷۰ اشاعرہ حیات اور اعادہ روح میں { ۲۷۲ تلازم کے قابل نہیں۔
- ۲۷۰ { صلوٰۃ زکوٰۃ اور حج کے لفظی اور اصطلاحی معنی
- ۲۷۰ { ہیں مگر قبر کی کوئی علیحدہ شرعی حقیقت نہیں۔

آیت اللہ یتوفی الا نفس حین موتہا پر بحث

- ۲۸۱ قبر — قرآن کریم کی روشنی میں
- ۲۸۲ قرآن اس ظاہری قبر کو ہی قبر کہتا ہے
- ۲۸۲ قبر کا دوسرا کنارہ کسی عمار کی نظریں
- ۲۸۳ قبر — احادیث کی روشنی میں
- ۲۸۸ میں احادیث کی شہادت
- ۲۸۹ قبر — صحابہ کرامؓ کے ہاں
- ۲۷۲ موت کے لیے دو چیزیں لازم ہیں
- ۲۷۲ روح کا نکلنا اور آثار حیات کا خاتمہ
- ۲۷۲ نیند میں روح نکلنے کے باوجود روح کا
- ۲۷۳ ایک خاص تعلق بدن سے قائم رہتا ہے۔

- حضرت ابن عباسؓ کی شہادت ۲۸۹ عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو ۳۰۲
- حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۸۹ معنی قبر پر سعودی پیشہ کی شہادت ۳۰۴
- حضرت بریدہؓ کی شہادت ۲۹۰ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے بیٹے کی شہادت ۳۰۵
- حضرت عمرو بن العاصؓ کی شہادت ۲۹۰ سرخیل علماء نجد محمد بن عبد اللطیف ۳۰۵
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت ۲۹۰ آپ قبر مبارک پر سلام سنتے ہیں ۳۰۵
- حضرت جابرؓ کی شہادت ۲۹۱ برزخ کے حالات مشاہدہ میں نہیں آتے ۳۰۶
- اسی زمین کو حکم ہوتا ہے کہ میت پر تنگ ہو جا ۲۹۱ فرشتوں کا مرنے والوں کو بچھتا ۳۰۶
- معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت ۲۹۲ ہم نہیں دیکھتے مگر یہ ہوتا ہے ۳۰۶
- مخالفین کا اپنا اقرار کہ قبر یہی ہے ۲۹۳ بعض کاملین پر انکشاف حق ہے ۳۰۶
- شہداء احمدی انہی زمینی قبروں پر حضورؐ گزرے ۲۹۳ کرة ارضی اور عالم بالا کے ارتباطات ۳۰۷
- حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر ۲۹۴ فرشتوں کا حضورؐ کے پاس آنا جانا ۳۰۷
- معنی قبر پر فریقین کا اتفاق ۲۹۵ فرشتوں کا میدان جنگ میں نزول ۳۰۸
- قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟ ۲۹۵ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان ۳۰۹
- سیدنا حضرت عثمانؓ کی روایت ۲۹۶ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بیان ۳۰۹
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شہادت ۲۹۷ فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ۳۰۹
- حضرت عمرو بن العاصؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ۲۹۸ فرشتے کے اصلی صورت میں نہ آنے کی حکمت ۳۰۹
- سوال و جواب اسی قبر میں ۲۹۸ آنحضرتؐ کا برزخ عام درجے کا نہیں ۳۱۰
- ملا علی قاریؒ کی شہادت ۲۹۸ آنحضرتؐ کا طرف طبعی عام درجے کا نہیں ۳۱۰
- قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۲۹۹ آنحضرتؐ کا برزخ عام لوگوں کی طرح کا نہیں ۳۱۰
- مقرر اموات یہی زمین ہے ۳۰۰ کیا ان چار جہانوں کے سوا ۳۱۱
- مرنے کے بعد ٹھکانہ اسی زمین میں ہے ۳۰۰ کوئی اور جہان بھی ہے ۳۱۱

عالم مثال

اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذابِ قبر کے لیے کسی اور بدن کی تلاش میں۔ ۳۱۶

عذابِ قبر کے لیے مثالی بدنوں کا کیا کوئی ثبوت ہے؟ ۳۱۶

پرندوں کو شہداء کے اجساد مثالیہ قرار دینے والوں کا ذوقِ علم۔ ۳۱۶

عقائد کی اساس صوفیہ کے مشاہد پر نہ ہونی چاہیے ۳۱۸

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات ۳۱۸

عقائد کی بناء صوفیوں کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رکھنا کونسی شانِ علم ہے؟ ۳۱۸

صوفیہ نے جو دیکھا فطری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو ۳۱۸

مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت ۳۱۹

انکارِ عذابِ قبر کی ضرورت کیوں ٹپری؟ ۳۲۰

عذابِ قبر پر علماء حق کے بیانات ۳۲۲

تنفیح المبحث

۳۲۲

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اقرار وفاق ۳۲۲

موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں بڑا فرق ہے ۳۲۵

حضورؐ کی حیاتِ جہانی بھی ہے روحانی بھی اور برزخی بھی۔ ۳۲۵

مسئلہ زیرِ نزاع میں اصل مبحث مطلق حیات نہیں حیات بعد الوفا ہے۔ ۳۲۵

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کا بیان ۳۱۱

معانی کی تصویریں مختلف اشکال میں ۳۱۱

حقائق کی تصویریں مختلف صورتوں میں ۳۱۲

عالم غیب اور عالم شہادت کے مابین کی منزل ۳۱۳

عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں تیسری منزل ۳۱۳

برزخِ دنیا اور آخرت کے مابین ۳۱۳

عالم غیب اور شہادت کے مابین ۳۱۳

برزخ اس دوسرے مفہوم میں مستقل وجود رکھتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ۳۱۳

معراج کی رات عالمِ برزخ کے مسافر حضورؐ کو عالم مثال میں دکھائے گئے۔ ۳۱۳

قاضی بیضاویؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی دور راہیں ۳۱۳

رائی اس جہان کا اور سرئی اس جہان کے ۳۱۳

اجسادِ اصلیہ اور مثالیہ کے دو احتمال ۳۱۳

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلکِ ربانہ معراج ۳۱۳

علماءِ شرع کے ہاں عالم ارواح عالمِ برزخ اور عالم ۳۱۵

اجساد ہی ہیں شاید صوفیہ نے برزخ کو مثال کہہ دیا ہو ۳۱۵

اسلام میں عالم مثال کا تصور ۳۱۶

مقامِ بدن کے تعین سے مقامِ روح کا تعین ۳۱۶

ثبوت وفات کے دلائل ہمارے خلاف نہیں ۲۲۵ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے ۲۲۲

وفات کا وقوع پھر زندہ ہونے کے منافی نہیں ۲۲۵ روح کی حقیقت پر امام العصر حضرت علامہ انور شاہ

میں وفات آپ کے لیے مقدر تھی وہ واقع ہوئی ۲۲۵ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا بیان ۲۲۳

طریاں موت اور عادیہ حیات کے احتمالات ثلاثہ ۲۲۶

کے بعد پھر روح بدن میں یا بدن پر ۲۲۶

۱۔ ابانۃ الروح عن الجسد ۲۲۶ حیات شہداء کا ثبوت حیات انبیاء ۲۲۵

۲۔ ابانۃ الروح عن الجسد کے بعد پھر بدن کے تعلق ۲۲۶ ثابت کرنے کے لیے بمنزلہ زینہ ہے ۲۲۵

۳۔ انقباض الروح فی القلب سے ۲۲۶

پورے جسد اطہر میں آثار حیات باقی ۲۲۶

حضرت مولانا نانوتوی کا کسی ایک پر اصرار نہیں ۲۲۸ عامہ امتوا کی زندگی بہ درجہ منتشرہ ایک روحانی زندگی ہے ۲۲۶

اصل مبحث حیات البتہ قائم ہوتا ہے ۲۳۰ شہداء کرام کی زندگی بغیر قرآن ایک جسمانی زندگی ہے ۲۲۶

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب کا بیان ۲۲۶

علامہ ابن الہادی کا حقیقت افرغہ بیان ۲۲۷

۳۳۰ حیات اور موت دونوں کی اپنی انواع ہیں ۲۳۸

۳۳۰ حیات انسانی کے پانچ انداز ۲۳۸

۳۳۱ قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے ۳۳۹

۳۳۲ علامہ تقی زانی "حافظ ابن قیم" حافظ ابن حجر ۳۳۰

۳۳۲ علامہ ابن الہادی اور علامہ آلوسی کی شہادتیں ۳۳۰

۳۳۲ حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں ۳۳۲

۳۳۳ ایک اہم سوال اور اس کا جواب ۳۳۳

۳۳۳ حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں ۳۳۳ یہاں زندہ کن کو کہا گیا ہے؟ ۳۳۳

حیات جسمانی

حیات کا محل جسم ہی ہے

۱۔ شہداء کی جسمانی حیات

۲۔ پرندوں کی جسمانی حیات

۳۔ امتداد موت سو سال تک

۴۔ بستیوں کی زندگی آبادیوں سے

حیات برزخی

حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں ۳۳۳

- بل رفعہ اللہ الیہ رفع جسمانی کے لیے ۳۴۵ غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی؟ ۳۵۸
- یُؤْتِرُ قُوْنَ کی دلالت حیات جسمانی پر ۳۴۵ علامہ ابو عبد اللہ القریطیؒ کا بیان ۳۵۹
- روح کا دائرہ سیر کرنے کے بعد بڑھ جاتا ہے ۳۴۶ شہداء کی حیات معتزلہ بھی مانتے ہیں ۳۵۹
- حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مدینہ کا ایک مشاہدہ ۳۴۶ یرزاقون - شہداء سے خاص نہیں ۳۵۹
- جسد اطہر کی شان عالم برزخ میں ۳۴۸ صاحبزادہ ابراہیم کے لیے جنت میں دودھ پلانچوالی ۳۵۹
- حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سفر معراج پر ایک بیان ۳۴۸ حضورؐ کا لگے جہان کی غذا سے صوم وصال رکھنا ۳۶۰
- ارواح شہداء میں ملکہ تجسد ۳۵۱ آیت حیات شہداء کے تقاضے ۳۶۱
- ارواح شہداء سفید پرندوں کی شکل میں ۳۵۱ اس میں حیات جسمانی کا بیان ہے ۳۶۱
- دو بدنوں سے تعلق ہو اس میں عقلاً و نقلاً کوئی مانع شرعی نہیں۔ ۳۵۲ آیت لا تذروا ذرہ کو قبر میں لے جانا ۳۶۲
- شہداء کی حیات روح و جسد سے ہے ۳۶۲ شہداء کی حیات روح و جسد سے ہے ۳۶۲
- شہداء کی تمنا دنیا میں لوٹنے کی ہوگی تا وہ پھر ایک دفعہ لطف شہادت پائیں۔ ۳۵۳ علامہ نسفیؒ کی شہادت ۳۶۳
- پرندوں کی شکل میں آنا آیت کی تفسیر نہیں صرف ارواح کا تجسد ہے۔ ۳۵۲ علامہ سفارینیؒ کی شہادت ۳۶۴
- بائیں سمہ روح کا تعلق کسی اور جسد ہو سکتا ہے ۳۵۵ قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۳۶۴
- ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ انکی زندگی کا بیان؟ ۳۵۵ علامہ آلوسیؒ کی شہادت ۳۶۶
- جہنمی سیاہ پرندوں کے قالب میں ۳۵۶ یرزخ سے پردہ اٹھنے کی مثالیں ۳۶۶
- شہداء سبز پرندوں کے روپ میں ۳۵۶ شہداء اور انبیاء کو حالاً مردہ کہنے کا انکار ۳۶۰
- کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں ۳۵۶ علامہ آلوسیؒ کا ایمان افرور بیان ۳۶۱
- امام اوزاعیؒ کا بیان ۳۵۸ ابدان برزخیہ کا اجسام اصلیت سے تعلق ۳۶۲
- علامہ نسفیؒ کا حوالہ بحر الکلام سے ۳۵۸ شہداء کے علاوہ رزق پانیوالے برزخی افراد ۳۶۲

یہ عام اموات نہیں بلکہ جمل میں مرتبہ ہے ۳۷۳ جب سب سڑے قبروں سے اٹھیں گے تو
متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہیں ۳۷۳ انبیاء کا احیاء ہو گا یا ان کا بے ہوشی سے افاقہ ہو گا
احادیث کی رو سے طبعی موت پانی والے شہداء ۳۷۴ صور موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہو گا
روح من عند اللہ ضروری نہیں کہ روحانی ہو ۳۷۴ الا من شاء اللہ کا استثناء۔

۳۸۵ پہلا اور دوسرا صفحہ

حیات شہداء کے شواہد

۳۸۵ حضرت موسیٰ کا حضور سے پہلے ہوش میں آنا
۳۸۵ سب سے پہلے حضور سر اٹھائیں گے
۳۸۶ حافظ ابن کثیرؒ کی شہادت
۳۸۶ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ میں وقت کا فاصلہ
۳۸۸ نزول عیسیٰ بن مریم اور قتل و جلا
۳۸۹ ایک شکل ترین حدیث کا ذکر (نوری)
۳۹۰ قاضی عیاض مالکیؒ کا پیش کردہ حل
۳۹۱ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان
۳۹۲ مخالفین کا اقرار کہ بعد الوفات
حیات انبیاء بالاتفاق ثابت ہے
۳۹۲ عقیدہ حیات کے ساتھ پانچ اقوال
۳۸۲ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں
کے حق ہونے کا نشان
۳۸۲ حضرت ابو بکرؓ کو بھی مرتبہ شہادت ملا
۳۸۲ حضرت علیؓ کا مرتبہ شہادت
۳۸۲ جب صورتوں کا جائے اور انبیاء اٹھائے جائیں گے
۳۸۳ مسئلہ حیات النبیؐ کا تعارف

حیات بعد الوفات لیسہ الکائنات

- باب الاول وفيه خمسة فصول ۲۹۷
- الفصل الاول وفيه حديث اوس بن اوس ۳۹۷
- في حديث اجساد الانبياء ۳۹۷
- قطعات روایت میں ربط مطالب ۲۹۸
- صحابہ کا سوال اُوت اور حضور کا جواب ۳۹۹
- خط اجساد اسی جسد عنفری سے متعلق ہیں ۳۹۹
- منکرین حیات کی کثافت فکر ۴۰۰
- تائید مزید من روایت ابی الدرداء ۴۰۱
- روایت ابی الدرداء کی تصحیح کرنے والے ۴۰۲
- حديث الفصل الاول وفيه ثمانية من المباحث
- مبحث اول در احوال روات ۴۰۳
- وتوثيق رجال حديث اوس بن اوس ۴۰۴
- مبحث ثانى بتيسر محدثين تصحيح كى ۴۰۵
- گیارہ حوالے اور عبارات ۴۰۸
- مبحث ثالث حديث كالمفهوم حيا النبى ۴۱۳
- گیارہ حوالے اور عبارات ۴۱۳
- مبحث رابع حديث ابى الدرداء ۴۱۴
- وتوثيق روايته ۴۱۴
- مبحث خامس تدقيق الكلام فى عرض ۴۲۸
- الصلوة والسلام على سيد الانام ۴۲۸
- حضور پر درود بزرخی کیفیت سے اُترتا تھا ۴۲۸
- معراج کی رات دنیوی جسد اور بزرخی نظارے ۴۲۸
- عام حالات میں بھی آپ نے اعمال امت ۴۲۹
- کے بہت سے بزرخی جلوے دیکھے ۴۲۹
- حديث عرض اعمال از روایت عبد اللہ بن مسعود ۴۲۹
- حضور پر درود پیش ہونے کے خاص اوقات ۴۳۰
- عرض صلوة والسلام دنیا سے بزرخ تک مسلسل ۴۳۱
- رواۃ اللہ علی روحی کا معنی رواۃ اللہ علی لفظی ۴۳۱
- طبرانی کی روایت الا بلغنی صلاتہ ۴۳۲
- حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی شرح حدیث ۴۳۲
- حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث ۴۳۳
- ۳۲ھوں صدی محدث ابن الملقن کی شہادت ۴۳۳
- نویں صدی کے محدث حافظ ابن حجر کی شہادت ۴۳۳
- نویں صدی کے محدث حافظ سخاوی کی شہادت ۴۳۴
- دسویں صدی کے محدث حافظ سیوطی کی شہادت ۴۳۵
- گیارہویں صدی کے محدث علامہ خفاجی کی شہادت ۴۳۵
- بارہویں صدی کے محدث شاہ ولی اللہ کی شہادت ۴۳۶
- تیرہویں صدی کے محدث مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شرح ۴۳۶
- چودہویں صدی کے محدث سہارنپوری ۴۳۷

فاذا صرت رھین رمس (مرقات) ۴۴۵
مولانا شہید کا عقیدہ حفظ جبر پاک ۴۴۶

الفصل الثانی وفیہ ثلثہ من الہدایہ

حدیث ابی ہریرۃ ما من لحد یسلم علی ۴۴۷
مبحث اول چار بنیادی سوالات ۴۴۷
جہاں بدن اطہر ہے وہیں عرض سلام ہے ۴۴۸
ایک روایت میں سلیم علی عند قبری کے الفاظ ۴۴۸
علامہ زین الدین ابو بکر المرغی کی شہادت ۴۴۹
علامہ غزنی شراح جامع صغیر کی شہادت ۴۴۹
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شہادت ۴۴۹
مبحث ثانی در تحقیق رواۃ حدیث ۴۵۰
تصحیح محدثین دس حوالے ۴۵۱
کیا یزید بن عبد اللہ نے حضرت ابو ہریرۃ کا زمانہ پایا ہے؟ حافظ ابن حجر کا جواب ۴۵۲
مبحث ثالث کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب ۴۵۲
درود روز پیش ہوتا ہے یا صرف جمعہ کے دن ۴۵۲
جلال الافہام کی ایک حدیث میں تصحیف ۴۵۸
بلغنی صوته یا بلغنی صلوٰۃ ۴۵۸
مبحث رابع فی تصحیح المتقدمین ۴۵۹
امام احمد کی تصحیح امام ابو داؤد کی تصحیح ۴۶۰

علامہ عثمانی اور حضرت شیخ الحدیث کی تصدیق ۴۴۷
سویں صدی کے مجدد ملا علی قاری کا بیان کہ آپ کا جسد اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔ ۴۴۸
درود و سلام حضور پر پیش ہونا اس پر ۴۴۸
حضرت عبداللہ بن مسعود کی شہادت ۴۴۸
حضرت عبداللہ بن مسعود کی تعلیم درود ۴۴۸
درود پہنچانے والے کا رکناں الہی ۴۴۹
حضرت ابوالدرداء کی تصدیق ۴۵۰
سیاحین فی الارض کا دائرہ کار ۴۵۱
محدث کبیر ملا علی قاری کی شہادت ۴۵۱
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شہادت ۴۵۱
قاضی شوکانی کی شہادت ۴۵۱
اس شبہ کا جواب کہ حدیث کے موقع پر ۴۵۲
حضرت عثمان کا درود آپ پر کیے نہ آیا۔ ۴۵۲
مبحث سادس ۴۵۲
التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہید ۴۵۲
ملنے کے متعدد معنی ۴۵۲
۱. ملحق ہونا۔ ۲. ایک ذات ہونا۔ ۳. دفن ہونا۔ ۴۵۲
میں کبھی سے کے معنی میں (لہذا اللغات) ۴۵۲
حضرت گنگوہی کی طرف سے وضاحت ۴۵۵

فی تصحیح المتأخرین

۴۶۹

مبحث ثانی

حضرت موسیٰ سے ملاقات کوئی ایک واقعہ حال نہیں ۴۶۹

۴۶۹

آپ نے معراج کی رات اپنے کو پوری
جماعت انبیاء میں دیکھا۔

۴۶۹

معراج کے علاوہ بھی بعض دوسرے انبیاء کو دیکھا ۴۶۹

۴۷۰

مبحث ثالث

۴۷۱

انبیاء کا اجساد غفریہ سے آسمانوں پر
بانا کیا قبروں کے کھلنے سے ہوا۔

۴۷۱

قبروں کے کھلنے کا وقت تو مرفی قیامت ہے ۴۷۱

۴۷۱

قبروں سے کچھ وقت علیحدہ رہنے کا استبعاد ۴۷۱

۴۷۲

انبیاء کی بیت المقدس حاضری کے لیے
جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے۔بیت المقدس کی ملاقات اگر ابدان مثالیہ سے ہو
تو لازم نہیں کہ مومن کو قبر میں بدن مثالی سے دیکھا ہو۔ ۴۷۲

ارواح قدسیہ متحمل ہیں تو بھی حیات فی القبر کی نفی نہیں ۴۷۲

مبحث رابع

حدیث صلوة موسیٰ کے خلاف قرآن سمونے کا دعویٰ ۴۷۳

دارالعمل کے بعد وجوب عمل کی نفی ہے ۴۷۳

نفس عمل کی نہیں۔ ۴۷۳

حضرت علامہ قسطلانی کی شہادت ۴۷۴

مولانا انور شاہ کی شہادت ۴۷۵

۴۷۰

مولانا عبد الجبار غزنوی، مولانا طفر احمد عثمانی ۴۷۰

شیخ عبد الحزین باز ۴۷۰

مبحث خامس فی معنی رد الروح ۴۷۱

رئیس المحدثین مولانا انور شاہ کی شرح حدیث ۴۷۱

حدیث سہارنپوری مولانا خلیل احمد کی شرح حدیث ۴۷۲

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی شرح حدیث ۴۷۳

حضرت مولانا عبد الجبار غزنوی کی شرح حدیث ۴۷۳

شرح حدیث ان لله ملک کتسبا حین فی الخوض ۴۷۴

۴۷۵ { حضرت کا سماع عند القبر ایک یقینی

اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

۴۷۵ { مدائے سجد کی دو علی شہادتیں

الفصل الثالث فیہ شریعت من المباحث

حدیث صلوة موسیٰ فی القبر ۴۷۶

حضرت موسیٰ سے ملاقات کی قرآنی خبر ۴۷۶

مبحث اول ۴۷۷

معراج کی رات آپ حضرت موسیٰ سے مختلف ۴۷۷

مقامات میں مختلف اوقات میں ملے تھے ۴۷۷

حافظ ابن حجر رحمہ کی شہادت ۴۷۸

امام بیہقی رحمہ کی شہادت ۴۷۸

- قرآن کریم سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۴۷۴ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون ۴۸۶
- امادیت سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۴۷۵ سب راویوں کا مشترک سلسلہ روایت ۴۸۷
- جنور کا آخرت میں امت کے لیے استغفار ۴۷۶ حافظ ابو بعلی الموصلی کا سلسلہ اسناد ۴۸۷
- حضرت تھانیؒ کا ایک نہایت جامع تبصرہ ۴۷۷ مبحث امل فی معنی الحدیث ۴۸۸
- مبحث خامس ۴۷۷ انبیاء کے لیے وہی پیرایہ حیات ہے جو ۴۸۸
- حدیث کی سند پر اعتراضات ۴۷۷ قرآن کریم میں شہداء کا پیرایہ حیات ہے ۴۸۸
- مراکسل صحابہؓ بخود محبت ہیں ۴۷۸ الانبیاء سے اجساد و ارواح دونوں مراد ہیں ۴۸۹
- مبحث سادس ۴۷۸ حضرت مولانا انور شاہ کی شہادت ۴۸۹
- وادئی ازرق یا لیلۃ الاسرار کے ۴۷۹ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت ۴۹۰
- مشاہدات حقیقی تھے یا مثالی؟ ۴۷۹ حضرت علامہ سمہودیؒ کی شہادت ۴۹۰
- اصل سے مراد اصل ہی ہے جب ۴۷۹ ایک اور جہت سے معنی پر غور ۴۹۱
- تک قرینہ صارفہ نہ ہو۔ ۴۷۹ جو حیات مقصد حیات کے خالی ہو وہ موت ہے ۴۹۱
- ابدان مثالی کے قائلین پر ایک الزام ۴۸۰ اس معنی و مفہوم پر قرآن پاک کی شہادت ۴۹۱
- حافظ ابن حجرؒ نے دو احتمالات کو محکمہ دی ہے ۴۸۰ روح اور حسد کی نیت سے تین کیفیتیں ۴۹۲
- حافظ نے خود اصل تشریف آوری کو ترجیح دی ہے ۴۸۰ روضہ منورہ کی حیات تیسری قسم کی ہے ۴۹۳
- اللہ کی قدرت کا اقرار کرنے سے ۴۸۱ جنور کی حیات قبریہ کے دو جزو ہیں ۴۹۴
- کوئی مشکل نہیں رہتی۔ ۴۸۱ ۱۔ صرف روح کی زندگی نہیں ۴۹۴
- ۲۔ اشتغال بالاعمال ۴۹۴
- حدیث صلوة نبی اللہ موسیٰؑ پر زہر الہی کا حاشیہ ۴۸۳ حضرت مولانا انور شاہؒ کی شہادت ۴۹۴
- عالم برزخ کے حقائق اور کیفیات ۴۸۴ قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۴۹۵
- ۴۹۵ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۴۹۶

- علامہ سندھیؒ کی شہادت ۴۹۷
- علامہ شعرائیؒ کی شہادت ۴۹۸
- عافظ ابن حجرؒ کی شہادت ۴۹۸
- علامہ بدرالدینؒ کی شہادت ۴۹۸
- مبحث ثانی فی احوال الرواة ۴۹۹
- حجاج بن الاسودؒ ۵۰۰
- کشف الستار من وجہ الککارہ ۵۰۱
- اس حدیث کا شاہد موجود ہے ۵۰۲
- مبحث ثالث ۵۰۳
- راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی اپنی دعا ۵۰۴
- راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی قبر میں زندگی ۵۰۵
- مبحث رابع ۵۰۶
- جن اکابر علماء نے اس حدیث کو قبول کیا ۵۰۶
- حدیث پر تواتر کا دعویٰ ۵۰۷
- حوالجات ۴۳ حوالے ۵۰۷
- مبحث خامس الکلام علی عالم المثال ۵۰۸
- چار جہاں بالترتیب عالم مثال متوازی ۵۰۹
- حضرت نے جنت اور جہنم کو متوازی ہستی میں دیکھا ۵۱۰
- عالم مثال کے مختلف اواہم (آدم) ۵۱۵
- حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہاں ۵۱۶
- عالم مثال کی حقیقت ۵۱۷
- مبحث سادس فی معنی القبر ۵۲۷
- ایک غلطی کا ازالہ ۵۲۸
- ۲ حضرت کے عہد میں قبر کے عام اطلاقات ۵۲۸
- صحابہ اہل بیتؑ کے ہاں لفظ قبر ۵۲۸
- حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی ۵۲۹
- قبر پر نور کے شعلے ۵۳۱
- المفصل الخامس فیہ شہد من المہاش ۵۳۲**
- حدیث ابی ہریرہؓ من صلی علی عندقیری ۵۳۲
- مبحث اول فی معنی الحدیث ۵۳۲
- مذہب مٹی کے فاصلے سے سننا ۵۳۳
- آپ کو دنیا میں بھی حاصل تھا ۵۳۳
- قبر میں قریب سے سننے کی ایک اور روایت ۵۳۳
- آپ کا حضرت عیسیٰ کو قبر میں لے کر جاب دینا ۵۳۳
- طبرانی کی روایت کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے ۵۳۳
- حدیث زمین پر سیاحت کرنے والے ۵۳۳
- ملائکہ مجھے درود و سلام پہنچاتے ہیں ۵۳۳
- انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ۵۳۵
- اس سے مراد سماع حقیقی بلا واسطہ ہے ۵۳۵
- حضرت ابن عمرؓ کی روایت بحوالہ شیخ عبدالحق ۵۳۶
- حضرت مولانا تھانویؒ کی شہادت ۵۳۶

المبحث الثاني

۵۳۸ تحقیق رواۃ سندابی الشیخ ۵۴۳

فی بیان الشاہد من الحدیث ۵۳۸ مبحث رابع ۵۴۳

روایت عبداللہ بن مسعود ان للہ ملئکۃ سیاحین ۵۳۸ جن علمائے اعلام نے اسے تسلیم کیا ہے ۵۴۵

دونوں سندیں سفیان ثوری تک ۵۳۸ بارہ علمائے کبار ۵۴۶

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں اور کہاں پہنچاتے ہیں؟ ۵۳۸ جوابات از بعض عبارات ۵۴۶

قبر مبارک پر کیونکہ وہ سیاحین فی الارض ہیں ۵۳۸ ابن تیمیہ، ابن قیم، ماقظ ابن حجر، حافظ سخاوی ۵۴۶

حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند کا حال ۵۳۹ ابن حجر مکی، ابن کثیر، علامہ خفاجی، المنذری ۵۵۰

دوسری سند کے راوی محمود بن وکیع بن الجراح ۵۳۹ ملا علی قاری، علامہ طحاوی، قاضی شہار اللہ ۵۵۳

یہ حدیث کن کن کتابوں میں پائی جاتی ہے؟ ۵۴۰ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبد الوہاب سجستانی ۵۵۴

کن کن محدثین نے اسے معتقد کہا ہے؟ ۵۴۰ مولانا عبدالحی لکھنوی، نواب صدیق حسن خان ۵۵۴

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا تواتر کا دعویٰ ۵۴۱ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری ۵۵۵

مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث ۵۴۱ حضرت مولانا مختار دہلوی، مولانا عبدالغفور امرتسری ۵۵۶

مبحث ثالث

۵۴۱ مبحث خامس ۵۵۷

تحقیق اسانیدابی الشیخ والبیہقی ۵۴۱ علامہ ابن عبد الہادیؒ کا اسے معنی قبول کرنا ۵۵۷

ابوالشیخ اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں ۵۴۱ امام بیہقیؒ اس روایت کو دوسرے شواہد [۵۵۹

ابوالشیخ کی سند جتید ہے ۵۴۱ سے ملو کہ کرتے ہیں روایت نہیں کرتے۔] ۵۵۹

بیہقی کا راوی ابو عبدالرحمن محمد بن مروان ۵۴۲ فروغ کے اختلاف اور اصول کے اختلاف ۵۵۹

منکرین کا روایت کے لیے دوسرے پتیرہ ۵۴۲ کی دو حیثیتیں۔ ۵۶۰

یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے ۵۴۲ جید اور صحیح میں فرق ۵۶۰

کیا کسی امام نے اسے قرآن کے خلاف کہا ہے؟ ۵۴۲ دعویٰ غرابت اور اس کی وضاحت ۵۶۱

مغالطے کا ایک اور انداز ۵۴۲ صحیح بخاری میں غریب کے الفاظ ۵۶۲

مبحث سادس

- ۵۲۴ ان آیات کا موضوع کیا صرف انبیاء
 ارشاد العوام لعرض الصلوٰۃ والسلام ۵۲۴ ہیں یا مفسرین ان میں مجاہد ابھی ذکر کئے۔ ۵۷۲
- امام مالکؒ کے نزدیک آپؐ کی حیات نامہ ۵۶۴ غفلت کا معنی علم کی نفی یا دھیان کی نفی ۵۷۳
- مشہور درسی کتاب نور الایضاح کا حوالہ ۵۶۵ درود و سلام کے سوا کیا کچھ اور بھی سننا ہے ۵۷۴
- ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك ۵۶۵ واقعہ حضرت بلال بن الحارثؓ ۵۷۵
- حضرت کی ہمسائیگی تھی ہے کہ آپؐ قبر میں زندہ ہوں ۵۶۵ تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ ۵۷۵
- شفاعت کے لیے عرض کرنا ۵۶۷ روضہ انور پر اسلام پر ایہ خطاب میں ۵۷۱
- علامہ ابن الہمامؒ کی تعلیم طریق زیارت ۵۶۷
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ۵۶۷
- الفصل الاول مسلک خلفائے راشین**
- ماہنامہ تعلیم القرآن راوالپنڈی کا فتویٰ ۵۶۸ نزول وحی کے وقت آنحضرتؐ کی حالت ۵۷۷
- حضرت کے حضور صلوٰۃ و سلام کے کلمات ۵۶۸ اس حالت کے پیش نظر وقوع موت میں احتمال ۵۷۷
- گنبد خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام ۵۶۹ حضرت عمرؓ کے انکار وفات کے مختلف احتمالات ۵۷۸
- شیخینؓ کو نبی کریمؐ کے حضور واسطہ بنانا ۵۷۰ حضرت عمرؓ انک میت کے وعدہ بے خبر نہ تھے ۵۷۸
- اوروں کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے ۵۷۰ تعطیل حواس ظاہر اور موت میں اشتباہ ۵۷۸
- فتاویٰ عالمگیری کا ایک حوالہ ۵۷۰ حقیقت الامر اور حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ ۵۷۸
- سماع موتی میں سلف کا اختلاف بتلاتا ہے کہ ۵۷۰ {
- دونوں میں کوئی بات قطعی نہیں۔ ۵۷۰ {
- پکار دور سے بلانے کو کہتے ہیں ۵۷۱ {
- قریب بات کہنا پکارنا نہیں ہوتا۔ ۵۷۱ {
- قرآن کریم میں اموات کے پکار ۵۷۱ {
- سننے کی نفی ہے۔ ۵۷۱ {
- حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حضرت عمرؓ کے ۵۸۲ {
- انکار وفات میں ایک گہرائی محسوس کی۔ ۵۸۲ {
- صحابہؓ نے آپؐ کو دوسری اموات ۵۸۳ {
- کا سامعاً نہ کیا۔ ۵۸۳ {

- اختصاصات الوفات لید الکائنات ۵۸۳ حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد ۵۹۶
- تنوع موت پر پہلی شہادت ۵۸۳ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مسئلے کی تائید ۵۹۸
- تنوع موت پر دوسری شہادت ۵۸۴ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا اعتقاد ۵۹۹
- بنی کی نیند اور دوسروں کی نیند میں فرق ۵۸۵ مجاورت قبر سے مجاورت رسول کا دعویٰ ۵۹۹
- محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ کی شہادت ۵۸۶ لا افتار بجوار رسول اللہؐ سواہ ۶۰۰
- اعتقاد الصدیقؓ لِحیات الرقیق ۵۸۷ حضرت علی المرتضیٰؓ کا اعتقاد ۶۰۱
- جو موت موعود تھی وہ واقع ہو چکی ۵۸۷ جوار قبر رسول سے جوار رسالت کا دعویٰ ۶۰۲
- آپ پر دوسری موت آئندہ نہ آئے گی ۵۸۷ حضورؐ کے روضہ کے پاس بھی شور نہ ہو ۶۰۲
- مفہوم موتین کی تعیین ۵۸۷ ایک اعرابی کی حضورؐ کے روضہ پر حاضری ۶۰۲
- علامہ عینیؒ کا ایمان افروز بیان ۵۹۰ اور روضہ سے آواز روایت حضرت علیؓ ۶۰۲
- قبر میں حیات اور پھر موت دونوں ہیں ۵۹۰ آیت جلوۃ قبر پر حاضری کو بھی شامل ہے ۶۰۲
- حافظ ابن حجرؒ کا تائیدی بیان ۵۹۰ اس حکم کے باقی ہونے پر علماء دیوبند کی شہادتیں ۶۰۴
- شارح بخاری علامہ نور الحق دہلویؒ کی شہادت ۵۹۱ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۶۰۵
- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۵۹۲ (تمتہ الفصل)
- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عقیدہ حیات النبیؐ ۵۹۲ بیان عقیدہ ازام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ ۶۰۶
- مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا عقیدہ ۵۹۳ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل ۶۱۱
- ان شارحین حدیث نے جو کچھ بیان کیا ہے ۵۹۳ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے صیغہ ہائے سلام ۶۱۲
- اسے اہلسنت کا مذہب کہہ کر بیان کیا ہے ۵۹۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حاضری ۶۱۲
- اعتقاد الفاروقؓ الاظمؓ لِحیاء النبیؐ الخاتم ۵۹۵ درود و سلام کی ادائیں احناف کا موقف ۶۱۴
- حضورؐ کی آواز سے اونچی آواز کرنے کا حکم ۵۹۵ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی ۶۱۴
- کیا وفات کے بعد بھی اس آیت پر عمل لازم ہے؟ ۵۹۶ روضہ اطہر پر حاضری

- درود و سلام کی ادا میں احناف کا موقف ۶۱۴ ملا علی قاریؒ کی عبارت ۶۲۳
- حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روئے طہر پر چاضی ۶۱۴
- حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اپنی قبر کی کرامت ۶۱۴

الفصل الثالث

- ۶۲۳ اکابر فرقہ اہل حدیث
- ۶۲۳ قاضی شوکانیؒ کی عبارت

الفصل الثانی فی بیان المذہب الرابع

- ۶۱۴ مالکی مذہب کا بیان
- ۶۱۴ شیخ محمد بن عبد الوہاب سجدیؒ
- ۶۱۴ امام مالکؒ اور خلیفہ ابو جعفر منصورؒ کی گفتگو
- ۶۱۴ نواب صدیق حسن خاںؒ کی شہادت
- ۶۱۴ امام مالکؒ کا فتوے کہ زیارت قبر نہ کہے

- ۶۱۴ حضرت مولانا ندیر حسین دہلویؒ
- ۶۱۴ مولانا وحید الزمان حیدر آبادیؒ
- ۶۱۴ شافعیؒ مذہب کا بیان
- ۶۱۴ طبقات شافعیہ کی عبارت
- ۶۱۴ علامہ یوسف اردوبیلیؒ کی عبارت

- ۶۱۴ حنبلی مذہب کا بیان
- ۶۱۴ مولانا فضل الرحمن بہری پوریؒ
- ۶۱۴ علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت
- ۶۱۴ علمائے سجد کی تصریحات
- ۶۱۴ حنفی مذہب کا بیان
- ۶۱۴ علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت
- ۶۱۴ علمائے سجد کی تصریحات

- ۶۱۴ حنفی مذہب کا بیان
- ۶۱۴ علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت
- ۶۱۴ علمائے سجد کی تصریحات
- ۶۱۴ حنفی مذہب کا بیان
- ۶۱۴ علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت
- ۶۱۴ علمائے سجد کی تصریحات

الفصل الرابع فی موقف المتکلمین

- ۶۲۸ عقیدہ علامہ توربشتیؒ
- ۶۲۸ عقیدہ الاستاذ ابو منصور البخزادیؒ
- ۶۲۸ علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت
- ۶۲۸ علامہ ابن عابدینؒ کی عبارت
- ۶۲۸ حضرت علامہ عینیؒ کی عبارت

۶۲۷ ① مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شہادت

تمتہ الفصل

۶۲۷ { حیات حب جمع علیہ عقیدہ ہے تو
انکار حیات فی القبر کن کا عقیدہ ہے؟ }

۶۲۷ علامہ عینیؒ کی شہادت

۶۲۷ حافظ ابن حجرؒ کی شہادت

الفصل السابع

۶۲۸ مبحث اول

۶۲۸ حیات فی القبر کا تحقیق

۶۲۹ طریق حیات فی القبر خواہ اعادہ روح
سے ہو یا اشرف روح بر بدن سے

۶۳۰ { اعادہ روح کی روایت احمد
اس کی تصحیح کرنے والے ائمہ }

مبحث ثانی

۶۳۱ رد الاشتبہات فی تحقیق الروات

۶۳۲ زاذان کا سماع حضرت برادرؒ سے

۶۳۵ مبحث ثالث

۶۳۵ اعادہ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

۶۳۶ تحقیق المقام - تین مسلک

۶۵۰ مبحث رابع

۶۲۸ اشاعرہ اور ماترید یہ کا متفقہ فیصلہ

۶۲۹ عقائد علمائے دیوبند اور المہند

الفصل الثامن

۶۳۰ شواہد الحیات من بیان الواقعات

۶۳۰ ① واقعہ حرہ

۶۳۰ مسجد نبویؐ میں حضرت سعید بن مسیبؓ

۶۳۱ روضۃ اطہر سے اذان و تکبیر کی آواز

۶۳۲ قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

۶۳۲ مولانا نور شاہ صاحبؒ کا بیان

۶۳۲ ② واقعہ سلطان نور الدین زنگیؒ

تمتہ الفصل

شیخینؒ کو گنبد خضریٰ سے نکالنے کی سازش

الفصل السادس

شہادات اجماع

① محدث سخاویؒ کی شہادت

② علامہ عینیؒ کی شہادت

③ علامہ محمد عابد ندویؒ کی شہادت

④ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

⑤ نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ

اعادۂ روح اور اقبال روح میں موازنہ ۶۵۰ حضرت کے ہاں درودِ مہمت کا عقیدہ { ضروریات میں سے۔ ۶۶۱

الفصل الثامن

بعض مدرسے مقربین کے اہلاد کا محفوظ رہنا ۶۵۳ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۶۶۳
سید الشہداء حضرت حمزہؑ کی حیاتِ جدی ۶۵۳ حیاتِ انبیؑ کے باعث منعِ وراثت ۶۶۳
عمرو بن العجمؓ کی حیاتِ جدی ۶۵۳ حدیثِ نبیؐ اللہ جی میں نفاق کی تصدیق ۶۶۳
حضرت خذیفہ بن یمانؓ ۶۵۴ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کے سوال کے {
حضرت جابر بن عبد اللہؓ ۶۵۴ جواب میں حضرت گنگوہیؒ کا پُرانوار جواب۔ {
قاضی شوکانیؒ کی شہادت کہ حیاتِ شہداء { روح اور جسد دونوں سے متعلق ہے۔ ۶۵۴

الباب الرابع وفيه فصلان

الفصل الاول ۶۵۵ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۶۶۱
علمائے دیوبند میں المہند کی مرکزی حیثیت ۶۵۶ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۶۶۶
المہند لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ۶۵۶ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ۶۶۶
مسک دیوبند ایک واضح اور { شخصی صورت میں۔ { ۶۵۶
مسک حیاتِ انبیؑ کا مدار صرف آبِ حیات نہیں ۶۵۸
دس مرحوم اکابر دیوبند کے عقائد ۶۵۹

دس موجود اکابر دیوبند کا عقیدہ حیاتِ انبیؑ

۶۸۱ ۶۵۹ ۱۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
۶۸۴ ۶۶۱ ۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

- حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قاصد کے ذریعے سلام بھیجا ۱۸۵ ۵۔ مخدوم العلماء مفتی محمد حسن بانی جامعہ شرفیہ لاہور ۷۰۷
- قریب سے سنتے نہیں تو ایسا کیوں تھا؟ ۱۸۹ ۶۔ مولانا مفتی محمد صادق جامعہ عباسیہ بہاولپور ۷۰۷
- حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مسک میں کوئی فرق نہ تھا۔ ۱۸۹ { ۷۔ استاد العلماء مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ملتان ۷۰۷
- المہند میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے ۱۸۹ ۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اویس کاندھلوی لاہور ۷۰۷
- اردو اشتہارات میں یہ بحثیں لانا درست نہیں ۱۹۰ ۹۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر راولپنڈی ۷۰۷
- ۱۰۔ حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ در خواستی خانپور ۷۰۷

ربیع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد
دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ ۱۴۰۵ھ

- ۳۔ محدث العصر حضرت مولانا طہر احمد عثمانیؒ ۲۹۱
- ۴۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ ۲۹۱
- ۵۔ مفتی اعظم دیوبند مفتی مہدی حسن شاہ بھانپوریؒ ۲۹۲
- ۶۔ خلیفہ اعظم حضرت مولانا حسین علی نصیر الدین غوث شتوتیؒ ۲۹۲
- ۷۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ۲۹۷
- ۸۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رانپوریؒ ۲۹۸
- ۹۔ جانشین حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ۲۹۸
- مولانا عبدالغنی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی ۲۹۸
- ۱۰۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنوی ۲۹۹

کیا روضہ میں دنیا کی سی زندگی ہے؟ ۷۱۰

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور
شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں کا تصفیہ ۷۱۱

عمیقہ حیات الانبیاء قرآن کریم میں ۷۱۲

پانچ آیتوں سے مسئلے کا ثبوت ۷۱۲

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں ۷۱۳

۱۔ الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون ۷۱۳

حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۴

۲۔ رد اللہ علی روحی فار د علیہ ۷۱۶

حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۶

۳۔ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ۷۱۷

حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۸

پاکستان کے دس اکابر مسک دیوبند کا متفقہ اعلان

۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری کراچی ۷۰۷

۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک ۷۰۷

۳۔ اتا ذالاساتذہ مولانا محمد رسول خاں لاہور ۷۰۷

۴۔ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق افغانی صدوق المدرس ۷۰۷

۵. اللہ ملتکہ سیاحین فی الارض ۴۰ بزرگان دیوبند اور اقرار اجماع ۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۰ اصحابِ طواہر کا اقرار اجماع ۴۲
۵. من صلی علی عند قبری سمعته ۴۱ قیاس صحیح اور حیات الانبیاء ۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۱ منکرین حیات کس فرقے کے لوگ ہیں؟ ۴۴
۱. مسند حیاۃ النبی اور محدثین غلام ۴۳ منکرین حیات کے پیچھے نماز پڑھنا ۴۵
۲. مسند حیاۃ النبی اور مشکلمین کرام ۴۸ حضور کے روضہ پر حاضری کی تاکید ۴۵
۳. مسند حیاۃ النبی اور فقہاء اسلام ۴۹ زیارۃ روضہ اطہر احادیث کی روشنی میں ۴۶
۱. محدثین دیوبند اور عقیدہ حیاۃ الانبیاء ۴۰ زیارۃ روضہ اطہر پر فقہاء کی تصریحات ۴۶
۲. مشکلمین دیوبند اور عقیدہ حیاۃ الانبیاء ۴۳ منکرین عذاب قبر کا شرعی حکم ۵۰
- انبیاء کی نسبت موت کا اعتقاد ۴۵ { شفاعت، رویت باری کرام کا تبیین ۵۰
- بھی ضروری ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم ۴۵ { اور عذاب قبر کے منکرین کا ایک حکم ۵۰
۳. فقہاء دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۵ زیارۃ روضہ اقدس پر اجماع امت ۴۹
- حیات انبیاء کرام اور اصحابِ طواہر ۴۶ منکرین حیات اہل سنت سے خارج ۴۶
- شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی ۴۹ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کی تصریح ۵۰
- اجماع امت اور مسند حیاۃ الانبیاء ۴۱ حافظ ابن ہمام کی شہادت ۵۱
- علامہ سخاوی کی شہادت ۴۱ فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ ۵۱
- علامہ سندھی کی شہادت ۴۱ علامہ قرطبی کی شہادت ۵۱
- شیخ عبدالحق کی شہادت ۴۲ علامہ سلمیٰ کی شہادت ۵۲
- نواب قطب الدین کی شہادت ۴۲ بحر العلوم عبدالحق کی شہادت ۵۲
- علامہ داؤد بغدادی کی شہادت ۴۲ مہر دارالعلوم دیوبند

مخدوم العلماء جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا

قاری محمد طیب صاحب

کامولف مقام حیات نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید مجدکم السامی

سلام سنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں، کل دیوبند پہنچوں گا انشاء اللہ۔ ”مقام حیات“ جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے طرز بیان انتہائی بلیغ، موثر اور دلنشین ہے مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سر بلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لیے ہر وقت دعا گو ہوں۔

والسلام

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند

۱۳۸۱ھ

منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور ۱۳ ستمبر ۱۹۶۲ء

سماتہ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا فتویٰ

”نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبروں کی زیارت
کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور
دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کرے۔“

السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میساکہ سنن ابی داؤد میں ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا،
جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر ٹوٹا دیتا ہے یہاں تک
کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں بلکہ

اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں
ٹوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فیصلۃ الیٰ قضیٰ علیہا الموت کا مطلب یہ ہے کہ موت والے
کی روح اس دنیا میں اُس کے بدن میں ٹوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور نیند والے کی اسے
ٹوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالم برزخ میں بھی بدن میں ٹوٹنے سے روکی
ہوتی ہے۔ شیخ عبداللہ بن باز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:-
اہل علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپ کی حیات برزخی کے
لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں بلکہ

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور پر وفات آئی اور انک میت وانہم میتون
کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اس اہت کو آپ کی عالم برزخ کی حیات کے لیے مانع سمجھنا اور اس سے
عقیدہ حیات البنی کو رد کرنا کسی صاحب علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیات شہداء
پر نفی وارد نہ ہوتی۔

تعارف و اعتراف

اس نازک دور میں، جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے، تن آسانیوں اور لذت سامانیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ ضرورت تھی کہ احترامِ دین اور فکرِ آخرت رکھنے والا طبقہ۔۔۔ جسے کہ عام طور پر دینی طبقہ کہا جاتا ہے،۔۔۔ اپنی مجموعی کوششیں اور تمام تر جدوجہد۔۔۔ دین و ملت کے اصولی مسائل کے تحت نظر لگا دے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترامِ دین کے احساس میں مشترک تھے، تفصیلی فکر و عمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اور۔۔۔

جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

لادینیت کا محاذ

مالی قدروں اور جسمنی لذتوں کا آمیزہ۔۔۔ اسلام کو اپنے رستے میں ایک رکاوٹ سمجھ کر لادینی کے لیے ایک متحدہ محاذ بنارہا ہے۔۔۔ زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔۔۔ مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔۔۔ تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے۔۔۔

بہنوز دہلی دور است

سوادِ اعظم کے مختلف مسالکِ عمل بے شک ایک ہی جادۂ شریعت کے نظامِ وسعت اور ایک ہی چمکہِ عمل کے مختلف کنارے تھے۔ عقائد کی مختلف تعبیرات بھی بلا ریب نزاعِ لفظی کی حدود سے متجاوز نہ تھیں لیکن افسوس کہ محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انہیں بھی جنگ

کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ معتزلہ اور کرامیہ خود اہل سنت کی صفوں میں آگھٹے ہیں۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار، فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تحزب کی تند ہوا میں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر دردمند اور حساس مسلمان کا دل ٹپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہیے۔
یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض ابواب میں خود شریعت ہی مختلف طریق عمل پیش کر کے اسلام کے نظامِ وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقلیں اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائل متفقہ میں بھی کٹرے نکالنے لگیں، تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو، اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو آشک بار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی عسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدِ باب کے لیے جملہ عواملِ بُرے کا رلائے جائیں۔ فطرت کا نظام انقلاب اور قومی زندگی کا تدوینِ جذر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں، بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدتِ ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیش رو نہیں، بلکہ علم و معرفت کے دستون ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علمِ نبوت — پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر و نظر کی وسعتیں اسی حد تک لائق تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساسِ ملی کا یہ چشمہ حیات گدلا نہ ہونے پائے۔

راہ آباد رو کہ اس جمہیت است معنی تقلید ضبط ملت است
(اقبال)

اسلام کا عقیدہ معاد — دین محمدی کا اہم ترین موضوع

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع الشرب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ الشرب العزت کے وجود علم حیات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سننا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ قرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان و حدوث کے دائرہ میں ہیں ایک وہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ واجب الوجود کی کوئی صفت کبھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفات واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ اس کے لوح قلب پر ملازم اعلیٰ کی کوئی جھلک اترے تو یہ امر دیگر ہے۔

اس عقیدہ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدہ معاد ہے، اُسے
Resurrection (حشر جہاد) بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں جس طرح توحید باری کے دلائل و شواہد جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔ دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدہ معاد ہے مسئلہ اللہ اور یقین آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلام کے یہی تین اصول ہیں۔ توحید، آخرت، اور رسالت۔ اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔ التوحید والرسالة والآخرۃ۔ ایمان محمدی اللہ تعالیٰ فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الروضة النذیہ میں ہے :-

هَذَا هُوَ الرُّكْنُ الْخَامِسُ مِنْ أَرْكَانِ الْإِيمَانِ وَهُوَ الْإِيمَانُ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَمْعُهُود

بَنِي آدَمَ يُؤْمِنُونَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَقَدْ دَلَّ عَلَى ذَلِكَ الْعَقْلُ وَالْفِطْرَةُ

كَمَا صَرَّحَتْ بِهِ جَمِيعُ الْكُتُبِ السَّمَاوِيَةِ وَنَادَى بِهِ الْأَنْبِيَاءُ وَالْمُرْسَلُونَ

وَالنَّاسُ فِي الْبَرَزِخِ يَفْتَنُونَ وَيَنْعَمُونَ أَوْ يُعَذِّبُونَ عَلَى ذَلِكَ ۖ

ترجمہ۔ ارکان ایمان میں سے پانچواں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لانا ہے بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف ہمنائی کرتے ہیں تمام آسمانی کتابوں میں اسکی صراحت ہے اور تمام اقبیاء و مسلمین اس دن کی آواز دیتے آ رہے ہیں اور لوگ بزرخ میں (اس درمیانی زندگی میں) آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں اس پر نعیم و عذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

جو لوگ منکرین مذہب *atheist* تھے انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں تھی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہوگی — وہ جہاں کیسا ہوگا جہاں ہم لوٹیں گے۔ اس کا ایک جواب بہت آسان تھا، وہ یہ کہ انسان بدن اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق روح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک روحانی جہاں *spiritual world* ہے مرنے پر بدن کی ریزگاری اس جہان سے متعلق ہے، روح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات روح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزا و سزا مرتب ہوگی قبر میں تم بدن کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے جلد ہے یہی اس کی بے شک فنا ہے روح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔

قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا، اگر آخرت کا معاملہ صرف روح سے ہوگا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا، قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے — سوال یہ تھا:۔

قال من حی العظام وہی رمیم۔ (پس لین آیت ۷۸)

ترجمہ۔ کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں۔

جواب میں فرمایا:۔

قل یحییٰہا الذی انشأہا اول مرۃ وہو بکل خلق علیہ۔ (پس لین آیت ۷۹)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے بنایا اُن کو پہلی بار۔ اور وہ سب طرح بنانا جانتا ہے۔

قرآن پاک میں یہ مضمون متعدد مقامات پر پھیلا ہوا ہے یہاں انسانی سوچ حیرت میں گھر جاتی ہے۔ کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہی مُردہ ابدان کو پھر سے اُٹھایا جائے اور ان کے ایک فردے میں زندگی لائی جاسکے، کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آخرت کے سارے معاملات صرف رُوح سے متعلق رکھے جاتے اور آخرت کے اَلَم و نَعیم کا مورد یہی انسانی رُوح ہوتی۔ مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہیں کیا۔ اُس نے یہی چاہا کہ جن بدنوں سے انسان نے گناہ کیے ہیں یا اشتیاقیں اُٹھائی ہیں وہی ابدان آخرت میں نَعیم و اَلَم کی جزایا سزا پائیں۔ یہ نہیں کہ آخرت کی جزا و سزا صرف رُوح پر اترے انسان اپنے دُنیا کے بُرے عملوں کی ایک گونہ سزا پاتا ہے آخرت کے بُرے حساب سے پہلے اُسے قبر میں سوال و جواب کے ایک مرحلے سے گزرنا ہے پھر تاحشر وہ اپنے انجام کو دیکھتا رہے گا۔ یہ درمیانہ جہاں چونکہ عام نظروں سے مخفی ہے اس لیے اُسے سمجھنے میں لوگوں نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ ایسی زندگی ہے جس کے بارے میں عقل و نقل کے بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ اہل اُمتہ والجماعۃ اور معتزلہ و کرامیہ کا زیادہ محاذ اسی زندگی کے گرد بنا ہوا ہے۔

یہی اختلاف بڑھتے بڑھتے معتزلہ کو اس مقام پر لے آیا کہ وہ شہدار کی حیاتِ جہانی کو بھی لاشعرون کے تحت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اُسے شعور میں لانے کے لیے وہ ظاہر قرآن سے ٹکرا گئے اور پھر آگے چل کر انبیاء کی حیاتِ برزخی بھی اُن کے لیے ایک معتمہ بن گئی۔ اہل اُمتہ والجماعۃ ظاہر حدیث کے ساتھ رہے اور جو بات عام سمجھ میں نہ آتی تھی اُسے وہ لاشعرون کے ٹھنڈے سائے میں آرام سے قبول کرتے گئے۔

جاننا چاہیے کہ اہل اُمتہ والجماعۃ سوادِ اعظم کا سلف و خلف سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ یہ سب سب سببِ نبی اللہ علیہ وسلم کو اس دُنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالمِ برزخ میں جو حیاتِ حائل ہے وہ اُسی حیدرِ اطہر کے ساتھ ہے، جو دُنیا میں آپ کا تھا اور جسے روحِ مطہرہ میں دفن کیا گیا۔

قبر منور کی اس حیاتِ جسمانی کا مدار اس دُنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزقِ روحانی پر ہے۔ حضور کی ایسی حیاتِ برزخی کا، جو باعتبارِ تعلق بالبدن حیاتِ جسمانی اور باعتبارِ تعلق بالرزقِ حیاتِ روحانی ہو۔ آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں، جس نے بھی اس سکہِ عامہ پر فرسائی کی، اُسے اس متواتر نظریے کے تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا۔ — احناف و شوافع، مالک و حنابلہ، محدثین و متکلمین اور فقہاء و ائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی — باوجود تلاش و جستجو کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آلِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہِ اطہرِ روضۂ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور روحِ مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ — من ادعی فعلیہ البیان۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روحِ اقدسِ اعلیٰ علیتین سے لاکر پھر آپ کے جبہِ اطہر میں ٹوٹا دی گئی تھی۔ یا آپ کی وفاتِ شریفہ کے وقت روحِ مبارک قبض ہو کر آپ کے قلبِ منورہ ہی میں ٹھہر گئی تھی، جو بعدِ دفن پھر سارے جبہِ اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی روح کو ٹٹانے سے قائم ہوئی، یا روح پھیلانے سے اس کا استقرار ہوا۔ — ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیتِ وصولِ حیات کیا تھی۔ امر واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ قدر مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے فائز حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آلِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روحِ اقدس نے اعلیٰ علیتین، رفیقِ اعلیٰ یا خطیرۂ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اُس نے روضۂ منورہ میں پڑے ہوئے جبہِ اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جبہِ اطہر میں حیاتِ کوٹ آئی، یا امروائع یہ تھا کہ روحِ اقدس اس خطیرۂ قدسیہ یا اعلیٰ علیتین سے تعلق قائم کر کے پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جبہِ اطہر میں ٹوٹا دی گئی۔ یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی روحِ مبارک ٹٹانے سے قائم ہوئی، یا تاثیرِ روح سے اس کا تقوم ہوا۔ ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی

ضرورت نہیں کہ اس وصولِ حیات کی کیفیت کیا تھی۔ ضرورت واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر صورت میں قدر مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روحِ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے تشریف فرما ہیں اور وہ جسدِ اطہر وہی ہے جو اس دنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ قبرِ مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی حدود یہی رہیں کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ شریفہ کی حیات کا تقوّم جسدِ اطہر میں روحِ مبارک دوبارہ کوٹانے سے ہوا یا روحِ مبارک پھیلانے سے — آپ کی یہ حیاتِ جسمانی دخولِ روح سے قائم ہوئی یا یہ حیاتِ تاثیرِ روح سے عمل میں آئی — تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ یہ وہ مباحث ہیں، جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، نیز جو اختلافات عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں، ان پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں۔ ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے، اہل سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیا والے جسدِ اطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جسمانی حیات ہے اور اس کا مدار اس دنیا کے بزرگِ مادی پر نہیں، بلکہ عالمِ برزخ کے بزرگِ روحانی پر ہے۔ دنیوی حیات کے صرف اپنی کوازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا، جن کے لیے مستقل دلیلِ شریعتِ طاہرہ میں موجود ہو، اس لیے کہ اختلافِ دین متحقق ہو چکا اور اب آپ اس دنیا میں نہیں عالمِ برزخ میں ہیں۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریقِ عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تمحیص کی آماجگاہ بنالیا جائے، خصوصاً اس دورِ الحاد میں — جب کہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا خمار مذہب کو عہدِ رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں — وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چلہ نہیں کہ سوادِ اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر تہ و دوامِ الحاد کے سامنے علمائے حق کی لٹکار رہا ہے۔

حیاتِ النبی کا مسئلہ دائرہ اہل سنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہل السنۃ والجماعۃ حیاتِ النبی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس حیات کو باعتبارِ عالمِ برزخی کہنے والے بھی تھے۔ باعتبارِ جہدِ برزخ میں حیاتِ دنیوی کہنے والے بھی تھے۔ آپ کے عالمِ برزخ میں اپنے آپ کو پوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اُسے حیاتِ حسی کہنے والے بھی تھے، باعتبارِ رزق اُسے حیاتِ قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے اور اس پہلو سے اُسے حیاتِ روحانی کہنے والے بھی تھے۔ تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دُنیا والوں سے پردے میں ہے۔ یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں۔ اُس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں۔ سو اسے کسی نے روحانی بھی کہہ دیا۔ لیکن حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ حیاتِ النبی کا سب میں اقرار ہے اور معنی یہ سب عنوانِ متقارب ہیں۔

اگر اختلافِ اپنی عنوانوں میں رہتا اور ہر حلقہ اپنے اپنے عنوان میں بہتری بتلاتا تو ظاہر ہے بات زیادہ نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ تحقیقِ مسئلہ کی بجائے تشغیبِ عوام سے کام لیا گیا جس سے دو فرق بن گئے اور عنوانِ فریقین کے مُجادِدا ہو گئے، یہ اہل علم کا انداز نہیں۔ پھر کیا ہوا — شرافتِ سرپٹ کر رہ گئی۔

اس پر تقریریں ہونے لگیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں زندہ نہیں ہیں ورنہ صحابہ آپ کو دفن نہ کرتے اور آپ کے خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ آتا۔

فدرا سوچیں اپنے حلقے میں کوئی اس کا قائل تھا کہ آپ اس دُنیا میں زندہ ہیں؟ — دُنوی جہد کی زندگی میں کیا عالمِ برزخ کی صراحت نہ تھی؟ اگر بات یہی ہے تو آپ ہی بتائیں کہ تقریریں کا یہ عنوان بات کو گھٹانے کے لیے مٹھایا بات کو بڑھانے کے لیے تشغیبِ عوام اسی کو کہتے ہیں۔

جب فریقین کا محکوم علیہ ہی مُجادِدا ہے تو اختلاف کس بات میں رہا اور جب اختلاف ہی سامنے نہ آئے تو اتحاد کس میں ہو اور کون کرائے۔ ان حالات میں قوم کو اختلاف کا نہیں انتشار کا سامنا کرنا پڑا اور اب تک انتشار ہی انتشار ہے اختلاف سامنے نہیں کر اسے سلجھایا جاسکے۔

وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں

حیات کی آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا۔ لیکن ممات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں۔ قاضی شمس الدین صاحب آف گوہر الزوالہ اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ بعد الوفاۃ حیاتہ البنی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بل احياء ولكن لا تشعرون سے بطور دلالتہ النص سمجھیں آتا ہے کہ انبیاء علیہم

السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں بلکہ

عزیزان من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے بلکہ

اس میں دفات کو پُرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں

آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں۔ وفات البنی آج سے چودہ سو سال پہلے

کا واقعہ ہے۔ اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا تو وہ وہیں ختم ہو گیا۔ سو

مमत البنی کا اختلاف محض ایک پُرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیات البنی ہے ممات البنی نہیں

برزخ میں حیات کی تشریحیں جس طرح بھی سلف میں ہوئیں، انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کرو

لیکن خدا را ممات البنی کو موضوع نہ بناؤ۔ یہ ایک پُرانا واقعہ ہے، اس وقت آپ کے میت سمجھنے

کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تم نے

مमत البنی کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو ممتاتی بنالیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل

ہیں، میں لکھ کر دے چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفاۃ زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیں اور ممات البنی کو موضوع نہ بنائیں

تو آج بھی اختلاف کم ہو سکتا ہے۔ جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اس کا ہم

انکار نہیں کرتے، اُسے تقریروں کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہداء اور انبیاء کو

جس حیات بعد الوفات سے نواز رکھا ہے اُسے عنوان عقیدہ نہ بنانا کیا یہ اختلاف کو کم کرنے کی طرف قدم ہے یا محض ایک انتشار بڑھانے کی کارروائی ہے۔

آج اگر ایک مقرر آٹک میت و انہم میتوں سے تقریر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور اس وقت میت ہیں زندہ نہیں تو کیا وہ قاضی شمس الدین کے عقیدہ حضور کے بعد الوفات زندہ ہونے کی کھلی تردید نہیں کر رہا، کوئی شخص ان انتشار پسندوں سے پوچھے یہ واقعہ وفات جسے تم بیان کر رہے ہو کب کا ہے؟ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا — پھر پوچھیں اس تاریخی حقیقت کا اب کوئی منکر ہے، وہ بھی کہیں گے نہیں — پھر پوچھیں آج شہداء کرام اور انبیاء عظام اگلے جہان میں زندہ ہیں یا اموات؟ — تو یہ کبھی دیانت سے اس کا جواب نہ دیں گے۔ یہ وہ باعث ہیں جن سے انتشار بڑھ رہا ہے۔

سو یہ صحیح ہے کہ یہ اختلاف اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا، لیکن اختلاف کرنے والے اگر اسے اس سطح پر لے آئے ہیں کہ آج بھی تمام شہداء اور انبیاء کو اموات کہا جائے کہ وہ بعد الوفات زندہ نہیں اور وہی اجساد زندہ نہیں جن پر موت وارد ہوئی یا وہ قتل ہوئے۔ تو کیا یہ قرآن سے کھلا تضاد نہیں، سواہل سنت کے اجماعی عقیدہ کے پیش نظر یہ ایسی بات نہیں کہ اس کی تردید میں احادیث شریفہ کے مدلولات صریحہ میں تاویلات رکیکہ، تضعیف روایات میں ائمہ فن کی تجہیل، قواعد محدثین سے استہزاء، شارحین حدیث و فقہاء اور سلف صالحین سے اعتماد اٹھنے کے صدے کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے یا اعتماد اٹھانے کی منہایت خطرناک مہم کو، محض اس لیے کہ ابتدائی سطح امور مجتہدین سے نہیں یا یہ مسائل روزمرہ کی زندگی سے متعلق نہیں — یونہی چلنے دیا جائے۔

حیات النبی کے ضمن میں جب "اعتماد علی السلف" کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگا، تو اس شخم غفل کے برگ و بار بہت دور دور تک پھیلتے نظر آتے۔ راہ گم کردہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا اور یہی اہل باطل کا کھلا نشان ہے کہ کسی بات پر جتے نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمادی کا انکار اور اس سے متعلقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و شعور پڑا ہے اور فقط جمادی حثیت میں ہے، رُوحِ اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا یہ خیال دراصل اس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب و عقاب کا سارا معاملہ صرف رُوح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب و عقاب کا معاملہ صرف رُوح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت و اَلَم کا ادراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی ارواح، وفات کے بعد خواہ وہ علیین اور سچین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں، اُن کا تعلق اجسادِ مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذت و اَلَم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دُنیا سے عالمِ برنخ میں انتقال کرنے کے بعد رُوح و بدن میں کُلّی مفارقت رہتی ہے؛ یا رُوح و بدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہو جاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں اَلَم یا لذت کا ادراک کر سکے؟

اول الذکر نظریہ معتزلہ و ردافض کا ہے وہ عذابِ قبر کے قائل نہیں۔ اُن کے نزدیک جسدِ مدفون محض جمادی حثیت رکھتا ہے۔ ثانی الذکر نظریہ اہل حق اہل السنۃ و الجماعۃ کا ہے۔ فرقہ گرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجسادِ مدفونہ میں تو محض جمادی حثیت میں، لیکن عذابِ قبر پھر بھی حق ہے۔ یہ تیسرا موقف ایک وہم اور سفسطہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہل سنت کا نظریہ ہے اور قرآن و سنت کے چٹھے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حيوة في

۱. و يجوز بعضهم تعذيب غير المحي ولا شك انه سفسطة (خیالی مثلاً) لان الجماد لا حق له فكيف يتصور تعذيبه (حاشیہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی)۔

القبور قدر ما يتألم ويتلذذ. (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱)

ترجمہ۔ جان لیجئے، سب اہل حق اس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات ضرور پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہ لذت و الم کا ادراک کرتی رہے۔
ایوبی علی الحیالی میں ہے:-

ان المذاهب فی هذا المقام ثلاثة الاول الميت حتی فی قبره فیعذب و
هذا مذهب اهل السنة والحق والثانی انه جماد لا یعذب ولا یدرك
العذاب وهذا مذهب جمهور المعتزله والروافض والثالث انه جماد
یعذب۔

ترجمہ۔ اس مقام پر تین مذاہب ہیں۔ ۱۔ میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے پس عذاب
قبر بحق ہے، یہ مذہب اہل سنت کا ہے جو اہل حق ہیں۔ ۲۔ میت قبر میں جماد
محض ہے، پس عذاب قبر کوئی نہیں، یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے۔
۳۔ میت قبر میں ہے تو جماد محض، لیکن عذاب قبر پھر بھی ہوتا ہے (یہ مذہب
کرامیہ کا ہے)۔

ان نظریات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے مقام
کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیات جہدی حاصل ہوتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضہ مطہرہ
میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع و اعلیٰ حیات جسمانی کیوں حاصل نہیں۔ انبیائے کرام کے اجساد
دنوی کا تحفظ بھی اسی لیے ہے کہ ان پر نہایت قوی قسم کی حیات جسمانی مرتب ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اُسی طرح روضہ اطہر میں آپ کی حیات بھی اپنی رفعت و
شان میں نقطہ انتہا پر ہے۔ روح اقدس کا جسد اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ تلذذ نمازیں بھی
پڑھتے ہیں اور روضہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو بھی سُنّتے ہیں۔

جسدِ اطہر اور روحِ انور میں کُلّی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب ہریت
 گم، خواہ اس کا جسم محفوظ ہو، خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، ایک جا ہو یا اُس کے اجزائے بدن منتشر ہو
 کچھ ہوں، روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسدِ مدفون یا اجزائے جسد
 اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت و اُلم کا ادراک ضرور کرتے ہیں۔ تو وہ ذواتِ قدسیہ جن کے
 اجسادِ مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا ہو، اُن میں ان کے مقامات کے مطابق ارواحِ مطہرہ کی
 تاثرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصل کُلّی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی
 بنا پر انبیائے کرام کو اس اصل کُلّی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ اُن کے اجسادِ مدفونہ صرف
 اگر نام محفوظ ہیں؟ ارواحِ مطہرہ سے انہیں کُلّی مفارقت ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصل کُلّی ہی کے قائل نہیں کہ وفات کے بعد روح کا بدن یا اجزائے
 بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آجائے گا،
 کہ یہ مذہب اہل سنت کا ہے یا معتزلہ و روافض کا۔ اور عذابِ قبر کے متعلق واضح صورت اختیار کرنی
 رہی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار۔ اس کے بعد صورتِ مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش
 کیے جاسکیں۔

خلاصۃ المرام اس کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو روئے منورہ میں محض بے جس
 و بے شعور اور حجابِ مطلق تسلیم کیا جائے، تو یا تو اُس پر اس اصل کُلّی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہو
 گی کہ انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات
 میں محض بے جان پڑے ہیں۔ یا معتزلہ کے اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح
 و بدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کُلّی مفارقت رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے پیشِ نظریہ
 اہل حق کا نظریہ نہیں۔

عقائدِ اہل سنت کی سب کتابوں میں عذابِ قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے
 کو ضروریاتِ اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے۔ جو اس کا قائل نہیں وہ معتزلہ و روافض کے موافق اور

اہل سنت کا مخالف ہے اور اگر بتا دیں قائل ہے تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمادی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التَّحِيَّاتِ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اقرار کرتے ہیں۔

اشھدان محمداً عبداً ورسولہ۔

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کسے کہتے ہیں، روح اور بدن کے مجموعہ کو — سبحن الذی اسری بعبدہ میں اللہ تعالیٰ نے سیر معراج کسے کرائی؟ عبد کو — اسری کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعے نے — علماء اب تک لفظ عبد سے حضور کے معراجِ جسمانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ — صرف روح کو عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی، صرف روح کو رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں، ایک مجازی تعبیر ہے اگر روح و بدن سے زندہ ہیں تو بے شک عبد و رسول نہ ہیں۔ حضور کی حیات اپنے حق میں حسی ہے اور وہ عالم برزخ میں یہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح و بدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لیے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اُسی بدن اطہر میں ہے، جو دنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضہ مبارکہ میں ہے۔ بایں ہمہ اس کی نقل و حرکت عالم برزخ میں جاری ہے گو وہ ہمیں یہاں دکھائی نہ دے، اس دنیا والوں سے وہ حیات پر دے میں ہو، لیکن آپ کے لیے وہ حقیقی حسی ہو، جسمانی ہو تو نہ آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز ہو گا نہ رسول ہونا۔ آپ اب بھی عبد و رسول کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جدا ہے یا کسی مثالی جہد میں جلوہ پیرا ہے تو آپ کا خدا کا بندہ ہونا اور رسول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی ہوں گی، حقیقت میں آپ نہ بندے نہ رسول — رسول حقیقی ہونا تو تبھی ہے کہ آپ کے

کہ اعمال رسالت ابھی باقی ہوں (مثلاً امت کے حق میں استغفار) اور امت کی آپ کے پاس ماضی بھی ہوتی رہے گا درمیان میں برزخ کا پردہ ہو، مگر سلام امت آپ پر ضرور پیش ہوتا رہے۔ کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد صرف عکسی طور پر نبی اور رسول ہیں آپ حقیقت میں اس وقت رسول نہیں رہے۔ آپ کا روح و بدن علیحدہ علیحدہ ہے کسی کو کسی سے علاقہ نہیں۔ اس عقیدے کے لیے ضروری تھا کہ وہ روضۂ اطہر میں دفن جسدِ اطہر کو بے جان کہیں۔ اس فاسد عقیدے کو پھیلانے کے لیے انہوں نے روضۂ منورہ کی حیاتِ جہانی کو تختہ مشق بنایا، اور احادیث کی یکسر تکذیب کر دی۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبوت کے لیے شعور لازم ہے علم و احساس کے بغیر اس کا تقدم نہیں۔ نبی سے نمیند کی حالت میں بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ اُسے علم ہوتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں، اسے کبھی اختلام نہیں ہوتا۔ جب نبی سے اس شعور کا اتغا ہوگا نبوت منتفی ہو جائے گی۔ اب اسے رسول کہنا ایک مجازی تعبیر ہوگی۔ کرامیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے کے بعد پردہ قبر میں گئے تو وہاں جسدِ اطہر مجاد محض ہے، صرف اکراماً محفوظ ہے روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہیں۔

حافظ ابن حزم (۵۴۵ھ) جو عامہ اموات کے باب میں صرف روح کے عذاب کا قائل ہے انبیاء کے جسدِ اطہر کو وہ بھی مجاد محض نہیں مانتا۔ ایسا کہنے کو وہ ایک خبیث عقیدہ کہتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ کو بدنِ اطہر سے کلیتہً جدا کرنے سے آپ کا اس وقت رسول ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ابن حزم لکھتا ہے سرخی ملاحظہ ہو:-

الرد علی من زعم ان الانبياء عليهم السلام ليسوا انبياء اليوم ولا الرسل اليوم رسلاً

حدیث فرقۃ مبتدعہ تنوع ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم ليس صوا لمن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولكنه كان رسول الله وسلم وهذا قول ذهب اليه الاشعرية

واخبرني سليمان بن خلف الباجي وهو من متقدميهم اليوم ان محمد بن حسن بن فورك الاصبهاني
 على هذه المسئلة قتله بالسم محمود بن سبكتكين صاحب ملادون وراعي النهر من خراسان
 وهذه مقالة خبيثة مخالفة لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم ولما اجمع عليه جميع
 اهل الاسلام منذ كان الاسلام الى يوم القيمة... فروح النبي عند هرو قد فنيت وبطلت
 ولا روح له الآن عند الله تعالى واما جسده ففي قبر هرات فبطلت نبوته بذلك و
 رسالته قال ابو محمد ونعوذ بالله من هذا القول فانه كفر صراح لا ترد ادفيه به
 ترجمہ کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آج انبیاء و رسل نہیں رہے۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا
 ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نہیں رہے وہ رسول اللہ تھے اور مجھے سلمان بن خلف الباجی نے جو ان لوگوں
 کے متقدمین میں سے ہے خبر دی کہ محمد بن حسن بن فورك کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود
 بن سبکتگین نے زہر دے کر قتل کیا تھا۔ اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس
 فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک روضہ اطہر میں مردہ ہے لہذا
 اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت جاتی رہی۔

روضہ منورہ میں حیات جمادی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے۔ اب آپ کی نبوت
 اس عالم میں صرف اب عکسی طور پر باقی ہے۔ بدن صرف اکراما محفوظ ہے اس کا مطلب اس کے
 کچھ نہیں ہے کہ اسے مٹی نہ کھائے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر وہ زندہ نہیں تو اس میں زمی خوشبو
 اور پیچیدگی کی سی تازگی کہاں سے آرہی ہے۔ اگر یہ روح کے تعلق سے نہیں تو اس کی اور
 کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ روح کے تعلق کا یہ خفیف سا اظہار ہے۔ منہ باقی سارے مراحل بزدخ
 کے پڑے میں ہیں۔ ہڈی ہیں ہے کہ آپ کا بدن مبارک آج بھی اسی حالت میں ہے جیسے کہ یہ
 پہلے دن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

قاضی شمس الدین صاحب بھی ہدایہ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں :-

آپ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہی جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تھے تو کیا کیفیت تھی۔ روح مبارک حسب کلام آخری اللہم الرفیق الاعلیٰ رفیق الاعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح ترد تازہ تھا، آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی۔

یہاں جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا بدن قدامت نہیں اڑ جاتا، کچھ عرصے تک نرم رہتا ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ روح کے اثرات اس کے نکلنے کے باوجود کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو بدن مبارک تادفن تہمتانہ رہا۔ معلوم ہوا روح نے اپنے اثرات سلب نہیں کئے اور قبر مبارک میں یہ اثرات اب تک اسی طرح ہیں۔ سو ہم کیسے مان لیں کہ یہ موت عام اموات کی طرح ایک موت تھی۔ یہ تو ایک پردے میں جانا تھا اور آپ چلے گئے، روح کے بزرخ میں جانے کے بعد اگر اس کا تعلق پھر بدن سے قائم ہو جائے، بدن کی پہلی دنیوی نرمی ابھی باقی ہو کہ روح بزرخ میں پھر اس بدن پر پڑے تو ڈال دے تو اس کا اثر ظاہر میں یہی ہو گا اور ہے کہ بدن آج بھی اسی طرح ترد تازہ ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔

اگر کوئی شخص کسی درجے میں بھی اس حسب اطہر کے فائز الحیات ہونے کا اقرار کر لے، روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں مانے یا رفیق اعلیٰ میں، لیکن اس کے انصال سے آپ کی حیات جسمانی کا قائل ہو تو وہ کرامتہ کے عقیدے سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں حضور کو حقیقی رسول مانتا ہوں۔

قاضی شمس الدین لکھتے ہیں :-

اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس) زندگی میں

بھی نبی حقیقی ہیں اور بعد الوفا (زندگی میں) بھی نبی حقیقی ہیں ابدالاً بآباد کے لیے اور

اُن پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ علکی یا مجازی ہوں۔
 کرامتیں نے جب عبد اظہر کو حجاج محض کہا، بدن کو صرف محفوظ کہا نرم و نازک نہ مانا تو انہوں نے بڑا
 کہا کہ حضرت اب حقیقی رسول نہیں رہے۔ امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) نے ڈٹ کر کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 اب بھی حقیقہ رسول ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبد الرحمن المشہور بابی عذبہ فرماتے ہیں:-
 قال ابو حنیفۃ انہ رسول الان حقیقۃ وقالت الکرامیۃ لا۔
 ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ
 والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔
 جب آپ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتائے رسول کہاں رہے۔ یہ کرامت کی بنا
 استدلال تھی۔ اہل حق نے اس غلط فکر کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابو الحسن الاشعری (۳۲۴ھ) نے معتزلہ
 اور کرامت کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا۔ ہمارے عقائد کی کتابوں میں اسے اس
 طرح بیان کیا گیا ہے:-

هو صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ باق علی رسالتہ ونبوتہ حقیقۃ کما
 یبتی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذلك الوصف باق بالروح و
 الجسد معاً لان الجسد لا تاكله الارض..... انه صلی اللہ علیہ و
 سلم حتی خفي قبره رسولاً الى الابد حقیقۃ لا مجازاً۔

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور
 پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے مستصف رہتا ہے

اور حضور کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور حُبِّ انور کے
مجموعہ کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور ہمیشہ تک کے لیے رسول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔
کرامیہ نے وفاتِ النبی پر انتفائے نبوت کی بنا رکھنے کے لیے روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی
کو تفسیر مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدہ حیاتِ النبی کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقاد باطل
بنایا بلکہ انتفائے نبوت کے اس عقیدہ باطلہ کو امام اہل سنت امام ابوالحسن (۳۲۴ھ) کی طرف
بھی منسوب کر دیا جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب حقیقی رسول نہیں رہے
نہ آپ کی عبدیت باقی ہے، روح و بدن میں منقسم ہیں کہیں نہ جم سکی، اُن کے ساتھ امام ابوالمنصور الماتریدی نے
(۳۳۳ھ) عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاوی (۳۲۱ھ) اہلسنت
مقائد کی سرحد پر اکٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہل حق کی طرف سے پورا
تغذ کر لیا تھا۔

پونہتی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبد اللہ بن کرام کے پیرو تھے اس مسئلے میں کھلے طور پر آگئے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور بدن میں منقسم ہیں۔ حافظ ابن خزم
(۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:-

حدث فرقه مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد الله ليس هو الان رسول الله
ولكنه كان به

ترجمہ۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب
رسول اللہ نہیں رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن خزم کہتا ہے محمد بن حسن بن نوکر ایلانی

بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمود (۵۷۰ھ) بن سبکتگین (۵۴۱ھ) نے اُسے الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف اُٹھے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن محمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کا چرچا تھا۔ امام ابو القاسم الکریم اقصیری (۲۶۵ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیاۃ الانبیاء پر رسالے لکھے اور اہل سنت عقیدے کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہری (۵۴۵ھ) گو عذاب قبر کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعہ کے ساتھ نہ تھے۔ لیکن اس عقیدے کو کہ حضور اپنے روضہ اطہر میں (معاذ اللہ) مُردہ پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

اس فرقہ کا یہ غیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور کا جسد مبارک روضہ اطہر پر مُردہ رکھا ہے۔

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی تردید کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اس راہ سے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام ابو الحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے ستحاشی کر چکے تھے اُن کے نام لگا کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے یہی تھے۔

عافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ”تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری“ ہے اور کرامیہ پر اہل حق کی محبت تمام کر دی۔ علامہ ابو القاسم عبدالکریم اقصیری نے ”شکایۃ اہل السنۃ بماناہم من اہل المختہ“ لکھی۔ امام بیہقی نے ایک مستقل رسالہ ”حیاۃ الانبیاء“ لکھا اور اہل حق اس وقت کے لے کر اب تک ان کرامیہ کی مُذود تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہل سنت کی طرف کر رہے ہیں حیات النبی کا انکار اگر اُن کا اپنا عقیدہ تھا تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے۔ اُسے خواہ

مذہب اہل سنت کا عقیدہ بتلانا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے۔ حیات النبیؐ کا انکار کرنے والے اس مسلکی التباس کے مرتکب کیوں ہیں۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک ترویج دین کے لیے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۸۵ھ) لکھتے ہیں:-

ان بعض الکرامیۃ وبعض المتصوفۃ نقل عنہم اباحۃ الوضع فی

الترغیب والترہیب وهو خطأ من فاعله نشاء عن جملہ

ترجمہ۔ بے شک بعض کرامیہ سے اور بعض غلط مدعیان تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور غلط و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشاء صرف جہالت ہے۔

المتراد باعتبار حل الکذب هو اعتقاد حله لمصلحة دینہ و ترویج مذہبہ۔

ترجمہ۔ جھوٹ حلال ہونے سے اُن کی مراد یہی ہے کہ اپنے (مزعوم) دین کی خاطر امر اپنے دھڑے کو چلانے کے لیے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔

ان لوگوں کے مکر و فریب کا کیا حال ہوگا جو اسے گناہ کے طور پر نہیں جھوٹ نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں۔ کیا یہ شیعہ کا عقیدہ تقیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف اداؤں اور قبائلوں میں ہوتا رہا ہے۔

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

①۔ بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد کئی مفارقت میں رہتی ہیں۔ اجساد محض حمایت میں ہوتے ہیں۔ عذاب قبر صرف روح پر ہے بدن پر نہیں۔

②۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روضۃ اطہر میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور

لہ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸۵ ہم فرقة من المشبهة نسبت الى عبد الله بن کرام و يدعون زیادة الورع والتقویٰ والمعرفة التامة و راجع له شرح الشرح لعلی القاری علیہ رحمة ربہ الباری۔
لہ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸۶

ہے اور رُوحِ مبارک کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

③ — اپنے مسلک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی ترویج کے لیے غلط بیانی کرنا جائز ہے۔ جھوٹ اس طرح بولو اور اتنا زیادہ بولو کہ یہ سچ نظر آنے لگے۔

④ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف مکمل باقی ہے۔ آپ خود اب بھی اور رسول نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

⑤ — کلمہ اسلام کے جزو محمد رسول اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بلکہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول تھے۔

انکارِ حیات کا تاریخی پس منظر

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہدِ حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فتنہ پرداز شخص گزرا ہے، اُس کا نام بکندی تھا۔ وہ لطائفِ انجیل سے سلجوقی دربار میں منصبِ وزارت پر آگیا تھا اُس کے عقائد اعتزال و رفض کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اُس نے وفاتِ ابنی اور حیدر مجادی کی تمہید سے اتفقائے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ حضور کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اُس نے اُسے اعتزالِ نبوت کے لیے کہ حضور وفاتِ شریفہ کے بعد اب حقیقہً رسول نہیں رہے، ایک سیڑھی بنایا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس نظریے کو امام ابو الحسن اشعریؒ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اُس نے ان خیالات کو بہت دُور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

اس کے عقیدہ میں روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کا انکار اس لیے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوارِ رسول میں ہونے اور روضۂ اطہر میں ہم پہنچ سونے کی شان امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اُس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد رُوح و بدن کی کئی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت ہی آسان ہو

ہانا تھا سو اس سے اُس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی۔

یہ عقیدہ کہ اب حضور رسول نہیں رہے، دراصل جہود کلمہ محمد رسول اللہ صریح میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ یہ کلمہ بالا جماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لیے صحیح اقرار رسالت ہے۔

انکارِ حیاتِ قبر یہ اور اعتزالِ نبوتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں نذرِ تادمِ یلالت ہوتی ہیں اور اہل حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پورے متوجہ رہے۔ اکابرِ اہل سنت نے ان نظریات پر نیکری کی اور امامِ اہل سنت امامِ ابراہیم اشعریؒ پر جو افتراءات باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

اس وقت امامِ حدیث احمد بن احمد بن ابیہقی (متوفی ۵۸۴ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امامِ ابراہیم عبد الکبیم القشیریؒ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامتہ کا مقابلہ کیا یہ سارے ساند جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضور اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں بمعاد اللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقتِ حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امامِ بیہقی نے رسالہ ”حیات الانبیاء“ لکھا، اور علامہ قشیری نے شکایتِ اہل السنۃ بما فاعلہم من المعنۃ میں ان افتراءات کے خلاف مدائے احتجاج بلند کی۔

ان واقعات کی تفصیل کے لیے حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب ”تبیین کذب المنقری“ اور طبقات الشافعیہ، زیر ترجمہ امامِ ابراہیم اشعریؒ ملاحظہ کیجئے علامہ تلعی الدین سبکی لکھتے ہیں:-

فان قيل فمن اين وقعت هذه المسئلة ان لم يكن لها اصل قيل ان بعض الكرامية ملأ الله تعالى قبره ناراً وظنى ان الله قد فعل الزم بعض اصحابنا.....

ترجمہ۔ اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں، تو پھر یہ کہاں سے آگیا،

تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامتہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھر دیا۔
اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ نظر امتحان
امام حدیث کے اس جلال اور زامانگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے اس کے برعکس اپنا عقیدہ
آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

لأن عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حي يحس ويعلم وتعرض
عليه اعمال الامم ويبلغ الصلوة والسلام على ما بيننا وبينه

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم
رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ و سلام
جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔

پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے:-

ان عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم فابن الموت الى ان قال
وصنف اليه في جزؤا سمعناه في حياة الانبياء في قبورهم واشتد نكير الاشاعرة
على من نسب هذا القول الى الشيخ رحمه

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو وہاں متو کہاں۔
امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں
زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت ایشخ ابوالحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے
قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشارہ نے بڑی سختی سے اس پر نیکر کیا ہے۔
حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں:-

فاما ما حكى عنه (اي الاشعري) وعن اصحابه انهم يقولون ان معتمدا

صلى الله عليه وسلم ليس بنبي في قبره ولا رسول بعد موته فبهتان عظيم

وكتب محض لم ينطق احد منهم ولا سمع في مجلس مناظرة
ذلك عنهم ولا وجد في كتاب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم محتمل
صلى الله عليه وسلم في قبره.

ترجمہ۔ ہاں، جو امام ابو الحسن اشعریؒ اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے
کہ اُن کے نزدیک حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں بنی اور رسول
نہیں رہے۔ یہ محض جھوٹ اور بہتانِ عظیم ہے، اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا
نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سُنی گئی اور نہ اُن کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا
ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اُن کے ہاں حضور اکرمؐ اپنے روحِ فانیہ اطہر
میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:-

واما ما نسب الى الامام الاشعري امام اهل السنة والجماعة من انكار
ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به في كتبه وكتب اصحابه
خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام
احياء في قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيريؒ
ترجمہ۔ امام اہل سنت امام ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کے
لیے وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض
افتراء اور بہتان ہے۔ اُن کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے
خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ اُن کے دشمنوں نے اُن کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق
یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابو الحسن الاشعریؒ پر اس
افتراء باندھنے کے خلاف علامہ ابو القاسم القشیریؒ نے زبردست احتجاج کیا ہے

ان نسبة الخلاف في هذه المسئلة الى الشيخ ابى الحسن الاشعريؒ ضرور

بہتانِ انما وقع بسبب ان بعض الکرامیہ ان الاشعريؒ واصحابہ

قائلون بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر حتی یحس ویعلم ۛ

ترجمہ۔ امام ابو الحسن الاشعريؒ کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افتراء ۛ

بہتان ہے اور اس کا سبب کرامتیہ تھے۔ امام اشعريؒ اور ان کے سب اصحاب تو

اسی بات کے قائل ہیں کہ حضور اللہؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس

بھی رکھتے ہیں۔

ان ائمہ و اکابر کے انداز بیان کو دیکھئے اور غور فرمائیے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا، تو یہ

اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر حلال میں نہ اجماع تے۔ حیات النبیؐ کا انکار دراصل بہت سے فتن

و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندریں صورت یہ مسئلہ

ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ بدر الامالی میں ہے۔

وان الانبیاء لفی امان عن العصیان قصدا وانزال

ترجمہ۔ اور بیشک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی کوئی نافرمانی کریں اور اس سے

بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں ان کی نبوت جاتی رہے

امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

المعنی ان الانبیاء لفی امان عن الغزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحکی شاح

الطوالع فنیہ اجماع الامة ۛ

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کو مرتبہ نبوت و رسالت سے ہٹائے جانے سے

مامون (امن) میں، کیا گیا۔ شرح طالع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

ۛ اکابر کی طرف انکار حیات کی نسبت کرنا کوئی نیا افتراء و بہتان نہیں۔ یہ سنت کرامیہ علیٰ آرہی ہے۔ ولایت باؤل
قادوق کسرت فی الاسلام۔ ۛ الموضع البہیۃ فیما بین الاشاعرة الماتریدیہ ص ۛ ۛ مطبع مجتبائی۔

الغرض، یہ امور ہیں جنہوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجہ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبر خاتم، شانِ شیخین بجاِ رسولِ ثقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلک اہل سنت، ازالہ اوہام کرامیت، حقیقتِ عذابِ القبر، احترامِ اجماعِ امت اور آدابِ زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقتِ حال کو جاننا اور صورتِ مسئلہ کو پہچاننا ضروری ہو گیا ہے۔

ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہو کر کہ مبادا راہِ گم کردہ قافلہ مسلک اہل سنت ہی کو مُلتبس کر دے اور جو ہر وحدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرّد ہی نہیں، اپنے عوام کے لیے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، یہ سطور پیشِ خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز کوشش اہل تذبذب کے لیے شفا قلب کا سامان، راہِ گم کردہ دوستوں کے لیے منزلِ کائنات اور اہل یقین کے لیے دُفع و دُبر ہان ثابت ہو۔



مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن و سنت اسلامی فکر و نظر کا سرچشمہ حیات ہیں۔ قرآن پاک کی بلاغت اس کی انتہا پر واقع ہے کہ طوقِ بشر اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق، کچھ اندازِ مخاطب اور کچھ قرائن کی وضاحت چاہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان امور میں علمی افکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصولی مسائل کے ماسواہ اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں انہیں عمل کی سلامتی نظر آتی اور اسی نظریات کی تفصیل ہوتی جن میں قرآن کا درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں تھا بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی:-

ان خاصموا بالقرآن فخاصمهم بالسنة — كنز العمال

سیاقی قوم میجادونکم فخذوهم بالسنن فان اصاب السنن اعلى کتاب اللہ

یعنی قرآن سے خطاب نہ کرنا کہ یہاں ارشادِ باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی، بلکہ استدلال کی بنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں انہیں مخلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہو گا کہ دینی فتنوں کا طریق واردات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سنتِ غیر اور تشریحاتِ سلف سے بالکل بے نیاز کر کے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کر لو۔ قرآن پاک کو اس کی پوری عظمت علمی سے سمجھنے والے ارباب

خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے، تو کوئی حرج نہیں۔ اکثریت تو عوام کی ہے۔ انہیں قرآن کے دلکش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی بات نہیں۔ انکارِ حدیث کی اگر جرأت نہ ہو تو عوامی سطح پر اُسے قرآن سے نکلوا دیا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کر دیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اسے ہرگز نہ مانا جائے، پھر کون ہے جو آٹے آٹے عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وہ بشرطِ صحبت روایت اس نکراد کو تطبیق و توفیق کے دائرہ میں اتار سکیں۔ عظمتِ قرآن کا یہ دلکش نعرہ مدتوں سے پُرانے فتنوں کو کم کرنے کے پر و گرام کے ساتھ۔ نیت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ ملت کا کاروانِ حیات ایسی کئی سڑکوں کے پاس سے گزرا ہے، جن کی نشاندہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔

ہاں اسی رہ گزرے سے شام و سحر اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن ہماری اساس نہیں۔ اسلام کے جملہ اصول قرآن کریم میں منصوص ہیں۔ ہم نے جو یہ مشورہ نقل کیا ہے اصولی مسائل کو مستثنیٰ کر کے ذکر کیا ہے۔ جہاں قرآن پاک اپنے موضوع پر ناطق ہو وہاں تو مسلمان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا اور جہاں قرآن پاک کی بات میں کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو تو پھر سنت ہی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حضرت علیؑ کے پورے ہمراہ ہیں اور یہی جملہ اسلاف کا مسلک تھا۔

كان عندهم انه اذا وجد في المسئلة قران ناطق فلا يجوز التحول منه الى

غيره واذا كان القران متحملا لوجه فالسنة قاضية عليه۔

ترجمہ: اسلاف کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن ناطق ہو جو ہو تو اب کسی اور طرف رخ کرنا جائز نہیں اور جب قرآن کریم میں کئی وجوہ کی گنجائش ہو تو اب سنت ہی ہے جو ان پر فیصلہ کرے گی۔

مجتہد اور مناظر میں فرق

مجتہد کا فیصلہ غیر مجتہد کے لیے سند ہوتا ہے اور مجتہد اپنے فیصلے میں بیرونی اثرات سے محفوظ

ہوتا ہے۔ تقاضی ہو تو جو اس کی بات نہ مانے اسے اس پر حاکمانہ قوت حاصل ہوتی ہے لیکن برابر کے منظر جب حق و باطل کے تصفیے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابی چلتی ہے اور حق کا ترجمان براہ راست آسمان بات پر آتا ہے جس میں دوسرا شخص عوام کو نہ مغالطہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک ضرورت اور وقتی مصلحت تھی جو حضرت علی المرتضیٰ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباس کو مشورہ دیا کہ استدلال سنت سے کرنا۔

مسئلے کو اس کے مانعہ سے لینا مجتہد اور ولی الامر کا کام ہے، لیکن بے راہ و مقابل کا منہ بند کرنے کے لیے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے، وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے ایسے موقع پر ہر بات وہ کر دے جو آسانی سے مل جائے۔

حضرت علیؑ کے مقابل خوارج تھے تصنیع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے مغالطے میں ڈالنا ان کا فن تھا حضرت علیؑ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن اُن کے دلوں میں نہ اترے گا۔ اس لیے آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔
خوارج جن سے یہ مناظرہ درپیش تھا ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی کر گئے تھے اور وہ حضرت علیؑ کو معلوم تھی۔ سو آپ کا مذکورہ نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

يُخْرِجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَواتِهِمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمُرُّ قَوْلُكَ مِنَ الدِّينِ كَمَرُوقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَةِ ۖ
ترجمہ: اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے آگے پیش سمجھ گے، وہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے، لیکن وہ اُن کے گلوں ہی تک ہوگا۔ یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیرشکار میں سے ہو کر نکل جاتا ہے۔

پاکستان میں مسئلہ زیر نزاع جن دو فریقوں میں زیر بحث ہے۔ ان میں نہ کوئی قاضی شرع ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکم وقت کہ اپنے فیصلے کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ سو اگر مسئلہ زیر نزاع حدیث میں عبادت النضر سے موجود ہو جیسے الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون تو حدیث سے بات سمجھنا بہت آسان رہتا ہے۔ اس بناء پر ہم نے حضرت علی المرتضیٰ کا مذکور مشدہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلدین میں علمی فرق

مجتہد اپنے اُد پنے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کر سکتا ہے جن پر قرآن کا مفصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیش افتاد کی قرآن میں نظیر تلاش کرنا اس مسئلے کا حکم پالیما یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لیے سلامتی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جواہنوں نے کتاب و سنت سے دریافت کئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، یہ سب حضرات مجتہدین تھے، مقلدین کو ان کے طریق استدلال کی دعوت دینے کی انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو ائمہ دین سلف صالحین ادا اپنے اکابر کی تحقیقات کو ساتھ لے کر نہ چلنا چاہتے ہوں۔

مذہب اہل سنت و الجماعت کوئی نیا مذہب نہیں جسے آج ادلہ اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے یہ ایک طے شدہ مدون مسلک ہے جس نے معتزلہ کرامیہ حیر یہ قدریہ شیعہ و مرجئہ اور خوارج کے مقابل اپنے جملہ اصول و فروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج نئے سرے سے ان مسائل کو کتاب و سنت میں تلاش کرنا ان دوستوں کو اس کی ضرورت تھی محسوس ہو رہی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرہ علم میں انہیں کہیں نہیں ملتی اور وہ اس سے کلی طور پر بچنا اور مذہب اہل سنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ عجی سازش (جوان کے نزدیک ذخیرہ حدیث کی تدوین کا نام ہے) کا شکار ہیں۔ اس طرح ہمارے یہ کرم قوما ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شد و مد سے پیش کر رہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ یہ کتاب

کتاب ہے۔ گریا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب دوسرے دالوں کے لیے ہدایت ہے۔ ملی ماخذ کی حیثیت سے اس تک محبت ہی پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ داخلہ پھر انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکارِ حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرات مٹھر پر وینہ کے نمائندوں کی حیثیت سے اس ان میں اترے ہوئے ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

سئلہ حیات النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں، ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے
 بل احياء ولكن لا تشعرون اس سے بطور دلالتہ النص کے سمجھ میں آتا ہے
 کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفا ت زندہ ہیں
 اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم الشرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا ہے

اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس
 ان پر براہِ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی
 کی ہے فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیاتِ انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے علماء سے
 آپ نے انہیں اس احسان پر دعا بھی دی ہے کہ زادہم الشرفاً۔

پھر یہ بات جو انہوں نے کہی، ہم خود اسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں، مگر نہیں معلوم انہیں اسے
 برانے سے کیا ملا۔

ہاں شہداء کے لیے حیات بعد الوفا کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جسے انبیاء
 کی حیات بعد الوفا کے لیے دلالتہ النص کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔

ان سے اصولی موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کر لیں تو یہ ہم پر انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے، اپنا اپنا طرف سے اور اپنا اپنا مسک۔ ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کر لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے؟ وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیات شہداء عبارتہ النفس میں مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی فضیلت کہے اور حیات انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کر سکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لیے صریح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے، اس احتمال کو زائل کرنے کے لیے اگر ہم نے حدیث سے متسک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کون سی غلطی کی ہے ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں ہو، ان میں سنت سے استدلال کر لینا چاہیے۔ اب اس پر ہمارے کرم فرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو:-

اموات غیر احیاء کو درجہ اجمال و احتمال میں داخل کر دیا، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ (انبیاء) اموات ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزا یوں نے دلکن رسول اللہ وخاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔

جو لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ درجہ اجمال و احتمال والی بات آیت اموات غیر احیاء کے بارے میں نہیں آیت حیات شہداء کے پیش نظر کہی جا رہی ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ادنیٰ احتمال کی گنجائش

مکمل نہ ہے۔

ہمیں بہت حیرانی ہے کہ ان حضرات نے امواتِ غیر احياء کو کس دیدہ دلیری سے آیت
ولکن رسول الله وخاتم النبیین کی طرح قطعی الدلالت بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی امر معنی کی
کئی گنجائش نہیں ہے۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

کیا آیت امواتِ غیر احياء عقیدہ مملٹ البنی پر قطعی الدلالت ہے۔

مخالفین اپنے اس دعوے پر کہ حضور اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت امواتِ غیر احياء کو اسی طرح
قطعی الدلالت سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت ولکن رسول الله وخاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
انہی نبی ہونے پر قطعی الدلالت ہے۔ — ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی متبادل معنی نہیں ہے۔ حضور آخری
نبی ہیں اور مرتبہ و زماں ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں۔ — کیا آیت امواتِ غیر احياء بھی اسی طرح
انبیاء علیہم السلام (بشمولیت حضرت عیسیٰ بن مریم) کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالت ہے یا
اس کے کوئی اور معنی بھی ملتے ہیں؟ — اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو کیا یہ ممکن نہیں
— اگر نہیں تو پھر آپ کے نزدیک جملہ انبیاء کو بالفعل اموات نہ جاننے والے اور حضور کو زمانہ اور
مرتبہ میں آخری نبی نہ جاننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیے اور دونوں اپنے ان نصوص قطعیہ
کے رد کرنے کے جرم میں دائرۃ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں۔ مگر سب حضرات جانتے ہیں کہ
ممانی رگ حیات البنی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں۔ — آخر
یہ فرق کیوں؟

کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ امواتِ غیر احياء کی تفسیر میں اصنام (بت) مراد ہونے کا
احتمال بھی لکھا ہے اور اس کا موضوع مجمل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب اموات ہیں
ستارے ہوں یا بت، درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو انجام کار محل موت ہیں) یا شہداء
(جو اب زندہ ہیں مگر ماضی میں مورد موت بنے) سب ان میں آگئے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ چہ جائیکہ اسے اس معنی پر قطعی الدلالت کہا جاسکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکے۔ مگر اب وہ زندہ ہیں حالاً اموات نہیں ہیں اور اس عقیدے سے کوئی کافر نہیں بھجاتا۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کر لیں اور مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالاً انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو ماضی میں قتلوا سمجھیں۔ انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی شرعی دلیل ایسا کہنے سے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق کسی ایک دور میں کافی نہیں ہوتا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہیے۔ آخر آپ بھی تو کہتے ہیں :-

شہداء اور انبیاء — بعد الوفات زندہ ہیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ ممات البنی پر دال نہیں۔ چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالت اور وہ بھی مثل آیت خاتم النبیین کہا جاسکے — تعصب اور منہ کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب کے کس طرح عقیدہ حیات البنی اور انکار ختم نبوت کو برابر کر دیا ہے۔ ہم نے حیات شہداء سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزوی جو غیر بنی کو بنی پر ہو سکتی ہے قرار نہ دے اور کہے کہ حیات شہداء سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا رد کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔ لفظ اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا، آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم فرماؤں کے علم و فہم کی داد دیجئے۔ وہ اُسے از خود اموات غیر احیاء کے بارے میں لے بیٹھے — اور پھر کیا ہوا، اپنے آپ کو لے بیٹھے — اُن کی صدائے ماتم سنئے :-

اموات غیر احیاء و ما يشعرون ايان يبعثون کو درجہ اجمال و درجہ احتمال میں داخل کر دیا..... ایسا ہی ہے جیسے مرزا یوں نے ولکن رسول اللہ و

خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے بلکہ
 ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں :-
 موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں۔ اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا
 تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ)
 ایسی تحریریں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں
 جو سارا دیوبند ان کے کھاتے میں ڈال کر خود مسلمان بنے، ساحل پر کھڑے مجرما شاہیں۔
 عوام کو یہ تاثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا
 اختلاف ہم میں حیات و ممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النبیین بھی
 لائق قبول ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں
 نے قرآن کی تحریف کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں کیا یہ انہی
 باتوں کا اثر نہیں کہ ان دوستوں کے اپنے ایک رفیق مولوی صاحب قادیانی ہو گئے ہیں۔
 ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اُسے بڑھا رہے ہیں اور یہاں تک
 بڑھا رہے ہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

آیت اموات غیر احياء کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اموات غیر
 احياء ۹ نہیں، آیت اموات غیر احياء میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں یہ مراد ہے یا وہ —
 لیکن آیت خاتم النبیین کا کوئی اور متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی اختیار کیا جائے۔
 اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہوگا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر
 ہوگا۔ لان التأویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

جس طرح آیت بل احياء ولكن لا تشعرون حیاتِ شہداء کے بارے میں نازل ہوئی، آیت اموات غیر احياء مہات انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی، یہ توحید کے موضوع پر ہے کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محل موت ہونا کافی ہے، جو ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں موردِ موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ الشرکاء العزت کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، وہ سب محلِ موت ہیں، حالاً ہوں یا ماضی میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول وفات پائیں گے)۔ ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں اُن میں سے کسی کے بالفعل مُردہ ہونے کا بیان نہیں ہو رہا۔ فعلیت نسبت کا تحقق کسی زمانے میں ہو جائے کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدہ توحید کے ہرگز منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد وفات زندہ ہونا رب العزت حتی لا موت کی صفت حیات سے ہرگز متضاد نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھئے۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ اموات غیر احياء وما يشعرون ايات يعثرون ۝ الحكم الله واحد۔

(پکا: المخلع ۲۔ آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں ان کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کیے ہوئے ہیں مُردے ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ الحكم الله واحد بتلار ہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے، اس موضوع میں نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے رُوح کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں یہ مضمون۔ آیت کا ہرگز موضوع بیان نہیں ہے۔ جب موضوع توحید اللہ ہے تو اموات غیر احياء کا معنی اسی مورد پر رکھنا چاہیئے جس درجے میں اس کا توحید سے تضاد ہوتا ہو۔ حالاً کسی کا زندہ ہونا توحید

ہرگز منافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے یہاں ان کے لیے صرف اثبات مخلوقیت کافی
ان نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں۔

ان اثبات المخلوقیۃ لہم غیر مستدعی لنفی الحیاۃ عنہم لما ان بعض
المخلوقین احياء بے

ترجمہ۔ ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی
بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

یت اموات غیر احياء میں کیا کسی اور معنی کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ
کہتے ہیں۔

جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور
دانا جان کر پرستش کرتے تھے۔ جلالین میں ہے وہم الاصنام، تفسیر کبیر میں اس
جملہ کی شرح یوں ہے فاعلم انہ تعالیٰ وصف هذه الاصنام بصفات كثيرة
میزان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لا یخلقون شیئا و
ہم یخلقون بے

صفۃ التفاسیر میں ہے۔

والذین یعبدونہم من دون اللہ کالاولیاء والاصنام لا یقدرون علی خلق
شیء اصلاً والحال انہم مخلوقون صنعہم البشر بایدیم فکیف یكون الہ تعبد
من دون اللہ (اموات غیر احياء) ای و تلك الاصنام اموات لا ارواح لہا لا
تسمع ولا تبصر لا ینہما جمادات لا حیاة فیہما فکیف تعبدونہا وانتم افضل منہما لانیکم من الحیاة

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا جیسے مجھے ہوتے اور بت وہ بالکل کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں انسانوں نے بنایا ہے سو وہ کیسے اللہ کے سوا عبادت کے معبود ہو سکتے ہیں اور یہ بت مُرفیٰ ہیں ان کی اور مراح ہیں ہی نہیں وہ سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ وہ جمادات میں سے ہیں ان میں زندگی نہیں تم کس طرح ان کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان سے افضل ہو تم میں حیات تو ہے۔

اب کہئے کیا یہ آیت واقعی انبیاء کی نفی حیات کے لیے نازل ہوئی جیسے آیت خاتم النبیین بیان ختم نبوت کے لیے اتری۔

علامہ محمود اکوئیؒ (۱۲۷۰ھ) نے اموات کو عموم مجاز میں لیا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لیا ہے جن پر موت آئندہ آئے گی۔ معلوم ہوا اس سے مراد کسی کا حالاً مُردہ ہونا نہیں، محل موت ہونا مراد ہے، اس میں وہ بھی آگئے جن پر پہلے کبھی موت آئی۔ مگر وہ بعد میں زندہ ہو گئے اور وہ بھی جن پر موت آئندہ آئے گی۔ جیسے فرشتے اور وہ بھی جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بُت۔

(اموات) عموم المجاز ليشمل ما كان له حياة ثم مات كمزير او سموت كعيسى والملئكة عليهم الصلوة والسلام وما ليس من شأنه الحياة اصلًا كالاصنام بل

ترجمہ۔ اموات عموم مجاز ہے یہ ان کو بھی شامل ہے جن میں پہلے حیات تھی پھر وہ فوت ہوئے جیسے عزیر علیہ السلام اور ان کو بھی شامل ہے جو آئندہ فوت ہوں گے جیسے عیسیٰ علیہ السلام (ان کا بالفعل زندہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے) اور فرشتے اور ان کو بھی شامل ہے جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بُت۔

اللہ رب العزت کے لیے حیات تامہ ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ باقی ہو

ہیں ان میں کوئی حیاتِ تامہ نہیں رکھتا۔ جو بھی ہے اسے اول یا آخر یا حالاً موت نے گھیر رکھا ہے۔
اس آیت میں اثباتِ تجدیدی ہے کسی کا حالاً مُردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کو تمہارا انا انہم لا یدلہم من الموت وکونہم غیر احياء غیر تامۃ
حیاتہم والحیاء للتامۃ ہی الحیاء الذاتیۃ القی لا یرد علیہا الموت۔

ترجمہ۔ ان کے اہلِ موت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے مفر نہیں اور ان کے غیر اہلِ
کامنی یہ ہے کہ ان کی حیاتِ تامہ نہیں، حیاتِ تامہ اس حیاتِ ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی
موت آئے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئندہ آئے)۔
حضرت ممتازیؒ نے بھی عموم مجاز کہا ہے۔

یہ معبودین کیسے مستحقِ عبادت ہو سکتے اور وہ مُردے ہیں خواہ دو انا جیسے بُت یا
فی الحال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں (گواہ وہ زندہ ہوں) یا فی المال جو مریں
گئے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم زندہ رہنے والے نہیں بلکہ

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۲۲ جلد ۲ ص ۵۶۵، تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۹۴، تفسیر خازن
جلد ۲ ص ۱۱۱ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء کے اس وقت اموات اور بے جان ہونے پر ہرگز
دلالت نہیں کرتی۔ ان پر اس وقت میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن حالاً ان کو یا شہداء
کہ ہم اموات کہیں۔ اس کی قرآن کریم میں اجازت نہیں دیتا۔

انسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت اموات غیر احياء کو جس میں بُت بھی مُراد لیے گئے ہیں
انبیاء کے مآلِ بے جان ہونے پر اس درجہ کی قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت وَلَکِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمُ
النَّبِیِّیْنَ حُضُورُ کی ختمِ نبوت کی قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر جتنے
آئندہ بہائے جائیں کم جائیں۔ یہ حضرات پہلے تو علم سے اتنے دور نہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا۔ اکابر کی
شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درو میلش اندر طعنہ پاکاں برد
 ان دوسترل نے علمی حیثیت سے اپنے آپ کو اتنا گرا لیا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ
 کر سکیں۔ سو آئندہ انشاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پر ایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی امانت بغیر کسی
 تعصب اور احساسِ تحریک کے طلبہ علوم دینیہ اور عام اہل اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم
 نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالم برزخ
 میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور منتشر اوراق میں کتاب الہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر
 چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ کے وقوعِ وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ
 کی وفات کا امکان (افان مات او قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا
 اور آپ کی وفات کی پیش گوئی بھی آیت (انک میت و انتم میتون) میں موجود تھی۔ لیکن اس
 بات کا بیان کہ آپ پر موت کا وُرد ہو چکا ہے، اس کے لیے ابھی وقت کا انتظار تھا۔ سو اس کا
 قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے جو شخص کہے قرآن میں ہے کہ آپ پر وفات آپ کی وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے
 حضرت مسیح کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں
 موجود ہے۔ اس کا بائبل میں مذکور ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس
 نہیں جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی
 موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا یقیناً وُرد ہوا اور آپ نے یقیناً اس دنیا میں انتقال فرمایا۔ لیکن
 قرآن پاک اس وقوعِ موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپؐ پر وفات آپ کی اس کا سب سے پہلا ثبوت
 حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ بلیغ ہے، جو کتب حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے۔

وقوع موت ثابت کر لے کے لیے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے
ہانا، امکان کہ وقوع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقت پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے
چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریقہ بان ہے، بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی مبحث
اور محل نزاع نہ ہو۔ بلکہ وقوع وفات پر بنا بر خبر مستفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا۔ وہ
اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہوگی یا قیامت
تک جسدِ اطہر اور روحِ اللہ میں کلی مفارقت رہے گی۔ اس پر بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود
نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضاء النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا،
جوئیات کو کلیات، بناتے چلے آنا اور جزئی اشارات کو کھینچ کھینچ کر مطالب کا جال بنانا، یہ ایک
ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس راہِ روی کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرضِ مزمن پر جتنے
آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ ایک قوم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا صریح ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے، جسے
انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلائل النص کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں
پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں۔ — ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح وقوع وفات
کی خبر کتبِ حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لیے بھی احادیثِ صحیحہ یقیناً
موجود ہیں۔

اثبات عقائد کے لئے دلائل ظنیہ سے استشہاد — ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحبِ یہاں یہ اعتراف کر دیں کہ اخبارِ احاد اور سلسلہ روایات سے یہ مسئلہ
کیوں ثابت کیا جائے عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔
جو اباً عرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر متواتر الاسناد ہی میں

منحصر نہیں۔ بلکہ اخبارِ اعداد بھی جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی سہی، کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جاسکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اس کے حقیقت مستند ہونے کی شہادت دے دیں، تو یہ بنیاد یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔ حضرت علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَأَمَّا الدَّالَّةُ الْمَعْتَبَرَةُ ههنا المستقرَّةُ من جملة أدلة ظنيَّة تضافرت على معنى واحد حتى أفادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ما ليس للافتراق ولا حله أفاد التواتر القطع وهذا نوع منه فاذا حصل من استقراء أدلة المسئلة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب و هو شبيه بالتواتر المعنوي بله

ترجمہ۔ عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ قطعی ہوں۔ مگر کسی ایک قدر مشترک پر سب متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہو سکتی۔ خبر متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں، تو ان کے مجموعے سے (اس قدر مشترک کے لیے) ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔

عذابِ قبر کا برحق ہونا عقائدِ اہل سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآن پاک کی جس آیت شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی البتہ ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس مضمون پر قطعی الدلالت ہیں، وہ اپنے ثبوت میں قطعی ہیں۔ بایں ہمہ عذابِ قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ بلا علی قاریؒ نے عذابِ قبر کے داخل عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے۔

فلا يخفى ان الاعتبار في العقائد هو الادلة اليقينية واحاديث الاحاد لو
ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعد طرقه بحيث صار متواترا
معنويا فحينئذ قد يكون قطعيا ۱

ترجمہ: یہ بات مخفی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار آحاد
اگر ثابت بھی ہوں، تو بھی ظنی ہیں۔ ہاں، اگر ایک ہی مضمون، متعدد طریقوں سے اس
طرح مروی ہو کہ تو اتر معنوی پیدا ہو جائے، تو اس وقت یہ (قدر مشترک) بھی قطعی
اور یقینی ہو جائے گی۔

ہاں اس طرح ثابت ہونے والا مسئلہ اگر نظری ہو تو بقول حضرت شاہ صاحب منکر پر قول
در لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو ہم اپنے مخالفین کو دے سکتے ہیں
التفصیل فی العرف الشذی ص ۳۴ و ص ۳۵۵
واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

قرآن عزیز کا موتِ انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہن جاہلیت سے مفہوم موت پر اختلاف :
عربوں کا تصور ”موت“ کے متعلق یہی چلا آ رہا تھا کہ :-

- ① — یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے اور یہ ایک امر عادی ہے۔
- ② — ان کے عقائد میں نہ بقائے جسد تھی نہ بقائے روح دونوں کی فنا ہے۔
- ③ — ورنہ موت کے بعد پھر روح اور اس جسدِ دنیوی کا اجتماع اُن کے نزدیک محال
اور ایک امر مستبعد ہے۔

قرآن عزیز نے مفہوم ”موت“ پر ذہن جاہلیت بدل ڈالا۔۔۔ ان لوگوں نے اپنے فکر و نظر

کے مطابق ”موت“ کے لیے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ ابن سید الناس اندلسی نے ”المختص“ میں ایک فہرست پیش کی ہے اور ہر لفظ پر اشعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔
اسمائے موت :-

الهمیغ والنیط والوهر والمنون والشعوب والفود والحمام والسمارو
المقدار و قتیم وجباز وحلاق والقاضیة والطلاطل والعول والذام
والکفت والمجداع والحذرة والحنف والحالج..... وغیرہا۔

انہی میں لفظ ”توفی“ بھی آیا ہے، لیکن اس پر محقق اندلسی نے اشعار عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر ”توفی“ کا اطلاق درست نہ تھا۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی، نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں، ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یا جی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

عربوں کے تصور موت کو جب اسلام کے قرنِ اول ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے تو اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنی موت کے لیے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شان تحقیق ہے۔ حالانکہ وہاں بھی صرف ”ابانة الروح عن الجسد“ کا نام موت نہیں ہے بلکہ قوت حیوانیہ کے زوال یعنی آثار حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲ م) لکھتے ہیں :-

كل نفس ذائقة الموت فعباره عن ذوال القوة الحيوانيه وابانة
الروح عن الجسد.

ترجمہ: ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ پس موت سے مراد ۱۔ حیات کی قوت
ذائل ہونا اور ۲۔ روح کا جسد سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا، اس کے ساتھ قوت حیوانی کا زائل ہونا بھی
یان کیا ہے۔ قرآن کریم نے موت اسی کو کہا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها فيمسك التي قضى

عليها الموت ويرسل الاخرى الى اجل مسمى. (پکا: الزمر ۵ آیت ۴۲)

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوا ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچ لیتا
ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن پر مرنے کا حکم دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری دھڑل
کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتہ ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ موت ہو، سونے والے
کی روح قبض ہونے کے باوجود اس کے آثار حیات قائم ہیں، نبضیں تک اچھل رہی ہیں اور روح
کے چار گھنٹے باہر رہنے کے باوجود اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑا، نہ اکڑا ہے، نہ کسی نے اسے دفن
کے لیے پکڑا ہے۔

یہ تو ناظم کا حال ہے۔ خود میت کو دیکھتے، جو نہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا،
روح کے آثار کچھ دیر کے لیے اور رہتے ہیں اور اپنی سے یہ بدن کچھ گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا
پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی وہ تازگی باقی نہیں رہتی۔ اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور

حسب بیان راغب مفہمی انشکاک الروح عن الجسد بھی ہوا اور قوت حیوانی بھی باقی رہی۔
اب اگر کوئی ایسا کہیں ہو کہ روح تو قبض ہو جائے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو، گھسنے گزر جائیں مگر
بدن نہ اکڑے، پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی پر صدیاں گزر جائیں تو یہاں کیا کہا جائے گا؟
یہی ناکہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ
سمٹ چکی اور کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں۔ علامہ برہان الدین المرعینی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک پانچ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں
رکھا گیا تھا۔

وہو الیوم کما وضعہ

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:-
جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا۔ آج بھی وہی کیفیت اور
قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔

سوال: قاضی صاحب جب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے جسد اطہر میں کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں
وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹے تو لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں ذکر کرتے ہیں؟
جواب: یہ تو صحیح ہے کہ اُن کا عقیدہ پیر طریقت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ
انہوں نے اپنے عقیدے کے طور پر نہیں کہی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے غلطوں میں ادا کی
ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں: یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب۔

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو، مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو۔ بلکہ
وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ کچھ آثار حیات آپ میں آخر تک باقی
رہے اور ہیں۔ سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھا جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام کی موت کی
نوع ہی جدا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی

حیات بھی باقی رہی واپس کی موت سائر حیات ہوئی یہ نہیں کہ اس سے آثار حیات کلیۃً منسفی ہوئے
یہ کہنا کہ ہمیں موت کے یہ معنی کلام عرب میں نہیں ملتے۔ اسے کوئی شخص جسے یہ علم ہو کہ مفہوم موت
حکم کا ذہن جاہلیت سے شروع ہی سے مختلف ہو گیا تھا، اہمیت نہ دے گا۔ قرآن کریم نے
ہے موت صرف مفارقتِ روح کا نام نہیں، یہ تو نیند میں بھی ہو سکتا ہے۔ جب تک پورے آثار حیات
موجود ہوں وہ موت نہیں اور راعب نے یہی بات کہی ہے۔ حضورؐ سے بعض آثار حیات چونکہ آخر تک
نہ ہونے بلکہ اب تک باقی ہیں۔ تو اگر اُسے ایک جدی نوع حیات کہہ دیا جائے تو معلوم نہیں کن
مان کرتا ہے۔ علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادی (۴۴۲، ۵۰۰) لکھتے ہیں:-

والمیاء جنس تحتہ انواع وكذلك الموت فاشبات بعض انواع الموت لا ینافی الحیوة۔

بستوں کا عذر لنگ

بعض کرم فرمایہ کہہ کر بات مالتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح نہیں نکلتی۔ قرآن پاک نے جو
دوے کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی، تو
عقیدہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعائیں اس آیت کی پیروی نہ کرتے۔ امام بخاری کتاب الدعوات میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت کی یہ دعا نقل کرتے ہیں:-

باسمک ربی وضعت جنبی و بک ارفعه ان امسکت نفسی فادعہا وان

ارسلتہا فاحفظہا بما تحفظ بہ الصالحین۔

ترجمہ: تیرے ہی نام پر اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے سہارے
ہی میں اسے اٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روکے رکھے تو اس پر رحم فرما اور اگر اُسے
واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرما، جیسے تو اپنے بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ واقعی نیند کے وقت روح نکلی ہوتی ہے جس کے بعد یہ پھر آجاتی ہے

اور موت والے کے لیے یہ واپس نہیں آتی (برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا میدانِ حشر میں روح کا بدن میں واپس آنا، یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے) یہاں جو اس کے روکے رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دنیا کی بات ہے کہ اس دنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ امساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت فرمایا نہ الروح عن الجسد نہیں۔ آثارِ حیات جب تک پورے منتفی نہ ہوں۔ قرآن کریم سے موت نہیں کہتا۔ الا یہ کہ کوئی جُدا نوعیت موت ہو اور یہ موت کی کوئی اور نوع ہو۔ پہلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا متعزلہ نے موت کے عدمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا؟ کشاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اسی کی کٹلی تردید نہیں کی؟ الانقصاف اٹھا کر دیکھیں۔

سوال : نیند والے کی طرف روح کا ٹوٹنا جسے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے کی روح روکی نہیں جاتی، پھوڑ دی جاتی ہے کیا کہیں اسے احیاء (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوئی تھی؟

جواب : سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لیے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :-

اللهم انت خلقت نفسي وانت توفاهالك مما تمها ومعياها ان احيتها فما حفظها
وان امتهها فاغفر لها۔

ترجمہ : اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کی توفی کرے گا۔ میری موت اور زندگی سب تیرے لیے ہیں اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت فرما۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن جہان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر رد روح کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔
الحمد لله الذی عافانی فی جسدی و مرآة علی روحی

ترجمہ حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسد کو عافیت بخشی اور اس میں میری روح پھر سے لوٹا دی۔

امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

امام نووی کہتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر مہبت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور اسلام اس اطلاق میں ذہن جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ ان تعاقب کے لیے وہ اشعار جاہلیت کا محتاج ہے۔

نظریہ قرآن میں موت کیا ہے؟

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفت "حیات" کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے۔ یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی شے ہے جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خلق الموت والحیات۔ (پ ۲۹ الملک)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پس جب موت کی اپنی ایک خلقت ہے، تو اسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا

اور محض ایک امر عادی قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکی (۶۸۳ھ) فرماتے ہیں :-

ان الموت عدم وهو خطأ صراح ومعتقد اهل السنة انه امر وجودی
یضاد الحياة وكيف يكون العدم بهذه المثابة ولو كان العدم
مخلوقاً حادثاً وعدم الحوادث مقوراً انزلاً للزم قطع الحوادث^{لہ}
ترجمہ موت کو محض ایک عدمی شے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہل سنت
کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے۔ عدمی شے اس
درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدمیات کی بھی خلقت ہوتی ہو اور وہ حادث ہوں
اور عدم حوادث کا تقرر بھی اُزلی ہو تو اس سے قطع حوادث لازم آتا ہے۔

روح المعانی میں ہے :-

والموت علی ما ذهب الیکثیر من اهل السنة صفة وجودیة تضاد الحياة
واستدل علی وجودیته بتعلق الخلق به وهو لا يتعلق بالعدم
لازلیة الاعدام^{لہ}

ترجمہ۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے
مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے
سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا، عدمیات تو ازلی
ہیں۔

امام رازی^۱ لکھتے ہیں :-

واختلفوا فی الموت فقال قوم انه عبارة عن هذه الصفة وقال اصحابنا
انه صفة وجودیة مضادة للحياة واحتجوا علی قولهم بانه تعالی قال الذی
خلق الموت والحياة والعدم لا يكون مخلوقاً هذا هو التحقيق

والموت عند اصحابنا صفة وجودية مضادة للحياة۔^۱

ترجمہ مفہوم موت پر بہت پہلے سے اختلاف چلا آ رہا ہے، بعض اسے عدم حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفت وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکابر اہل سنت کا استدلال اس ارشاد قرآنی سے ہے ”خلق الموت والحياة“ کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفت وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا۔ تفکر و تدبر۔

موت کا وجود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يجمع الله الناس يوم القيمة في صعيد واحد ثم يطعن عليهم رب العالمين فيقرم المسلمون ويوضع الصراط فيمرون عليه مثل جيا د الخيل و

الركاب وقولهم عليه سلم سلم ويبقى اهل النار فيطرح منهم فيها فرج . فاذا ادخل الله تعالى اهل الجنة الجنة واهل النار النار اتى بالموت

ملبيا فيوقف على السور الذي بين اهل الجنة اهل النار ثم يقال يا اهل

الجنة فيطلعون خائفين ثم يقال يا اهل النار فيطلعون مستبشرين

يرجون الشفاعة فيقال لاهل الجنة ولاهل النار هل تعرفون هذا فيقولون

هو لاء وهو لاء قد عرفناه هو الموت الذي وكل بنا فيضجع فيه بح

ذبحا على السور

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کچھ سوال و جواب کریں گے اور نیک لوگ پُل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں جاگیریں گے۔ پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے اس دیوار پر کھڑا کیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہوگی۔ پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ دُؤں کہیں گے، ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی۔ اس وقت اُسے لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا..... اس کے بعد موت کسی کو نہ آئیگی۔

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوقی بالموت یوم القیمة کانہ املح فیوقف بین الجنة والنار ثم ینادی منادیا اهل الجنة فیتقولون لعلک ربنا قال فیتقال هل تعرفون هذا فیتقولون نعم ربنا هذا الموت فیدبح کما قد یبح الشاة فیا من هولاء ویقطع رجاء هولاء رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی فی الاوسط بنحوہ والبخاری ورجالہ الصمیم غیر نافع بن خالد وہوثقہ۔

ترجمہ: قیامت کے دن کبش املح کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والو دیکھو اسے جانتے ہو، وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے۔ اس وقت موت ذبح کی جائے گی جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن خالد بھی ثقہ ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آتے اور روح نکال کر لے جائیں یا نازعات و ناشطات آئیں اور روح نکال لیں۔ صرف یہی ہو تو یہ ایک عدی حقیقت ہے مگر حضورؐ نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوئی تھی اور اسے سب اہل جنت

جنت میں اور سب اہل جہنم جہنم میں پہچانتے ہوں گے۔ اگر یہ کوئی وجودی چیز نہیں تو مرنے والوں کو یہ کیا چیز نظر آئی تھی جسے انہوں نے پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے ذبح کر ڈالا۔ معتزلہ اور کرامیہ مفہوم موت جاہلیت کے اندھیرے میں متعین نہ کرتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں چلتے، تو کبھی نہ کہتے کہ موت صرف ابانۃ الروح عن الجسد کا نام ہے اور کچھ نہیں اور یہ کہ کوئی اور اسکی انواع نہیں ہیں۔

ایک سوال

جب موت ذبح کر دی جائے گی اور نیک و بد، جنت و جہنم میں جا چکے ہوں گے تو یہ جو بعض روایات میں ہے کہ جو گنہگار مسلمان جہنم میں ہوں گے، ایک موت ان پر وہاں وارد کی جائے گی، تاکہ انہیں نار جہنم کا احساس نہ ہو تو یہ موت کیا اس موت کے علاوہ ہے جو ان پر وارد ہوگی۔ حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں۔

اذا دخل الله الموحدين النار ماتم فيها اما تة فاذا اراد ان يخرجهم منها امتهم العذاب تلك الساعة

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم میں داخل کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے دیں گے جب ارادہ فرمائیں گے کہ انہیں آگ سے نکالا جائے تو اس وقت انہیں یہ عذاب چھوئے گا (اور پھر انہیں جہنم سے نکال دیا جائے گا)۔

(اما تمم فیہا) بمعنی انہ یغیب اجسامہم او یقبض ارواحہم لطفاً منہ بمعنی و اظہاراً لا اثر التوحید۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے گا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے جسم وہاں سے غائب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کی روہیں قبض فرمائیں گے یہ اس لیے کہ ان پر توحید کا اثر ظاہر ہو (وہ یہ کہ ان پر آگ اثر نہ کرے)۔

یہاں اما تمہم کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح ان کے بدن سے نکالی جائے گی۔ یہاں مراد یہ ہے

کہ حق تعالیٰ اُن کے احساس و شعور کو معطل کر دے گا، تاکہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو۔
 موت تو ذبح ہو چکی، اب ہیں تو وہ حقیقت میں زندہ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار
 اور شعور و احساس کو روک دیں گے۔ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسان نبوت نے لفظ موت
 سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقت موت

موت ایک وجودی چیز ہے جو کسی جسم پر وارد ہوتی ہے۔ موت کی حقیقت انفکاک روح
 یا ازالہ حیات بتلانا ہمارے دوستوں کو ایک بڑا محالہ ہے۔ ازالہ حیات نہ بھی ہو تو موت وارد ہو
 سکتی ہے اور ایانۃ الروح پر بھی (جیسے کہ یہ قائم پر وارد ہوتی ہے) تو ضروری نہیں کہ موت ہو جائے
 روح کا ارسال یا بدن کی طرف عود کرنا پھر ہو سکتا ہے۔ کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے دوست
 موت کا معنی ایانۃ الروح عن الجسد یا ازالہ حیات ٹھہرا کر معتزلہ کے ذہن سے موت کو ایک عدوی چیز
 سمجھیں اور قرآن کی نص مجہول جائیں کہ موت کی ایک اپنی خلقت ہے، یہ محض ازالہ حیات کا نام نہیں۔
 خلق الموت والحیاء لیبوکم ایتکم احسن جملاً۔ (پٹ الملک، آیت ۲)

ترجمہ۔ اس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو۔ تا جا نچے تم کو تم میں سے کون اچھے

کلام کرتا ہے۔

موت کا عدوی معنی (ازالہ حیات) کرنے میں ایک دقت یہ پیش آئے گی کہ موت کے لیے سبق
 حیات ضروری ہوگا۔ پھر اموات صرف انہیں کو کہا جائے گا، جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں
 بتوں کو اموات نہیں کہا جاسکے گا۔ کیونکہ ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لا یسمع کا معنی بھی یہی
 ہوگا کہ جو پہلے سنتے تھے اب نہیں سنتے۔ لا یبصر کا معنی یہ ہوگا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے۔
 پہلے کام آتے تھے اب کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا۔

لم تقبدا ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاً۔

بُت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوتی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ
 صنم پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پرہیزگاریوں میں ہے اور یہی ہے قرآن کریم
 ان سب معبودانِ باطلہ کو اموات کہتا ہے۔ اگر مسبوقیت الحیاء (کہ پہلے ان میں حیات رہی ہو) موت
 کا لازم اقتضاء ہے اور موت کا معنی ہے۔ ازالہ حیات تو خود ہی فرمائیں۔ سورج اور چاند میں، ستاروں
 اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو ان کو اب اموات کہا جا رہا ہے کہ ان کی زندگی جاتی رہی عجیب
 علم و دانش ہے کہ موت ازالہ حیات کا نام ہے اور جو ازالہ حیات کے بغیر موت کا اقرار کرے وہ مولانا
 نانوتوی بھی ہو تو ہمارا امام نہیں۔ ع بریں عقل و دانش بیاید گریست

کیف تکفرون بالله وکنتم امواتا فاحیا کہ (پ البقرہ آیت ۲۸) میں موت کا لفظ
 حیات کے بالمقابل ہے۔ یہاں موت کے لیے مسبوقیت بالحیاء نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں
 ازالہ حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن
 مسعودؓ اور حضرت مجاہد (۱۱۰ھ) سے یہی منقول ہے معلوم ہوا موت کا معنی ازالہ حیات نہیں،
 صرف عدم حیات ہے۔ اُس تعریف پر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی
 چیز ہے۔ ازالہ حیات اس کے لیے ضروری نہیں اسی طرح اعادہ روح سے بھی ازالہ ہم ضروری نہیں۔
 ان هذه الاعادة ليست مستلزما لاثبات حياة مریة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية۔

آنحضرتؐ کی موت طیبہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا عنوان تو آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ آج مستطیبہ
 کا عنوان بھی دیکھ لیجئے۔ طیب کا لفظ جس طرح آپ کی حیات کے لیے ہے، اسی طرح یہ اطلاق آپ کی
 موت کے لیے بھی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کی وفات پر ان محمداقدامات کا اعلان
 کرنے سے پہلے موت طیبہ کی آواز لگادی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے

حضرت کے جسد اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا :-

طِبْتُ حَيًّا وَمَيِّتًا. (آپ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب)

جس طرح آپ کے بدن اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی، موت پر بھی وہ جسد اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے۔ عروض موت نے آپ کی حیات کو صرف زیر پردہ کیا ہے۔ آثار حیات آپ سے منتقلی نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تندرست تازہ رہے گا۔ اس میں غور کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کوئی اور قسم کی ہے اور موت میں اختلاف نوع کا تصور کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعت توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موت طیبہ کیسی تھی یا کیسی نہیں۔ اس بحث میں ہم نہ پڑیں اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثار حیات باقی رہے۔ بلکہ بعض اثرات ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کون سا ستون ہے جو گرتا ہے اور کون سی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے سادہ حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثرات حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا کھلی نادانی نہیں۔

اثرات حیات جو اجماعاً مسلم رہے

موت کا ایک مترشح اور صریح اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے جملہ اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضورؐ کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہے اور آپ کی ملک سے نہ نیکے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں :-

بَابُ كَانِ مَالُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ قَائِمًا عَلَى نَفَقَتِهِ وَمُلْكُهُ ۖ

دوسرے لوگوں کے لیے باب یہ بندھا ہے۔

ترجمہ جب آدمی مر جائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔
 امام بخاری کتاب الفرائض میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حضورؐ کی یہ حدیث لائے ہیں :-
 لَا تَقْسَمُ وَرَثَتِي دِينَارًا مَاتُوكَ بَعْدَ نَفَقَةٍ نَسَائِي وَمَوْنَةٍ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ.
 ترجمہ میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی
 مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔

① انہماک المؤمنین کا خرچہ تو سالہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات
 بھی آپ کی ملکیت میں رہیں اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کریں اور آپ کے
 عامل اس سے اپنی اجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اثبات
 حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

② فوت شدہ کی بیوی یا انفقائے مدت متوفی کے مال میں حقدار ہے اس کے بعد نہیں پھر
 اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، اب یہ مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضورؐ کی ازواج
 کے لیے یہ مدت نہیں۔ وہ تازہ زندگی حضورؐ کے اموال میں حقدار ہیں۔ یہ بھی تمہی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے
 اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

③ موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے
 اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ حضرت مصعب بن سعدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں :-
 میں بیمار تھا، میں نے حضورؐ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت
 کر سکتا ہوں جہاں چاہوں، آپ نے اس پر نہ کہی۔ میں نے کہا نصف کی وصیت کر لو
 آپ نے اس پر بھی انکار فرمایا۔ پھر میں نے ثلث (تہائی) کے لیے کہا، آپ
 اس پر خاموش رہے۔

لیجئے فوت ہونے والا خود اپنے مال کے نصف حصے کا مالک نہیں رہا، اسے اس کے وارث لیں گے۔ یہ مال گویا اب اس کی ملک میں نہیں رہا۔

مرضت فارسلت الی النبی فقلت دعنی اقسام مالی حیث شئت فابی
قلت فالنصف فابی ۛ

اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے، ازواجِ مطہرات کے خرچہ اور خادم کی اجرت کے بعد جو بچے اسے فی صدقہ فرمادینے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اموال اس حالت کے باوجود آپ کی ملک سے نہیں نکلے۔

عام انسان ایسے وقت میں اپنے مال سے بے تعلق ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ بوجہ موت کے موت تمام علائق دنیوی کو ختم کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلک باوجود وفات اُن کی ملک میں ہیں اور آپ اس سے اپنے اخراجات جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اگر مختلف مسائل پر اتنی بات کہہ دی جائے کہ آپ کی موت طیبہ عام انسانوں سے کچھ مختلف تھی اور اس میں موت کا انکار بھی نہ ہو تو محض اتنی بات سے اپنے اسلاف کا استہزار اور اپنے عوام کی تشغیب ہم نہیں سمجھتے۔ اسلام کی کون سی خدمت ہے اور کس پہلو سے اسے ایک نیکی سمجھا جا رہا ہے۔

موت کے بارے میں اہل دانش بہت کچھ کہہ چکے اور کہتے رہیں گے۔ موت کی حقیقت پر اہل تحقیق نے بہت گرد پیمائی کی ہے۔ بات کو الجھانے سے بچنا، تاویلوں سمجھنے۔ موت ایک ایسی صفت ہے جو صفتِ حیات کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے حق میں صفتِ عرضی ہے تو اس کے زوال پر موت کا درود ہوتا ہے اور اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابلِ تغیر ہے (جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کبھی ظہور و خفا کا انقلاب آیا ہو) یا ناقابلِ تغیر۔ اگر قابلِ تغیر ہے تو پھر صفتِ حیات کے معرضِ خفا میں آنے یا کشور ہونے پر یہ صفتِ موت بدن کو لاحق

ہوگی۔ اور اگر ناقابلِ تغیر ہے تو پھر اس پر درودِ موت محال ہے۔ پھر وہ حیات دائمہ ازلیہ ہے۔
واللہ اعلم بالصواب۔

اتنی تہتیک میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جمہورِ اہل سنت مفہومِ موت کی اس گہرائی میں نہیں گئے۔ ایسی حیات ذاتی جس کی کیفیات ظہور و خفا میں قابلِ تغیر ہوں اور اس کی ذاتیت بھی اضافی ہو، ازلی نہ ہو، اس کا مرکز و مصداق پوری کائنات میں ایک ہی ذات ہے جو باعثِ تکوینِ عالم اور غلامۂ کائنات ہے۔ اس لیے بہانیت کی دنیا میں مفہومِ موت کا یہ پہلو اتنا شائع و ذائع نہ ہو سکا۔ اگر موت کو اسی عام معنی میں لیا جائے کہ موت روح کے بدن سے جدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح پر اسے قبول کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں۔

اس تفصیل سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں الجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو کو معرکہ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پر نجات کا یا کم از کم مسئلہ حیاتِ الہی کے ثبوت یا عدم ثبوت کا مدار ہو۔ موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جمہور کی رائے ہے تو بھی مسئلہ زیرِ بحث میں مقصود کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا۔ ہاں یہ پیش نظر ہے کہ روح کے بدن میں مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں۔ روح بدن سے نکل جاتے، لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر بدن کے ساتھ قائم رہے تو بایں صُورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی۔ محقق ابنِ ہمام کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روح اور حیات میں ملازمہ نہیں، تاثر و تعلق بھی وجودِ حیات کے لیے کافی ہے۔ متن فقہِ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخل عقائد ہے کہ:-

اعادة الروح الحـ العبد حق۔^{۱۷}

ترجمہ: بندے کی طرف (قبر میں) روح کا لوٹا یا جانا برحق ہے۔

ممکن ہے اس میں حرف ”الی“ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ روح کو بدن میں لوٹانا ضروری نہیں۔ بدن کی طرف لوٹنا ہی اس حیات فی القبر کے لیے کافی ہے جس پر سوالِ نکیرین

اور ازاں بعد ادراکِ اَلْمِ وَلَذَّتْ کے احکام مرتب ہو سکیں۔
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاعْلَمُ فِیْ كُلِّ بَابٍ۔

موت کا شرعی مفہوم

یاد رکھئے موت فنائے محض کا نام نہیں۔ وہ اختلافِ دارین کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس
عالمِ دنیا سے دوسرے عالم میں چلا جائے۔ علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-
الموت ليس بعدم انما هو انتقال من دار الى دار
ترجمہ: موت ایک عدوی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل
ہو جانے کا نام ہے۔

ليس بعدم محض ولا فناء صرف
ترجمہ: موت ہرگز عدم محض اور فنائے خالص کا نام نہیں۔
حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں ”ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہننے“
کا نام موت ہے۔

موت کیا ہے یہ راز کھل ہی گیا ! زندگی اک رُخ بدلتی ہے
اس کنارے سے اُس کنارے تک جیسے اک موج جانشکلی ہے
جانتا چاہیے کہ کفارِ عرب کی طرح موت کے متعلق قرآنِ عزیز کا نظریہ فنائے کامل کا نہیں
انبیاء و صلحاء تو در کنار کُل بنی آدم ذائقہ موت چکھنے کے بعد پھر اپنی اجسامِ عنصریہ کے ساتھ زندہ کئے
جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محلِ استبعاد نہیں تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوسِ قدسیہ کو
عالمِ برزخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرمادیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر آپ کی عقل اس
کا ادراک نہیں کر سکتی تو عالمِ آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی تو کوئی کم کٹھن منزل نہیں، وہ

کیسے ہوگا۔ فتکروا یا ادلی الابصار۔

قرآن عزیز کہتا ہے :-

وقالوا اذا كنا عظامًا ورفانًا انا لمبعوثون خلقًا جديدًا قل كونا
سجارةً او حديدًا او خلقًا مما يکبر فی صدورکم ۚ فسیقولون
من یعیدنا قل الذی فطرکم اول مرة ۚ (پ: بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چُورا چُورا ہو جائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے
بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو
تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما
دیجئے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا :-

کما بدؤنا اول خلق نعیدہ وعدہا علینا انا کنا فاعلین۔

(پ: انبیاء)۔

ترجمہ۔ جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اس کو لوٹائیں گے، ہمارا ضرور
وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کھا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا :-

قد علمنا ما تنقص الارض منہم وعدہنا ک کتاب حفیظ (پ: ق)

ترجمہ۔ ہمیں معلوم ہے جو زمیں کھا رہی ہے اُن میں سے، اور ہمارے پاس پورا
ریکارڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے :-

من یحی العظام وہی رمیم ۚ قل یحییہا الذی انشاها اول مرة وہو بکل

خلق علیم ۚ (پ: یسین)

ترجمہ۔ کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دے گا؟ —
 آپ فرمادیں، وہی انہیں دوبارہ زندہ کر دے گا جس نے انہیں پہلی بار بنایا
 تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیات انسانی کیسے ان
 ذروں میں عود کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا، یہ ریزے اور چُورے تو بہر حال انسانی لاش
 ہے، جس میں بیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہونا چنداں
 مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چُورا نہیں اگر ممکن ہے تو
 پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثار حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ
 ان سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز جس کا زندہ ہونا تمہیں لوہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل
 نظر آئے، بن کر دیکھ لو۔ حتیٰ کہ موت محرم بھی بن جاؤ، تو اس قادرِ مطلق کے لیے تمہیں پھر اسی جبرِ عنصری
 سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشرِ آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں
 ہڈیوں کے چُورے اور ذراتِ منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اجمال
 ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منطقی ہے، گویا کہ حشرِ آخرت کے لیے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں
 اور ذراتِ منتشرہ پھر سے اٹھائے جائیں پس جب اس دن انبیاء بھی اٹھائے جائیں گے، تو
 ان کی یہ بعثت ذراتِ منتشرہ اور عظامِ رمیم سے کیوں نہ ہوگی۔ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ
 ”زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے“ ان کا اجماعِ عالم سے اٹھایا جانا، کیا قرآن
 پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں ”حشرِ آخرت“ ہڈیوں کے چُورے اور ذراتِ منتشرہ
 پر مبنی ہے؟

اگر انبیاء اس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اس تخصیص کے لیے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے جتنے درجے کی قوی اصل یہ ہے کہ حشر آخرت، ذرات منتشر اور عظام ریم سے ہوگا۔

جو اباعرض ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں آیا، اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کر دی اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ اُن کا لگدھامٹی میں ہڈی ہڈی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر سے اٹھایا اور فرمایا :-

وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلْنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ نَنْشُرُهَا
ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا۔ (پ البقرہ ع ۲۴)

ترجمہ۔ اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور تاہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں اور تو (گدھے کی) ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کس طرح ہم انہیں اُبھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہو گیا تو اُس نے کہا مجھے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دیکھئے گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا، مگر حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کی موت نیند جیسی تھی۔ ان کا بدن پوری طرح محفوظ رہا۔ اللہ نے حرام کر دیا کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کے لیے قرآن کریم نے لبثت (آپ رہے) کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور اصحاب کہف کے سوئے پڑے رہنے کو بھی قرآن کریم نے لبثوا فی کھفم ثلثة مائة ثنین (پا الکہف ع ۴) سے تعبیر کیا ہے جس طرح سوئے رہنے والے اصحاب کہف کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے۔ یہ صورت حال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے نہ وہاں۔

ماہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریزہ ریزہ ہو گئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جو اُن پر سو سال تک وارد رہی۔ اس دوران وہ اپنی چھٹی زندگی کو نہ پاسکے جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا۔ حالانکہ وہ طبعاً زندہ تھے۔ کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا، نہ باسی ہوا۔ کھانے میں زندگی رہی تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی مخفی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ مل رہا ہو۔ انبیاء کا بنیہ جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آ سکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے انبیاء کے اجماد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملتے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد مدتوں لامٹی کے سہارے کھڑے رہے، جب لامٹی کو کیڑا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد زمین پر آگرا۔ اسے کیڑا کیڑا لگا، اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجماد کو کھائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے اُنکی ہڈی تک نہ کھنکھائی، نہ ٹوٹی۔ خشک اور سُکھی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد مبارک نرم اور تروتازہ رہا۔ اس دنیا کے موسمی اثرات اس پر نہ اُترنے پائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی روح مبارک کے آثار باقیہ اب تک جسد کو محیط تھے فقہاء لکھتے ہیں حضور کا جسد اطہر قبر مبارک میں آج بھی اس طرح تروتازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّتَ الْجَنَّةُ اَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ

المہین۔ (پ: السبا، ص ۲)

ترجمہ۔ پھر جب وہ زمین پر آگرا، تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں اتنی کڑی عنت میں لگے رہتے۔

اس میں اشارہ ہے کہ نبی کے اعمال اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں جن کے اعمال جاری رہیں، اُن کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی حاصل ہے بشیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری مدت تک انہیں باقی رکھا گیا۔

حشر کے دن انبیاء کا اٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا، جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام اٹھائے گئے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کے آثارِ لطیفہ بھی جنہیں یہاں کے رہنے والے عکس نہ کر پائیں موجود۔۔۔ جب اُن سے برزخ کا پردہ اُٹھے گا تو وہ کھلی زندگی میں سانسے آجائیں گے۔ یہی اُن کا حشر ہے اور وہ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کو آخرت میں دو بارہ لباسِ حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ مائتہ الناس کو جو زندگی اور کامل حیاتِ معنوی اُس دن ملے گی، وہ انبیاء کرام کو پہلے ہی سے عالمِ برزخ میں حاصل ہے، صرف یہ ہے کہ وہ اوروں سے پردے میں ہے۔ اور وہ اپنی قبور میں ہی اس حیات بعد الوفات پر فائز نہ کر دیتے جاتے ہیں۔ اُس دن تو انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہوگا۔ اور اُن کا عالمِ برزخ، چانک عالمِ آخرت میں بدل جائے گا۔ اور اب یہ ایک کھلی اور عکس نہ زندگی ہوگی۔ قدسِ ایزدی سے اُن کی قبورِ شریفہ شق ہوں گی۔ بخلاف مائتہ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں قدسِ ایزدی سے روح و جسد میں جمع کیا جائے گا، اور اسی دن واذا النفوس زوجت کی شان ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس انبیاء کرام کے قیامت کے دن زندہ کئے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:-

اِنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا اِذَا بَعُثْنَا۔

ترجمہ: جب لوگ حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والے میں ہوں گا۔

اس تحقیق و تحقیق کی جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدون ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے پتہ چلتا رہا۔ تحقیق روایت کی یہ وہی راہیں ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلہ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مدلل ہے یا غیر مدلل اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ غرض کہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابر فن کی تقلید سے چارہ نہیں علمی تنقیحات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کرادینا اور پھر ائمہ فن سے استغناء برتنے کی آبیاری کرنا، عام کہتے رہنا کہ اہل سنت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں۔ اگر تشغیب العوام نہیں تو امد کیا ہے؟ اگر یہ روایات کلیۃً اور قطعاً لائق رد ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟ آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب و تحریب کا شکار کرنے کے لیے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلوب ہوا، کسی راوی پر اپنی اشارہ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں تصحیح محدثین کا سہارا لے لیا۔ خالی اللہ المشتکی۔

جہاں صحیح مسلم اور ابوداؤد تک کی احادیث ”موضوع روایات“ کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتب فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء تک کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس انداز فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں۔

طبع علی کدر و انت تریدھا

صنوا من الاقتدار والا کدار

ایسے پُرخطر دور میں، جب کہ احترام سلف اور فکبہ آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملک و ملت کی مہمات میں تعمیری اور فروعی اختلافات میں نہ الجھا جائے

وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی "اعتماد علی السلف" کے خلاف کوئی چٹکاری سسکتی نظر آئے، اسے اول و صلہ ہی میں سمجھا دینے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی آتشزدگی کہیں خرمین حیات کو بھلا نہ دے۔ ہاں، اگر طریق اختلاف ایسا ہو، جس میں اکابر کے خلاف جذبات تنفر نہ پیدا ہوں تو پھر یہ اختلاف رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمہ استقامت سے سیراب ہو سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات تفردات محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے، لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ — اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ موقف قطعی نہیں، اجتہادی رائے ہے، آخر جانب مخالف بھی احتمال صواب سے خالی نہیں۔

الغرض ہر شے اپنے محل پر رہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنت پر آٹھرتا ہے۔ دو مختلف حدیثیں ملی ہوں تو صحابہ کرام کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؑ کی نصیحت آپؐ پہلے پڑھ آئے ہیں حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے۔

عن عثمانہ قال سیاتی خاس یجلد لونکہ بشہات القرآن فخذوہم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الدارمی۔ (دکتر العمال جلد ۱ ص ۱۰۸)

ترجمہ۔ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہات قرآن سے استدلال کرتے جھگڑیں گے تم ان کا سامنا سنت کی بنا پر اصحاب السنن سے زیادہ قرآن کو جاننے والا کہنا ہو سکتا ہے۔

اس رسالہ ہدایت مقالہ میں اس آفتابِ رشد و ہدایت کے زندہ جلوہ ہونے کا بیان ہے جس کے ندر و عرفان نے لاتعداد ذروں کو غیرتِ خورشید بنادیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی بھٹکتی مخلوق کو چشمہ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ ان ارید الاصلاح و ما توفیق اللہ تعالیٰ و علیہ توکلت و الیہ ائوب

خالد محمود عفا اللہ عنہ

تمہید

الحمد لله الكبير القادر على جميع الممكنات المرید لجميع الكائنات والصلوة والسلام على جميع الهداة بالزبر والبيتات الذين هم احياء في قبورهم بعد الممات خصوصاً على خاتم الرسل وفضل المخلوقات سيدنا ومولانا محمد النبي الذي هو حي في روضة من رياض الجنات وعلى آله واصحابه واتباعه الذين يقتبسون من نور حياته في الحيات وبعد الوقت. اما بعد :

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جاسکتا۔ قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات تو بہت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل — عالم برزخ — پر اجمال و اشارات ہی کی مصطحت کار فرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردہ خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حصہ اس پردہ خفا میں ہے، اُسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے، اس کی انتہا قیامت پر ہے۔

ومن درآئیم برزخ الی یوم یبعثون (پ ۱، مومنون)

ترجمہ۔ اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

المنان اُس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھوڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ہاں انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور رب العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو ان پر منکشف فرمایا۔

ظاہر ہے کہ گاہے گاہے کہ یہ جھبکیاں اور انکشافات کے یہ پرتو اس مادی کے نا آشنا

ماحول میں عالم برزخ کے روابط و ضوابط کی جملہ کڑیاں نہیں ملا سکتے ہیں ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمادیا، اُس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرفتِ خفا میں رہا، اُس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں اور مافوقِ العقل کو خلافِ عقل قیاس کرتے ہوئے منقولاتِ صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دور

عالمِ ارواح

یہ وہ جہان ہے جہاں رُوحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب رُوحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری آجاتی ہے، وہ روح کسی جسم میں آکر یہاں جلد پیرا ہوتی ہے۔

انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں جملہ بنی نوعِ انسان سے عہدِ اُست لیا گیا تھا۔ قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے:-

وَأَشْهَدُهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۖ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۚ قَالُوا بَلَىٰ ۚ شَهِدْنَا ۚ اذْ قَوْلُوا

يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝ (پ، الاعراف، ع ۲۲)

ترجمہ: اور اُنہوں نے اُن سے اُن کی جانوں پر اقرار کرایا۔ کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا: کیوں نہیں؟ ہم اقرار کرتے ہیں، کہیں کہنے لگو قیامت کے دن، ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

مزموری تھا کہ یہ تخمِ ہدایت جسے کل اسلامی تعلیمات کا مبدؤ و منہتہی اور تمام ہدایاتِ ربانیہ کا دُجودِ مجمل کہنا چاہیے۔ عالمِ فیاضی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں

بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور مدھی و الہام کی آبیاری سے اس شخص کو
شجرِ توحید و ایمان کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم
میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی وجوہی عقدہ کا
حل ناخن عقل و فکر کے پُر کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ سلسلہ بھی منطقی استدلال کی مہول
بھتیاں میں پھنس کر ایک نظری سلسلہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا، اکثر آدمی بھی
مشفق نہ ہو سکتے۔ . . . حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم
کی پشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی، سب سے اقرار کروایا،
اپنی خدائی کا، پھر پشت میں داخل کیا۔

پھر یہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس عالم ارواح میں تمام اولادِ آدم کو خبر دی کہ اُن کے پاس اس
تخم کی آبیاری کے لیے میرے پیغمبر آتے رہیں گے۔

یا بنی آدم اما یا تینکم رسلاً منکم یقتضون علیکم ایاتی

(پ: الاعراف: ع ۴)

ترجمہ۔ اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم اولادِ آدم میں سے ہی
سنائیں تم کو آیات میری، تو جو کوئی ڈرے اور نیکی اختیار کرے تو نہ خوف ہوگا،
اُن پر اور نہ غمگین ہوں گے۔
شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

ابن جریر (۴۱۰ھ) نے ابویسار سلمیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یا بنی آدم اما
یا تینکم کل اولادِ آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔

احادیث میں بھی اس عالم ارواح کا ذکر ملتا ہے۔ اس دور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی
ہے جب روح جب جنین میں داخل ہوتی ہے۔ یہ چند ماہ کی مدت نہ عالم ارواح میں ہے نہ دنیا میں۔

یہ عالم ارواح اور دنیا کا برزخ ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے اور نو مولود کی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالم ارواح کو اسی لیے عالم ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر جسے کہ سب دیکھ پائیں یا خفی طور پر جسے عام دیکھنا نہ جاسکے (جیسے قبر میں روح و بدن کا تعلق) تاہم عالم ارواح کے سوا دنیا ہو یا آخرت (اور آخرت میں بھی برزخ ہو یا قیامت کے بعد کا جہاں) ہر جگہ روح و بدن کا علاقہ ضرور ہے۔

الحاصل عالم ارواح ایک پُورا جہاں ہے جس کے اپنے احکام ہیں۔ اور صرف اسی جہاں میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دنیا، برزخ اور آخرت۔ تینوں میں بدن کا علاقہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

عالم دنیا

عام محسوسات میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریبی زندگی کا دور ہے قرآن اُسے "الحیوة الدنیاء" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں روح و بدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ مگر جسد کے احکام روح پر غالب ہوتے ہیں۔ یہاں حیات کا تقوّم اس دنیا کے رزق مادی پر ہوتا ہے تغذیہ و تنمیه اس زندگی کے لازم ہیں۔ اس دور کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم "دار التکلیف" ہے اور یہی "دار العمل" جس کے ذخیرہ عمل پر بعد کی جزایا سزا مرتب ہوتی ہے۔

لے قال العارف الجامی ان الغالب فی هذا العالم احکام الاجساد و احکام الروح مستورۃ لظهور الجسد و خفاء الروح و ینعکس الحال فی البرزخ و تظهر احکام الروح اما المعشرفیستای فیہ الحکمان واللہ اعلم۔

عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دنیا کے تیز نظر عارفین برزخ کی کھڑکی میں بھی جھانک لیتے ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض بدنہی اعمال کو دیکھ یا سن پاتے ہیں۔ بایں ہمہ اُن کی یہ دنیوی زندگی دنیوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالم برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

انہ صودت لی الجنة والنار حتی رأیتما وراوا الحائط۔

ترجمہ جنت اور دوزخ ایک تصویر کی صورت میں میرے سامنے لائی گئیں۔ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے:-

لقد رأیت الآن منذ صلیت بکم الصلوة الجنة والنار مثلتین فی قبة
هذا الجدار۔

ترجمہ۔ ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی میں نے اس دیوار کے قبل کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضورؐ نے عالم بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا۔ یہ کہاں دیکھا؟ اسی دنیا میں۔ کیا کئی اور بھی دیکھ پایا؟ نہیں۔ یہ تو دنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں ہیں جو آپؐ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھائی اور فرمایا:-

انہ عرض علی کل شیء تو ليجونه فعرضت علی الجنة حتی تناولت

منہا قطفنا اخذتہ و عرضت علی النار فرأیت فیہا امرأة من بنی

اسرائیل تعذب فی ہرۃ لہا ربطتہا فلم تقطعہا ولم ترعہا تا کل من

خشاہش الارض و رأیت ابا ثمامۃ عمرو بن ملک یجر قصبہ فی النار

ترجمہ ابھی مجھے ہر چیز جہاں تھیں جانا ہے دکھائی گئی ہے مجھے جنت بھی دکھائی گئی یہاں تک کہ میں نے اس انگوڑے کے کچھ خوشے لیے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی کے سلسلہ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بلی کو بلند کر رکھا تھا اور اسے کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے پھینکتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھا لے اور میں نے ابو ثمامہ عمرو بن ملک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آستیں گھسیٹ رہا تھا

اور یہ بھی فرمایا :-

ما من شیء لم اکن اریۃ الا رأیتہ فی مقامی ہذا فی الجنة والنار

ترجمہ کوئی ایسی چیز مجھے پہلے نہ دکھائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ آنحضرت سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا :-

عرضت علی اجور امتی و عرضت علی ذنوب امتی فلم ارض بنا اعظم

من سورۃ من القرآن اوایۃ اخذہا رجل ثم نیہا

ترجمہ ابھی مجھے اپنی امت کے اجماعاً دکھائے گئے۔۔۔ مجھے میری امت کے گناہ بھی دکھائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا :-

عرضت علی الامم و رأیت سواد اکثر اسد الافق فقیل ہذا موسیٰ

موسىٰ فى قومہ ۛ

ترجمہ: مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افق ڈھانپ رہی
محق دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔
ایک دفعہ آپؐ شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آکر آپؐ نے خطبہ دیا:-
اِنِّى وَاٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ جَمِیْعٌ لِّہٖ اَعْطِیْتَ مَغَاتِیجَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ
اِنِّى وَاٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ جَمِیْعٌ لِّہٖ اَعْطِیْتَ مَغَاتِیجَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ
ترجمہ: میں اپنے حوض کوثر کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کُنیاں
دے دی گئیں۔

اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں جا پڑو گے۔ مجھے ڈر اس بات کا
ہے کہ دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں حسد نہ کرنے لگو۔
حضرت انسؓ بن زیدؓ کہتے ہیں ایک دن آپؐ شہر سے باہر جانے لگے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا:-
اِنِّى لَارِى الْفِتْنِ تَقَعُ خِلَالِہٖ یَوْمَ تَكُوْنُ الْمَطَرُ ۛ

ترجمہ: اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آ رہا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا
مبتداے گیموں میں فتنوں کو اس طرح اُترتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اُتر رہی ہو۔
حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ کہتے ہیں ایک دفعہ آپؐ دوپہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے
پاس سے گزرے۔ آپؐ نے فرمایا:-

فَقَالَ یٰہُوْدُ تَعْذِبُ فِیْ قُبُوْرِہَا ۛ

ترجمہ: یہود پران کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا: اُن کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں ۛ

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپؐ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپؐ رو پڑے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:-

ترجمہ: ایک دن میں حضورؐ کی خدمت میں تھا کہ آپؐ نے ہاتھ سے کوئی (غیر مرنی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آرہی تھی میں نے کہا: حضورؐ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں یہ دنیا ہے جو میرے سامنے مثل ہو کر آئی ہے، میں نے اُسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا یہ سب برزخی نظارے ہیں جو آپؐ نے عین بیداری میں دیکھے۔ آپؐ کے بعد بہت سے اولیاء بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالم دنیا میں عالم برزخ کے نظارے دیکھے۔ اس سے پہچلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اُسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جاسکے۔ تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اُس عالم کی جھلک دیکھی ہے۔

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل و جود گاہ اُچھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں
پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں تھے
یہ وحی الہی کے پردے میں جن پر حقائق و معارف اترتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:-
رَوِیَ الْاَنْبِیَاءُ وَحًی - (رواہ الترمذی)

① — حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: حضورؐ نے فرمایا: میں نے نیند میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں پی رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اُس کی سیرابی کے اثرات دیکھے۔
ثُمَّ اَعْطِیْتُ فَضْلَیْ عُمْرًا قَالُوا فَاَوْلَتْہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْعِلْمُ

ترجمہ میں نے اپنا بچا دودھ پینا کہہ کر دیا صحابہؓ نے پوچھا: حضورؐ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے۔ فرمایا: علم

② — حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے اُن پر مختلف پیمائشوں کی قسمیں تھیں۔

وَمَرَّ عَلَى عَمْرِ بْنِ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجْرُهُ قَالُوا مَا أَوَّلَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الدِّينُ
ترجمہ: اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرا اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی
جاتی تھی صحابہؓ نے پوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے آپؐ نے فرمایا — دین۔

③ — حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے نمین میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر
ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے اس ڈول سے کچھ پانی نکالتا رہا پھر اُسے ابوبکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یاد
ڈول نکالے پھر ڈول بھاری ہونے لگا۔

فَاخْذَهَا عَمْرِ بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمَّا رَاصِقًا مِنَ النَّاسِ يَتَزَعُ نَزَحَ ابْنُ الْخَطَّابِ
حَتَّى ضَرَبَ النَّاسَ بِعُطْنِ بَنِي

ترجمہ: پھر سے عمرؓ بن الخطابؓ نے لے لیا اور اب تک کوئی جوان اس طرح پانی نکالتے
نہیں دیکھا جس طرح خطابؓ کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے
ڈیر مل میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوسے تھے جو اللہ تعالیٰ حضورؐ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب
خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دنیا ان سے سیراب ہوگی چونکہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو خدا سے
ماہم کر لیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ خود حضورؐ کو مقاماتِ عمرؓ دکھا رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

رَأَيْتُ كَانِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةِ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ

بِمِهْمِيعَةٍ وَهِيَ الْحَبْخَبَةُ قَالَتْ لَهَا اِنْ دُبَا الْمَدِينَةَ نَقَلَ إِلَيْهَا۔

ترجمہ میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں مدینہ سے نکلی ہے اور مہیچہ ٹھہر گئی ہے اور وہ جگہ جگہ ہے میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ کی قبا و ہاں چلی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نیند میں تھا کہ مجھے پوری زمین کے خزانے دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے، وہ مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا۔ اسی وقت مجھے وحی آئی :-

افنخہما - فننختہما - فاولتہما الکذابین اللذین انا بینہما صاحب صنعاء وصاحب الیمامة۔

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں۔ سو میں نے انہیں پھونک دیا (وہ اڑ گئے) میں نے اُن سے دو کذاب (اسود غسانی اور سلیمہ کذاب) مراد سمجھے۔ میں اس سرزمین میں ہوں جو اُن دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔ دونوں طرف سے دو کذاب اٹھیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔

عملاً انہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں پھونکا۔ یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی سعادت تھی کہ ارادہ رسالت بلکہ ارادہ الہیہ ان کے دست حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے اُن کی خلافت کی صداقت آشکار ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب خود بھی وحی تھا۔ پھر اس خواب میں وحی آنا ایک اور مرتبہ وحی کا پتہ دیتا ہے اور یہ دونوں مراتب آپ کو نیند میں دکھائے جا رہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہتے ہوئے عالم بیداری ہو یا عالم خواب، بارہا زندگی اور آخروی جلدوں سے آشنا ہوئے اور آپ کے لیے عالم دنیا اور عالم بزدلی کے کچھ ایسے فاصلے نہ تھے

جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخ کو الف سے نا آشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جا کر آپ کے بعض دنیوی اعمال باقی رہیں۔ جن کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

عالم برزخ

قرآن کریم میں ہے :-

وَمَنْ وُودَّ أَتَمَّ مَبْرَئِخَ إِلَى يَوْمِ مَبْعُوثٍ (پ: المؤمنون ع ۶ آیت ۱۰۰)
ترجمہ: اور ان کے ورے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔
موت کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ دور قائم رہتا ہے۔ اس میں روح اور بدن یا روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس

ملہ یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثار حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح ہی علیتین یا سنجین سے لاکر داخل بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے مستقر میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذرات بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی ہوتی ہے۔ در قبر احیاء و اماتہ تحقیقی نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلق پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیه ہمراہ آں نمی باشد۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ نو کشور)۔ ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا ہے کہ آنے سے زیارت کرنے والوں کی اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو قرب اور بُعد مکانی سے اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۸۸ مطبع فاروقی دہلی) روح کا علاقہ بدن سے اندراج نظر و عنایت کے سجال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں سے فائدہ لینے والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے کو یا روح کا مقام ہی معین ہے۔ (تفسیر عزیزی پ ۸۹ تحت آیت ثم اماتہ فاقبرہ)

میں دنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آفت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی۔ یہاں کی زندگی کے لیے روح اور حیات میں ملازمہ نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقوم ہو جاتا ہے۔ قبر کی منزل اسی دور میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک جہت سے موطنِ دنیوی سے بھی متعلق ہے اور گنجائش ترقی رکھتا ہے۔

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے۔ ۱۔ عام اموات عالم برزخ میں روح و بدن کے تعلق سے راحتِ قبر یا عذابِ قبر کے مرحلے سے گزرتی ہیں۔ ۲۔ شہداء عالم برزخ میں حجابی حیات سے زندہ ہیں۔ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متحد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر برابر متوجہ رہتی ہیں اور ان کے ابدان میں آثارِ حیات برابر مشاہدہ کئے جاتے رہتے ہیں۔ ۳۔ انبیاء عالم برزخ میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔ گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہد نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک

لہ الحیاء فی اللغة شیء مغائر للروح لا عین بل ثمرة تعلقة و زعم بعض الناس انه نفس الحیوة و لیس كذلك ففی النص ص ذکر الحیوة و لیت روحاً و اطلاقاً الروح فی عقیدة السفار فی جلد ۲ ص ۱۹ محیة الاسلام ۱۱ ان ملازمة الحیوة للروح امر عادی لا عقلی فہذا ممایحوزہ العقل (شفا، السقام ص ۱۵۹) ۱۲ عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی مافوق الادراک حیثیت ہے بعض قبر اپنی برزخی حیثیت میں میلوں تک وسیع ہو سکتی ہیں، اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادہ سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں، اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں پس حقیقتِ قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں، یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے۔ اس کی برزخی وسعت و فسحت کو رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اس ظاہرِ قبر کو حقیقتِ قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مغایر چیز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۳ دیکھئے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ و فقرہ ۱۶ ص ۱۹ لکھنؤ

حی زندگی محسوس کرتے ہیں اور اس احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے اور ان کے زندوں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوا۔ اُن کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا اس کے اشرف و اشراق سے اس میں اہل السنۃ و الجماعۃ کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلامات اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے دنیوی تجربے کی قریب ترین تعبیر

عالم برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور باریک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالم برزخ کا پورا نقشہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے اور برزخی حالات کو پورا واضح کر کے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے، وہ لسانِ شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سوال و جواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں :-

فیقال نم صالحا قد علمنا ان كنت لموتنا به

ترجمہ۔ اسے کہا جائے گا آرام سے سو رہو۔ ہمیں علم ہے کہ تو ان پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی کی ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عالم خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہوتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اور پھر اس سیر کے آثار اس کے اس مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں، وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے۔ عالم برزخ میں میت وہیں کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام (عالم برزخ) میں اس پر وہ تمام واردات ہو رہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت ہیں۔ کوئی پیرایہ مجاز نہیں۔ محدثین لکھتے ہیں :-

تصنیق القبر واختلاف الاضلاع حقیقی لا اذنه مجاز بلہ
ترجمہ قبر کا ٹمنا (تنگ ہونا) اور پسلیوں کا آپس میں ٹکرانا یہ حقیقت ہے کوئی
مجاز نہیں۔

برزخی زندگی کی مثال نیند سے دی جاسکتی ہے۔ اصحاب کہف مدتوں نیند میں رہے اور
حضرت عزیر علیہ السلام برزخ میں سٹے اٹھئے، دونوں کی کیفیت یہی تھی۔ بعثنا یوماً وبعض یوم
برزخی زندگی میں نیند کی سی ایک کیفیت ہے اور اعمال برزخ کا عالم خواب کی طرح ایک وسیع سلسلہ
ہے۔ اس حال سے گزرنے والے اسے نیند ہی سمجھتے ہیں۔

قالوا یا ولینا من بعثنا من مرقدنا هذا ما وعد الرحمن وصدق

المرسلون۔ (پ: یسین: آیت ۵۲)

ترجمہ کہیں گے خرابی ہماری، کس نے اٹھا دیا ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے۔ یہ وہ
ہے جو وعدہ کیا تھا رحمن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تردید نہیں کی کہ یہ نیند نہیں تھی ایک دور برزخ تھا۔
اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی نیند اور موت کو جمع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اللہ یتوفی الافسحین موتھا والتی لو تمت فی منامھا۔ (پ: الزمر: آیت ۴۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور جن کی موت واقع
نہیں ہوئی ان کی نیند کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے توفی (جان کو پورا کر لینا) کے تحت موت اور نیند دونوں کو جمع کیا ہے۔
توفی میں روح نکلتی ہے جو موت والے کے لیے یہاں نہیں لڑتی اور نیند والے کے لٹ آتی ہے
امساک وارسال کا ظہور اسی عالم (دنیا) میں ہوتا ہے۔ نیند اور موت دونوں توفی میں جمع ہیں
سو نیند سے زیادہ کوئی حقیقت برزخ کے قریب نہیں ہو سکتی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ

روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:-

النوم اخو الموت۔ (نیند موت کی بہن ہے)۔

سوال یہ ہے کہ جب عالم برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پر اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من موقدنا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا۔ اور دوسری طرف ہے:-

النار یعرضون علیہا غدوًا و عشیًا۔ (پک: المؤمن: آیت ۲۴)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دُنویٰ اعمال کے مختلف پیرائے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرائے اختیار کر لیتے ہیں کہیں عذاب کے منظر دکھائے جا رہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر۔ برزخ کو ایک نیند کہہ کے سمجھا جا رہا ہے یا ہو سکتا ہے، یہ نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور ان کے اعمال بھی جاری ہیں جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر، جو نہ سمجھ میں آئے اُسے لا تشعرون کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وفيہ السداد وفيہ السلامة۔

حضورؐ سے پوچھا گیا۔ اینام اهل الجنة، کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپؐ نے فرمایا۔ لاینامون کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب و خیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:-

رؤیا الانبیاء وحی۔ (انبیاء کا خواب بھی وحی ہے)۔

یعنی وحی کی طرح محفوظ ہے، مجال ہے کہ اس میں کوئی دخل شیطانی ہو اور عملیہ حکم ہے سچے کو بھی ذبح کرتے دیکھیں تو وہ اُسے قربان کرنے لگیں گے لیکن ہر کسی کا خواب اس درجے کا نہیں، انسان کو احتلام دخل شیطانی سے ہوتا ہے اور نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا۔

جب نیند موت کی بہن ہے اور پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے نوعاً مختلف ہے تو اگر ان کی موت بھی دوسروں کی موت سے نوعاً مختلف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں اصل موضوع موت انبیاء نہیں، اس کی بحث حیات الانبیاء کے ضمن میں آئے گی یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عالم برزخ کے کوائف اور حالات بہت عجیب ہیں، ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں جو برزخ کو پوری طرح شیشے میں اتار سکیں جو شہر دیکھا نہیں ایک اجنبی مسافر اس کا کیا پتہ دے سکتا ہے۔

عالم آخرت

یہ وہی آخری مقام ہے، جسے قرآن کریم ”دارالقرار“ کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ کھڑنے کا گھر ہے جنت اور جہنم اسی دنیا کے دو مختلف نقشے ہیں یہی زندگی ”الحق“ ہے۔ (پا اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔ ان الدار الاخرة لہی الحيوان لو كانوا يعلمون۔ (پا، العنکبوت)

یہ چاروں ادوار بالترتیب چلتے ہیں اور صفات مختلف رکھتے ہیں جو مختلف جہات سے جمع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔

فلنذہ الانفس اربع دور کل دار اعظم من التي قبلها۔

ترجمہ۔ سو ان جانوں کے لیے یہ چار جہان ہیں ان میں سے ہر جہان پہلے سے بڑا ہے۔

جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۲۴ لکھنؤ پنجا ب کے بھڑے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو احتلام ہوتا تھا۔
(سیرت المہدی حصہ ص) لکھ کتاب الروح ص ۱۲۲

عالم ارواح سے یہ دنیا وسیع ہے اور اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ سائنس کے سارے کوششے اسی جہان میں کھلے ہیں۔ اس دنیا سے عالم برزخ کی وسعت زیادہ ہے۔ اس کے اسرار کی انتہا نہیں۔ ہر سوا اللہ رب العزت کی قدرت کے جلوے ہیں اور آخرت کی مدت لامتناہی ہے۔ ہر طرف خالدین فیہا کی صدا میں ہیں یہاں آکر گاڑی رک جاتی ہے اور موت ذبح کر دی جاتی ہے۔ آگے کسی اور جہان میں تبادلہ نہ ہو گا۔ یہ چاروں جہان اپنے اپنے وقت میں رہنے کی جگہیں ہیں۔ ہاں ہمیشہ رہنے کی جگہ صرف آخرت ہے۔

ان الذار الاخرة لہی الحيوان لو كانوا يعلمون۔ (پا العنکبوت آیت ۱۷)

یہ چاروں جہان آپس میں ایک لطیف ربط رکھتے ہیں۔ آخرت حیات برزخ کی جیسا کہ تمام ہے۔ عالم برزخ میں بھی روح و بدن کا ایک لطیف اور برزخی تعلق تھا جو عالم آخرت میں آکر کھل گیا اور بدن میں حیات اس طرح عود کر آئی جس طرح عالم دنیا میں تھی۔ سو جن آیات اور روایات میں اس دن روح و بدن کا ملنا یا ارواح کا ٹوٹنا ہے۔ اس سے مراد کامل درجے میں روح و بدن کا ملنا ہے۔ ان میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ پہلے روح و بدن میں کسی درجے کا کوئی علاقہ نہ تھا۔ اگر ہر جہان ایک نئی دنیا ہو تو پھر اگلے جہان میں پہلے جہان والے بچے کیوں جائیں۔

عالم برزخ میں ہر ایک کی پکڑ اپنی اپنی ہے اور عالم آخرت میں تمام افراد انسان مختلف انواع میں منقسم ہو کر اجتماعی پکڑ یا اجتماعی آرام و راحت پائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عالم برزخ کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دنیا والا جسد ہی تو پھر برزخ کیا جاتا ہے جس پر پھر وہاں کے حالات کے گزرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

واعلم انہ لیس عالم القبر الامن بقایا ہذا العالم وامنات ترشح منالک

العلوم من وراء حجاب وامنات ظہر احکام النفوس المختصہ بطرفہ

دون فرد بخلاف حوادث الحشریۃ فانما ظہر علیہا وحی فانیۃ

من احكامها الخاصة بفرد فرد باقية باحكام الصورة الانسانية^۱۔

ترجمہ۔ اور سمجھ لیجئے کہ عالم قبر اس عالم دنیا کا ہی ایک حصہ ہے جو باقی رہا اور اس میں پردہ غیب کے پیچھے سے علوم اترتے ہیں اور وہی احکام ظاہر ہوتے ہیں جو افراد سے مخصوص ہوں (ہر کسی کے اپنے اپنے) بخلاف حشر کے حالات کے۔ یہ وہاں ظاہر ہوں گے اور برزخ کے انفرادی حالات ختم ہو جائیں گے اور اب اجتماعی انسانی احکام چلیں گے۔

اس سے عالم برزخ اور آخرت میں فرق کھل کر سامنے آگیا۔ برزخ میں روح و بدن کا علاقہ مخفی ہے۔ ایک پردے کے پیچھے ہے اور آخرت میں ظاہر و باہر — برزخ میں احکام فؤاد اترتے ہیں، آخرت میں اجتماعی زندگی میں جو مختلف ادوار میں منقسم ہوگی — یہ بات اصولی ہے کہ عالم برزخ ایک پہلو سے اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ عالم آخرت کی زندگی کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، حیات برزخی کا ہی ایک پھیلاؤ ہوگی جس میں روح و بدن کھلے طور پر اور کامل طور پر یک جا ہوں گے۔ یہ سمجھ لینا کہ عالم برزخ میں روح کا بدن سے کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ تعلق توجہ بھی نہیں، سخت نادانی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ آگے جا کر لکھتے ہیں:-

فاعلم ان حشر الاجساد واعادة الادواح اليها ليست حياة مستأنفة انما
تممة النشأة المتقدمة بمنزلة التخمرة لكثرة الاكل كيف ولو
لا ذلك لكانوا غدا اولين ولما اخذوا بما فعلوا^۲۔

ترجمہ جان لو کہ حشر اجساد اور جسموں میں روحوں کا (کاملہ) نوٹنایہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے یہ پہلی گتہری زندگی کا ہی ایک تسمہ ہے جیسے بیج سے آگے فصل بنتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو بعد کے اجسام پہلوں کیلئے مختلف ہوتے اور ان پر اپنے اعمال کا کسی طرح مؤاخذہ نہ ہو سکتا۔

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ ان تینوں جہانوں میں انسان نفس
انسانی لکھتا ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموعہ کو ہی نفس انسانی کہتے
ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند
لکھتے ہیں :-

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا
ہے۔ اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ایک دنیا جو دارالعمل
ہے۔ ایک آخرت جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ ان تینوں
جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

① دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔ روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات
قبول کرتی ہے۔

② برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے۔ جسم اس کے تابع ہو کر اس
کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے۔ خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو، یا
بکھر جائے۔

③ اور آخرت میں روح و جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے
تأثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لیے اس کا ان دونوں
جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعم و جحیم کا
مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متالم ہوتا ہے اور مذاہات آخرت
کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی

معلومات سے بھی حسبِ حیثیت و مرتبہ مستفید ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے اعمالِ خیر یعنی دعاء
ایصالِ ثواب، افاضہ باطنی اس تک پہنچتے ہیں جتنی کہ وہ اوس کی زیارت سے بھی منتفع ہوتا
ہے۔ پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے تقوتِ دعاء اور ہمتِ باطن سے افاضہ انور و کیفیات
حتیٰ کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے جس کے لیے نصوص شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق کا تعلق بہ نسبتِ آخرت کے دنیا سے زیادہ
ہے، کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالم برزخ میں ہے ویسے
ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔ خواہ بہتیت بدن ہو
یا بہتیت ذرات لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی
مستقل قائم و مستقر نہیں ہے۔ جہاں کہ خود نفس قائم ہو یہ الگ بات ہے کہ وقتاً
فوقتاً اسے عالمِ آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرا دی جائے یا مشاہدہ
ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کھفتوں سے متلذذ اور متاثر بھی ہو
لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو
تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے حیلہ سے انسان کو وہاں
اقامت گزریں اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔ اس لیے اس کے تعلق کی نوعیت
بھی صرف ایک مشاہداتی یا جزوی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے بخلاف دنیا کے کہ
اس میں اس کا اُلجھ (بدن) مقیم ہے خواہ اپنی بہتیت پر یا بصورتِ ذرات۔
خواہ وہ کہیں منتشر ہوں۔

اہل برزخ کی دنیا سے اور اہل دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہل دنیا سے اور اہل دنیا برزخی افراد سے ملنے، نیاز کرنے اور ان کے احوال و مقامات جاننے کے خواہشمند ہوں یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ و اقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔ بالغاب و دیگر میں اپنے احوال و مقامات ان تک پہنچا دوں۔ جیسے بنص قرآنی شہداء حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر تمہارے دنیوی بھائیوں تک پہنچا دی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف رغبت ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے بنص حدیث نبویؐ مرنے کے بعد روضہ کے عالم برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ و اقارب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر انہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آ رہا ہے۔

بہر حال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال و مقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بنا پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے۔ ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

لَمْ يَسْتَبْشِرُوا بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ۔ (پ آملان آیت ۱۰، تفسیر عثمانی) ۱۲۴

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دو دُن جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرتوں میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تکمیل کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ والے دنیوی مقامات و احوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات و احوال سے خود بلا واسطہ بھی باخبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کرتے رہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل و طرق کیا ہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے نارسا ذہن کی رسائی ہوئی پانچ طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات و احوال کافی اجملہ علم ہو سکتا ہے۔

- ① ایک عینی مشاہدہ۔
- ② دوسرے مخبر صادق کی خبر
- ③ تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔
- ④ چوتھے انکشاف قلبی۔
- ⑤ پانچویں قیاس و استنباط

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے حجتوں کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات

سے ادا کر سکیں گے۔

پہلا استدلال شرعی۔ دوسرا کشف باطنی۔ تیسرا رویائے صادقہ۔ چوتھا عبرت و اعتقاد۔ پانچواں عیان و مشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا صلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا ہے اور پانچواں ہر کس و ناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر ظنی ہے، چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیۃً غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض موجدیت من الشہ ہے۔ ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

ان مختلف طرق میں اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیتی درجہ

پھر استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ و رسول اسے جنت یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ جیسے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضورؐ نے فرمایا۔ ہکذا نبعت بہم اسی طرح گلے میں بائیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقامات، برزخ پر روشنی پڑتی ہے۔

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے مدخوش و خرم نظر آ رہے تھے۔
 چہرہ انتہائی بشاش اور انگوں سے پُرمحسوس ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں شوق و خوشی
 سے لبریز آواز میں فرمایا۔ غدا نلتقی محمد و اصحابہ دکل کو انشاء اللہ ہم محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے ملیں گے، آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام
 ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس و تخمین
 سے ممکن نہ تھا بلکہ قوت یقین اور جوش ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر تعبدی ہے
 عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لیے یہ حدیث سرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے
 گا کہ اس برزخی مقام کی حضورؐ ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی جس پر انہیں اس وجہ
 کامل و ثوق اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین عالی تھا۔ اس لیے اس
 اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شخصیاتِ مقام کہیں گے اس میں ایک
 برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ و رسول کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام
 کو ظاہر فرمائیں جس میں افراد و اشخاص کا تذکرہ نہ ہو۔ بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو
 جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار
 کے پاس سے ذکر پلاتے ہیں اور بعض حدیث انہیں سبز پرندوں کے خول دیئے
 جائیں گے جن میں وہ اڑاڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں
 باغوں اور نہروں سے منتفع ہونے کی آزادی ہوگی۔ لیکن جنت اس وقت ان کا
 قرار نہ ہوگی بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوگی جو عرش
 میں آویزاں ہوگی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں

بیرا کریں گی۔

مزید اکرام و تہنیت کے لیے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو؟ وغیرہ۔ اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا، اس لیے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا اس کے لیے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرما دیا گیا کہ:-

مَحْشُرُونَ كَمَا تَمُوتُونَ وَتَمُوتُونَ كَمَا مَحْشُرُونَ۔

”ممتہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے۔“

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لیے (جو موت سے شروع ہو کر یوم محشر پر ختم ہوتا ہے)، دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے پس آخری مقام کے لیے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لیے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے متعارف انسان کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہچاننے

لے وہاں سے ان ارواح کا ان کے یہاں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ وہاں کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہچانا جاسکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو، یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الہی کی نوعیت معلوم کرو۔ پھر اس تقاربی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گواہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عند اللہ بھی اچھے ہو۔ پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا۔ خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں۔ چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ جنت واجب ہو گئی اور علت وجوب یہ فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا لہذا جنتی ہو گیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت بُرا آدمی تھا، خسر کم جہاں پاک۔ اسی طرح آخرت میں بھی بحق اقسام اس امت کی شہادت معتبر ہو گا اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوحؑ کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیات ہی ہے ایک

طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کافی اجملہ اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقاموں میں اجمال و تفصیل کا فرق بھی ہے مثلاً شخصی طور پر کسی کے لیے یا اس کے مقام کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہوں یا اسے درجہ اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی اطلاعات میں بھی اجمال و تفصیل کا فرق ہے کہ کس کے لیے ایک ایک عمل کو شخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کر اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہوگا۔

عالم برزخ کی تفصیل اس لیے گزارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ وسعتوں کا اندازہ کر سکیں تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ عالم برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔

اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الہی حکمت کے ہزاروں پردے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالم آخرت ہے جس میں ایک دوسرے کو جاننا پہچاننا اور ملنا ملنا اسی طرح واضح ہوگا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالم ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت نفس انسانی سے قائم ہیں صرف عالم ارواح ہے جس میں صرف روحوں کی زندگی ہے اور اسی لیے اسے عالم ارواح کہتے ہیں۔ باقی تینوں جہان روح و بدن کے مختلف النوع تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ ہاں مستقل طور پر دارالقرار صرف عالم آخرت ہے۔ ان الدار الاخرۃ لہی الحیوان لو كانوا یعلمون۔

اگر آپ دنیوی حیات کے نقطہ سے بدکتے ہیں تو لیجئے اس کی بھی تفصیل سن لیں۔ ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں اگلے جہان (عالم برزخ) میں زندہ مانتے ہیں۔ انتقال دارین ہو چکا ہے اور اب یہ حضرات اس عالم کے افراتو نہیں، اُس جہان کے رہنے والے ہیں۔ اگر کہیں ان نفوس قدسیہ کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالم برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقا ہے اور ان کی وفات سے ان کے اعمال کا ارتقا رکا نہیں۔

سوان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جاسکتا ہے لیکن حقیقت میں اس عالم کی زندگی نہیں۔ طرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذاب قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لیے روح و بدن کا بالکل دنیا کا ساقط ہونا ضروری نہیں جس طرح وہ زندگی پر دے میں ہے یہ تعلق بھی پردے میں ہے۔ اس برزخی زندگی میں موت و حیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوتی جو اسم موت کو کلیتہً اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی ہے کہ عام نگاہیں تو اسے نہ پاسکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جس سے قبر کے نعیم و الم کا ادراک ہو سکے قبر میں نعیم و الم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں سے ہے یہ حیات کی ایک جدید نوع ہے جو ظاہر پردے میں ہوتی ہے اسی لیے اسے حیات برزخی کہتے ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن عبد اللہ ہادی لکھتے ہیں:-
ان هذه الاعادة ليست مستلزما لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية

والحياة جنس تحتها انواع وكذلك الموت فاثبات بعض انواع الموت لا ينافي الحياة
ہاں شہداء اور انبیاء کے لیے اس حیات برزخی میں الم سے اسم موت اٹھ جاتا ہے ان کے لیے موت صرف اس درجہ میں تھی کہ وہ عالم دنیا سے نکلے اور عالم برزخ میں پہنچے اس کے بعد ان کے لیے موت نہیں نہ انہیں مڑہ کہونہ مردہ سمجھو

اسلام کا عقیدہ برزخ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى لعلنا

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر اسرار کا پردہ پڑا ہے یہ عالم برزخ ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں اس میں بھی انسان اپنے دنیا کے بُرے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بُرے حساب سے پہلے یہاں بھی اسے ایک چھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس چھوٹے عذاب میں پھر دو احتمال ہیں۔ دنیا کے مصائب و آفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالم برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براہ بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذاب قبر مراد لیتے ہیں جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذاب اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنیٰ بھی روح اور جسم دونوں سے ہے۔ بدن جس حال میں ہو دیکھا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا قذات منتشرہ کی صورت میں، اس عذاب ادنیٰ کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دنیا کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے ہر کوئی اس سے پڑھ سکتا ہے یہ ہر کسی کے لیے مُذَرک اور مُشاہِد ہے۔ آخرت کی زندگی بھی کھلی ہو گی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہل نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ پردہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عزلی میں برزخ کہتے ہیں یہ برزخی زندگی پردے میں ہی ہے۔ یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان از خود اسے سُن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لیے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ القریطی (۱۱۶ھ) لکھتے ہیں:-

فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرح بہ
الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و

اسماعہل من الجن والانس عن رؤیة عذاب القبر وفعیمہ الحکمۃ
الہیۃ ومن شک فی ذلک فہو ملحد بلہ

ترجمہ۔ اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے۔ اہل ادب
صحیحہ صراحت سے یہی بتا رہے ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کی آنکھوں
اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور راحت کو اپنی حکمت سے پردے میں
کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ ملحد ہے (گمراہ
ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے
برزخی زندگی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کا ادراک و احساس کھلے بندوں نہیں ہوتا لیکن اس کا
ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :-
ومن لا تشربہ کما انا نحب المغنی علیہ میتاً وکذلک یضیق علیہ
الجود کضمۃ القبر ولا ینکر مشاء من ذلک من خالط الایمان
قلہ بے

ترجمہ۔ اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں
اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پر لٹکا ہو)
اور یہ اس کے لیے ضمتہ القبر (قبر کا دباؤ) ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی لکھتے ہیں :-

روح کا تعلق باوجود علیین و سجنین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور
ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار
دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ

پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔

دُنیا اور آخرت کے درمیان یہ برزخی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پردے کے پیچھے ہیں۔ دنیوی زندگی، برزخی زندگی اور اُخروی زندگی، یہ تین دوائر حیات ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں۔ ہاں برزخ میں یہ رابطہ اور تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم نصوصِ شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب و سنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے تین دفعہ سلامتی کی دعا کی گئی ہے

① پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دنیوی زندگی کو شامل ہے)۔

② وفات کے دن (یہ سلامتی پوری برزخی زندگی کو شامل ہے)۔

③ جس دن آپ قبر سے زندہ اُٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اُخروی زندگی کو محیط ہوگی)۔

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے:-

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُحْيَاهُ

(پ ۱۱، سورہ مريم آیت ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لیے نہیں، پوری دنیوی زندگی کے لیے

ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی برزخی زندگی کے لیے مانگی گئی۔ وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں

تو یہ سلامتی کی دعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لیے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پردے میں ہے۔ ہاں

کھلی زندگی اسے آپ اس وقت اُٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اُٹھنا ہے۔ ان

تینوں زندگیوں میں روح و بدن دونوں کے لیے سلامتی کی طلب ہے۔

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمِ وِلَدَتِ وِیَوْمِ اَمُوتِ وِیَوْمِ اُبْعَثُ حَیًّا۔

(پ ۱۲، مریم آیت ۳۳)

ترجمہ سلامتی مجھ پر اس دن بھی ہوئی جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی ہو جب

میں مروں اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں تین مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایامِ ثلاثہ ہیں یا مراد مواطنِ ثلاثہ ہیں

یہاں صرف یومِ پیدائش، یومِ وفات اور یومِ بعث مراد نہیں، مراد مواطنِ ثلاثہ ہیں اور

انسان ان تینوں میں الشرب الغزت سے سلامتی کا طالب ہے محققین نے یہاں مواطنِ ثلاثہ

ہی مراد لیے ہیں۔

حافظ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر

پر لکھتے ہیں:-

فحص الله تعالى يحيى بالكرامة والسلامة في المواطن الثلاثة۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت

بخشی ہے۔

علامہ نسفی (۵۳۷ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطنِ ثلاثہ مراد ہیں:-

وذلك السلام الموجه الى يحيى في المواطن الثلاثة۔

یعنی اب ذرا آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں:-

علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) یوم ولادت سے پوری دنیا کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری
 دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار ہے۔ ویوم اموت سے پوری قبر کی مدت مراد ہے
 اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور یوم البعث حیات سے بھی آخرت کی پوری
 زندگی مراد ہے۔

ان موطن کی ابتداء یوم ولادت، وفات اور یوم البعث اس لیے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان
 بہت کمزور علیل اور نہایت مضطرب ہوتا ہے۔ پھر کچھ سنبھلتا جاتا ہے۔
 علامہ قرطبی لکھتے ہیں

وجاء في الموطن التي الانسان فيه في غاية الضعف والحاجة
 پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

يوم ولدت يعني في الدنيا ويوم اموت يعني في القبر ويوم البعث يعني
 في الآخرة۔

اور حاصل اس دعا کا لکھتے ہیں۔
 فسلم في احواله كلما

کہ وہ اپنے ان تینوں احوال کے کل عرصے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے
 امام فخر الدین رازی (۶۰۲ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایام ثلاثہ مراد نہیں لیتے۔ ان
 موطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یوم اموت سے کل برزخی زندگی مراد ہے نہ کہ ایک دن۔
 آپ لکھتے ہیں۔

اعظم احوال الانسان احتیاجاً الى السلامة هي هذه الاحوال الثلاثة... فجميع

الاحوال يحتاج فيها الى السلامة واجتماع السعادة من قبله تعالى طلبها

ليكون مصوناً عن الافات والمخافات في كل من الاحوال

ترجمہ۔ انسان کے سب سے زیادہ ماحتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں.....
 سو تمام احوال جن میں وہ غذا کی طرف سے سلامتی اور خوش قسمتی کا طالب
 ہو سکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافت
 سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ ریاضی پتی بھی یوم اموت کو صرف یوم وفات سے خاص نہیں کرتے
 اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں اور والسلام علی (محب پر سلامتی ہو) سے ایک
 نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی
 تھی۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت
 میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل ہے۔

(و السلام علی) جعلت اسمیۃ للذلالۃ علی الاستمرار

صاحب روح المعانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

فدخل الی الاسمیۃ لارادۃ الدوام والثبوت۔

تفسیر خازن میں بھی یوم وفات کی سلامتی سے مراد صرف یوم وفات کا امن نہیں سلام کی
 طلب عذاب قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے
 کہ وہ اس میں غذا کی طرف سے سلامتی اور عذاب قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض
 جماد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی
 بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں اپنی قبر میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جماد بے جان ہوتا تو اس دور کے لیے اللہ سے سلامتی
 کی طلب نہ ہوتی۔

قبر میں سلام سے مراد عذاب قبر سے سلامتی ہے یا سلام تحیۃ بھی مراد ہو سکتا ہے

علامہ طبری (۳۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عامہ اموات کے بہت مناسب ہے کہ اہوال قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس سلام سے مراد سلام تحیۃ ہے، ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلام تحیۃ کہتے ہیں۔ اذ احیتتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہما (پالتماع ۲) میں السلام علیکم کہنے کو سلام تحیۃ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام پر اس قبر کی زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلام تحیۃ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے موطن وفات (قبر کی زندگی) میں جس سلام کی طلب ہے وہ یہی سلام تحیۃ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قبور میں محض عباد یا پھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو گو دوسروں کو محسوس نہ ہو لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر سلام تحیۃ برابر آتا ہو اور امت کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (۵۷۰ھ) کہتے ہیں :-

والاظهر عندی انہما التحیۃ المتعارفہ فہی اشرف وانہ من
الامان لان الامان یتحصل بنفی العصیان عنہ وہی اقل درجاتہ
وانما الشرف فی ان سلم اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلام تحیۃ مراد ہے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف اور بزرگی میں زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے ہی اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی، پیر یا سلام تحیۃ) بھیجے۔

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری آخری زندگی خدا کا یہ شرف پاتے ہیں اور ان پر بے شک یہ سلام تحیۃ اترتا ہے۔ امتوں کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جہاد اور پتھر نہیں ہیں جیسا کہ پتھری سمجھتے ہیں یہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے نہیں کیسی اور درجے کا نام ہے جس پر یہ اکرام و شرف اترتا ہے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نہایت واضح جواب ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام و سلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

کیف تعرض صلوٰتنا علیک و قد اومت

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ بزخی زندگی ہے اور اس میں بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے ہیں۔ یہ زندگی چونکہ کھلی زندگی نہیں پڑے میں ہوتی ہے اس لیے اسے بزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ مگر بزخی چونکہ بعض علماء کے نزدیک موطن دنیوی میں سے ہے اس لیے اسے ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی کہتے ہیں۔

② قیامت سے پہلے آل فرعون کا عذاب

آل فرعون کی غرقابی ایک بُری طرح کا عذاب تھا اس سے وہ عالم برزخ میں داخل ہوئے اور یہ ان کا عذابِ قبر ہے۔ آخرت کا عذاب انہیں قیامت کے بعد ہوگا۔

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا
وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۖ ادْخُلُوا بِآلِ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۚ

(پ ۲۴: المؤمن آیت ۴۶)

ترجمہ۔ اور آلٹ پڑا فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب۔ وہ آگ ہے جس پر وہ پیش کئے جاتے ہیں صبح و شام۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعون والوں کو سخت و سخت عذاب میں۔

فرعونوں کی پہلی نافرمانی کی زندگی گزر چکی۔ اب جب عذاب نے انہیں گھیرا اور وہ ڈوبے تو یہ دوسری زندگی شروع ہو گئی۔ یہ سورۃ العذاب ان پر اُترا۔ اس میں صبح و شام وہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس بڑے عذاب میں ڈالو۔ یہ ان کی تیسری زندگی ہوگی۔ بڑے عذاب میں داخلہ قیامت کو ہے۔ اس آیت میں سورۃ العذاب اور اشد العذاب کی خبر علیحدہ علیحدہ دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷/۴۴۷) لکھتے ہیں:-

وهذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبر.

ترجمہ۔ اور یہ آیت اہل السنۃ کے استدلال کی بُری اساس ہے کہ قبروں میں عذابِ برزخ ضرور ہے۔

③ دُنوی پکڑ کے متصل عذابِ اخروی

قومِ نوح اپنی غرقابی سے اپنی بزخی زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ آگ میں داخل غرق ہونے کے متعابد ہوا۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کیئے جائیں گے یہ ان کا اشد العذاب میں داخل ہوگا۔

مما خطیتہم اغرقوا فادخلوا ناراً۔ (پ ۲۹: نوح آیت ۲۵)
ترجمہ۔ وہ اپنی غلطیوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔
بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت بزخی کی آگ میں پہنچ گئے۔

④ انسانی زندگی کے تین دور

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تلوةً اخری۔

(پ ۱۲: طہ آیت ۵۵)

ترجمہ۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

فیہا نعیدکم سے مراد قبر میں جانا ہے قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو یا جہاں جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضرور ہے۔ جلے ہوئے انسان کے ذرات منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں باریک باہمی ربط ہی اس کی قبر ہے جس پر احوالِ قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبورِ ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ قبریں جن میں ہم ظاہر اہلِ قبر دفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ ان میں میتوں کو اتار دیتے ہیں تو یہی سمجھو کہ یہی فیہا نعیدکم کا مصداق ہے۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے اب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ حبیب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی بلکہ قبر میں لوٹنے کے بعد وہاں بے جان پڑے رہنا ہے یا قہاں کے کچھ اپنے معاملات بھی ہیں جن کی مجاہد صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے؟ حضرت برابر بن عازبؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فتعاد روحہ فی حیاتہ فیاتیہ مملکان فیجلسانہ فیقولان لہ
من ہذا بک بک

ترجمہ پس اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس کو پوچھتے ہیں (تیرے عقیدے میں تیرا رب کون ہے؟ علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث امدادیش کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرمالیں:-

روی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
ترجمہ۔ امام احمد اور امام ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے۔

منع مظفر گڑھ کے مشہور محقق عالم حضرت علامہ عبدالعزیز فرہاروی لکھتے ہیں:-
ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح تقاد فی الجسد عند السؤال۔

۱۔ المصالح العقلیہ ص ۲۲۶ ۲۔ مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۸ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۸
۳۔ معقر تذکرہ القرطبی ص ۳۲ ۴۔ نبراس علی شرح العقائد ص ۳۲

ترجمہ: احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا میت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی شان ہے۔ روح تو کہ وٹیں نہیں لیتی، سو یہ قبر میں ہونوالے سارے معاملات صرف روح سے نہیں بدن اور روح کے تعلق سے ہیں، مردہ ایک برزخی حیات پا چکا ہے گو ہمارے لیے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مددک اور مشاہدہ نہ ہو۔

حافظ ابن منذہ نے کتاب الروح والنفس میں حدیث بار نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے:-

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃً اخری۔

(پ ۱۶، طہ: آیت ۵۵)

حضور کے اس استشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

فیہا نعیدکم کہ قبر میں محض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا۔ یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لیے مٹھنا ہے۔

⑤ سوالات اخروی میں ثابت قدمی کی بشارت

یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرہ ویصل

اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشاء۔ (پ ۱۳، ابراہیم: آیت ۲۷)

ترجمہ۔ اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو، قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور سچلا (دراہ بھلا) دیتا ہے بے اضافوں کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دُنیا اور آخرت کے درمیان بزرخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دُنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا گو اس دُنیا سے نکل چکا، لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے۔ اور اس بزرخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں بھڑائی جابیں۔ پہلی قبر کی زندگی یہاں عذاب قبر ہوگا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اُٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں راحت حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے۔ حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے۔

ان القبر اول منازل الاخرة۔

ترجمہ۔ بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

سلف سے دونوں قسم کے اقوال رکہ بزرخ کو ادھر شمار کر دیا ادھر منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دُنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دُنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہو، شُرکاء دینے والا ہو ہر موقع پر یہ ہی کلمہ توحید اُن کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں بزرخ ہے۔ حضرت براء بن عازب

رحمہ اللہ کہ عاکم جلد ۲۱ و احوال البرزخ اشبه باحوال الآخرة فتح الباری ۳/۱۷۹ ۲۲۵

فرماتے ہیں ان رسول اللہ قال المسلم اذا سئل في القبر يشهد ان لا اله الا الله... الخ
 تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اس مضمون کی
 حدیثیں منقول ہیں..... ان سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آیت مذکورہ میں
 آخرت سے مراد قبرلی ہے اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق
 قرار دیا ہے

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے
 سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا
 عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور
 ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتی اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش
 نہیں تو پھر معتقوں نے عذاب قبر کے منکر پر کفر کا فتوے کیوں نہیں دیا؟ — جواب یہ
 ہے کہ علمائے محققین کا فتوے یہی ہے، محقق ابوشکر السالمی کتاب التمہید میں لکھتے ہیں:-

فلما عذاب القبر للمؤمنين من الجزاءات وللكافرين من الواجبات
 والله تعالى يقول النار يعرضون عليها غدوا وعشيا يعني فرعون و
 قومه دل انہ کلان صحیحاً فی اک موضع وعلی ای حال و من
 انکر هذا یصیر کافراً

ترجمہ پس جب مؤمنین کے لیے عذاب قبر جائز ہے اور کافروں کے لیے واجب ہے اور اللہ تعالیٰ
 نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں تو اس سے
 معلوم ہوا کہ عذاب قبر بحق ہے کہاں ہو اور کس حال میں ہو اور جو اسکا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے

عاقلاً ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ ص) جو بقول علامہ شامیؒ ”مجتہد کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے۔ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز الصلاة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام
الكاثرين لانه كافر لتوارد هذه الامور عن الشارع صلى الله عليه وسلم.
ترجمہ: جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا
منکر ہو یا کرام کا تبین کا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ عام سے منقول ہیں۔

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تو اتر کا حکم رکھتی ہے۔
عذاب القبور کان ثابتاً بالاحادیث المشہورۃ التي يبلغ الحد المشترك
منها مبلغ التواتر وكان السلف الصالح متفقين على ذلك قبل ظهور
المخالفين۔

ترجمہ: عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تو اتر کو
پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے
آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال و جواب کے لیے میت کو بٹانا ہم نے کبھی
نہیں دیکھا نہایت بے تکنی بات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اس جہان کی واردات کو
دیکھنا اور انہیں اس جہان کے اسباب میں تولنا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔
مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:-

فتح القدیر جلد ۴ مصرعہ تنقیح اللمعات جلد ۱ ص ۱۸۹

وہ عامیانه شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کا سناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ جب خالق کائنات نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب و ثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان و اعتقاد رکھنا لازم ہے بلکہ

آخرت کے تمام حالات و واقعات جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہوئے ان پر بغیر تحجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے۔ حشر اجماع کی بجائے حشر و معانی اور عذاب و ثواب حسمانی و روحانی میں اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود و باطل اور گمراہی ہے۔
پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم بزرخ اور اس کی کیفیات کا انکار کرے تو ويعضد اللہ الظالمین کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا ورنہ حق تو ظاہر ہے۔ — اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرتے ہی اس عذاب کا سامنا

ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الہون ہوگا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اسی میں آگبرے۔

⑥ مرنے کے نہاتھ ہی عذاب الہون کا سامنا

ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملئكة باسطوا ايديهم
اخرجوا انفسكم اليوم عذاب الہون بما كنتم تقولون على الله
غير الحق وكنتم من اياته تستكبرون ۝ ولقد جئتمونا فرادی
كما خلقناكم اول مرة۔ (پ الانعام ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھ پائیں (یہ کس حال میں ہیں) جب یہ ظالم موت کی سختیوں
میں (جکڑے) ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ نکالو
اپنی جانیں۔ مہم ہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی بدلے میں جو تم خدا تعالیٰ
پر جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور مہم ہمارا اس کی آیات کو جھٹلانا ازراہ تکبر تھا اور
اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کر کے جیسا کہ ہم نے مہمیں پہلی بار (ایک
ایک کر کے) پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کر کے خدا کے پاس حاضری برزخ کی حاضری ہے۔ آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی۔
حشر کے ساتھ ہوگی۔ وہاں اگلے پھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔ یہ ایک ایک کی حاضری اس سے پہلے
کی حاضری ہے۔ اس یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گمیرے میں لے لے
کا۔ یہ عذاب برزخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

آج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات برزخ کے انکار کے لیے بے محل
آئیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تقولون علی الله غیر الحق کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا
ان کی یہ ضد ازراہ تکبر نہیں ہے۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

ایک پیر طریقت کو ہم نے اس بزخی منزل کے انکار پر یہ آیت پڑھتے خود سنا۔
 ثم انشأ الله خلقاً آخر فبارك الله احسن الخالقين ۝ ثم انكم بعد
 ذلك لميتون ۝ ثم انكم يوم القيمة تبعثون ۝

(پ ۱۸: المؤمنون ع ۱)

ترجمہ: پھر ہم نے اُسے اٹھا کھڑا کیا ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت
 اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر تم اس کے بعد مرو گے
 پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔
 اس پر وہ پیر طریقت تھوم تھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے
 کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔ قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی
 کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آگئی۔ كنتم تقولون على الله غير الحق۔ تم اللہ رب
 العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں — قرآن کریم میں جب مرتے
 ہی عذاب الہوں کی ایک زندگی کی خبر ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی
 کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ زندگی چھپی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے۔ ثم انكم يوم القيمة تبعثون میں
 اس کھلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اٹھائے جاؤ گے اور مہتہرا حشر ہو گا۔ ظاہر
 ہے کہ ایسی کھلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔ اس میں قبر کی بزخی حیات کا انکار
 ہرگز نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ وہ پیر طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لیے
 ہی بار بار پڑھ رہے تھے جس میں کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہو رہا تھا
 مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔

وہل افسد الدھن الا الملوك

واحبار سوء و رہبانہما

④ مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

ولو ترے اذیتو فی الذین کفرو والملئکة یضربون وجوههم
وادبارهم وذوقوا عذاب الحریق ۝ ذلک بما قدمت ایدیکم
ان الله لیس بظلام للعبید ۝ (پٹ الانفال ع ۷)

ترجمہ۔ اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو
مارتے ہیں اُن کے منہ پر (تھپڑ)، اور ان کی پیٹھ پر (کوڑے) اور کہتے
ہیں عجب عذاب آگ کا۔ یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے
اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :-
یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھنا.....
الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ واقعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے
تعلق یہ ہو گا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بنی۔ برزخ میں یہ ہو گا اور آخرت
کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

کیا یہاں کھلے طور پر ان تین زندگیوں کا اقرار نہیں۔

۱۔ دنیا ۲۔ برزخ ۳۔ آخرت

یہ آیت بتلاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہو
گئی اور عذاب اُترنے لگا قبر میں جانے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔

یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں؟ بدن کے مختلف حصوں پر۔ سو یہ روحانی عذاب

کیسے ہوا؟ قرآن کریم تو کہے بضر بومن وجوہہم وادبارہم اور ہم کہیں یہ صرف روحانی عذاب ہے جسمانی نہیں۔ کیا قرآن کریم کی بات تھبتائی جاسکتی ہے؟ نہیں۔۔۔۔۔
ومن اصدق من الله قیلاً

برزخ کا جسمانی عذاب برحق ہے۔ گو یہاں کے رہنے والے اسے دیکھ نہ سکیں یا سن نہ سکیں۔ یہ واقعات ہمیں نظر نہیں آتے۔ مگر چونکہ قرآن میں ان کا بیان ہے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ برزخی معاملات یہاں مشاہدہ میں نہ آئیں تو ان پر تعجب نہ کرنا چاہیئے انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کا لطف لیں اور یہی اثر سے ڈرنے والوں کی شان ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

(پ: آیت اول)

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو جو ایمان لاتے ہیں بن دیکھے۔

⑧ قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

حتّٰی اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ • لَعَلّٰی اَعْمَلُ صَالِحًا

فِیْمَا تَرَكْتُ کَلَّا • اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهَا عَذَابٌ اَلَمٌ

یَوْمَ یَبْعَثُوْنَ • (پ: ۱۸: المؤمنون۔ آیت ۱۰۰ ع ۶)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی پر موت تو کہے گا اے رب! مجھے واپس بھیج دو۔ شاید میں کچھ بھلے کام کر لوں جو میں چھوڑ آیا تھا۔ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہ ہوگا) یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے چچے برزخ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:-

عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذابِ آخرت کا ٹھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مراقبت تک بڑا چکھتا رہے گا۔

دنیا۔ برزخ۔ آخرت۔ یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات احساسات اور لوازمات میں فرق ہو سکتا ہے بعض امور میں اشتراک و اتحاد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس یقین سے چارہ نہیں کہ افراد قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی پاتا ہے۔ کمائشیر الیہ قولہ تعالیٰ حاکمًا عن لسان عبید بن مریم والسلام علیٰ یوم ولدت و یوم اموت و یوم البعث حیا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں :-

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں۔ دنیا۔ برزخ اور دارِ قرار۔ اور ہر مقام کے لیے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کو تابع کیا۔ اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا۔

۲۔ اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالمِ قبر یعنی برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری

۱۔ تفسیر عثمانی ص ۲۵۲

۲۔ جسموں کو روح سے لا تعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا۔ یہ ہے مولانا تھانویؒ کا عقیدہ۔

ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی
سراست کرے گا۔

۳۔ روح کا تعلق بدن سے گرام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر
یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور تبدائی نہیں ہوتی بلکہ
۴۔ پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے اس چشم سے لینا
چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تو وہ خاک سے ارواح
کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اهل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے
جو آدمی ان قوے سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات
کو دیکھ سکتا ہے۔

۵۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا
ہے اور ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کو ایک مقام ملتا ہے
وہاں استقرار ہو یا سیر اور یہ ایک ایسی مستم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں
بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مستمسک ہے بجز اس
گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدن مدفون سے بے تعلق نہیں۔ انہیں قبر پر آنے
والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت
میں مانع نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالغزینہ مدنیؒ لکھتے ہیں:-

ان ارواح کو ایک ملاقات اپنی قبر سے ہوتا ہے۔۔۔۔۔ روح کو قرب و بعد مکانی
اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا۔

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیات النسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہوگی۔

یہاں فرض یہ بتلانا ہے کہ حیاتِ انسانی صرف عالمِ ارواح میں بدنِ متعلق نہیں، دنیا، برزخ اور آخرت تینوں جہانوں میں یہ بدن متعلق ہے، ارشادِ قرآنی والسلام علیہ یوم ولد یوم یموت و یوم یبعث حیّا آپ کے سامنے ہے۔ ولادت، موت اور حشر کے دن اٹھنا کس سے ہے۔ بدن سے۔ ولادت بھی بدن سے۔ موت بھی بدن پر اور پھر جی اٹھنا بھی بدن سے ہوگا۔ سو ولادت، موت اور بعثت کے بعد کی زندگیاں اسی بدن سے ہیں اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انسان جس بدن کی عبادت یا معصیت کی ہے، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کی راحت اور کلفت اسی بدن کے تعلق سے ہو۔ یہ عجیب بات ہے کہ کسی جہان میں بدن کے احکام غالب ہوں اور کسی میں روح کے اور کسی میں روح اور بدن کی کیفیت ایک سی ہو جائے۔

عذابِ برزخ اور عذابِ آخرت

یہاں ہم عالمِ برزخ پر بحث کر رہے ہیں قرآن کریم کی آٹھ آیات ہم نے عالمِ برزخ ثابت کہا ہے۔ یہ ایک جہان ہے جو عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے مابین قائم ہے اور اس کے اپنے حالات اور احکام اس میں اور عالمِ آخرت میں قدر مشترک وہ نعم و عذاب جو انسان کو اپنے اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے نتیجہ میں ملے گا۔ یہ پہلا عذاب، عذابِ اولیٰ ہے، تو دوسرا عذاب، اکبر یہ قیامت تک کے لیے ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

آخرت کے نعم و عذاب کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بدن پر ہوگا جو دنیا میں تھا اور جس کے تعلق سے انسان گناہ گزارا۔ ہر گناہ کا قصہ بھی یہی ہے کہ جزا و سزا اسی بدن کو ہو جس سے انسان نے کئی نیکی یا گناہ کیا۔ آخرت کے فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نئے بدن نہ بنائیں گے، اپنی ریزہ ریزہ ہوتے ابدان کو پھر سے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

عذابِ برزخ اور نعمِ برزخ بھی جب اپنی دنیا میں کئے گئے اعمال کی ایک چھوٹے درجے کی جزا و سزا ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس بدن سے متعلق ہو جس سے انسان نے کئی نیکی یا کوئی گناہ کیا تھا جس اصول کی بنا پر آخرت میں یہ عذری بدن ہر دلف و لطیف ہوگا۔ اسی اصول پر عالمِ برزخ میں عذابِ قبر اس بدن کے متعلق چاہے جس انسان کے گناہ کئے ہیں۔

قرآن کریم سے عالمِ برزخ کا نشان اور عذابِ قبر کا پر ہم آپ کو پہلے دے آئے ہیں۔ آئیے آپ کے احادیث سے بھی اس جہان اور اس کے کچھ حالات کی خبر دیں۔

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری سند علمی ارشادات نبوت ہیں پیشتر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیات برزخ کی خبر دی گئی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلک محدثین کی وضاحت کر دی جائے۔ تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکام مسیت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً و خلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے۔

امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں۔ ائمہ صحاح ستہ میں فقہی وقت نظر کی بناء پر آپ کا خاص مقام ہے۔ آپ کی مرویات مجتہد کا ایک جامع ذخیرہ علم ہیں۔ آپ نے معتزلہ کرامیہ جبریہ قدریہ اور شیعہ و خوارج کے بالمقابل عقائد اہل سنت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے۔ آپ اس میں یہ باب لائے ہیں :-

فی المسئلة فی القبر و عذاب القبر۔

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے (کہ اعمال تو لے جائیں گے) پھر دجال کے ظہور کا باب ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے باہم اختلافی مسائل تھے۔ معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذاب قبر کے امام ابو داؤد نے عذاب قبر کو کتاب السنۃ میں لاکر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے۔ اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنت میں سے نہیں۔

امام مسلم (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صفة المنافقین و احکامہم اور کتاب الحجۃ و صفة نعیمہا کے تحت اثبات عذاب القبر کو لائے ہیں۔ باب باندھنے والے نے گویاں دو بڑے باب

باندھے ہیں لیکن آخری باب الامر بحسن الظن بالله تعالیٰ عند الموت اور باب
 لن يدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری
 بحث ایک ہے اور کتاب صفة المنافقین کے تحت ہے اور وہی عالم برزخ میں میت کو
 (جنت یا دوزخ کے) ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں صحیح مسلم کا باب
 عرض مقعد الميت من الجنة والنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منه بتارہے
 کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں جگہ دی ہے۔ اسے محض ایک انکشاف
 یا نقل واقعہ کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اثبات عذاب القبر سے معتزلہ پر محبت تمام کی ہے۔ اس کے
 بعد صحیح مسلم میں کتاب القبر ہے۔

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے جہاں اور قتلوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے
 باب باندھے ہیں ان میں آپ باب التعوذ من عذاب القبر لائے ہیں۔ آپ نے اسی
 میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام قتلوں سے پناہ مانگی ہے
 امام نسائی (۴۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے
 الاستعاذہ من عذاب القبر کا باب ہے پھر باب الاستعاذہ من عذاب جہنم۔ یہ
 ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے یہی عذاب برزخ ہے،
 اور یہی عذاب قبر۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہؓ سے مروی بتاتے ہیں۔ یہ نوہی
 لو مرفوع ہیں اور حضورؐ سے مروی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

وفي الباب عن علي وزيد بن ثابت وابن عباس والبراء بن عازب
 وابي ايوب والنس وجابر وعائشة وابي سعيد كلهم روى عن
 النبي صلى الله عليه وسلم في عذاب القبر۔

ان حضرات کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صراح ستہ ایک طرف رہیں، مشکوٰۃ تو ہر عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں خطیب تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت حاصل رہی ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں۔

① — الکبائر وعلامات بالنفاق

② — الوسوسہ

③ — الایمان بالقدر

④ — اثبات عذاب القبر

⑤ — الاعتصام بالکتاب والسنة

آپ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لاکر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے، عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے محدثین کی یہ تبنیہ معتزلہ کے بدعی عقائد سے بچنے کے لیے ہے۔

محدثین کا مسک کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے جو بات بارہ صحابہؓ سے مروی ہو اس کے تو اتریں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی خبر واحد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دس بزرگوں کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثین کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب آئیے حدیث کی روشنی

میں عالم برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جاننے کی کوشش کریں کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب و عذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟ — اس کے بعد ان شمار الثمر اس پر بحث ہوگی کہ امت نے کچھ چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

① — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :-

مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انہما لیعدان وما یعدان
فی کبیر اما احدهما فکان لا یستتر من البول واما الآخر فکان
یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا نصفین فغرز فی کل
قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم فعلت هذا قال لعلہ یمحف عنہما
مالم یسیا بہ

ترجمہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا رسیا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور اس کے دو حصوں میں کاٹا اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیئے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: شاید جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں ان سے عذاب ہلکا رہے۔
اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں :-

① — یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں۔ حدیث کی اول درجے کی کتابوں میں ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب

ہوتے پایا۔ جنہیں ظاہری قبریں کہا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں

سے بالکل لاتعلیق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔

③ — پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی اپنی قبروں پر رکھیں جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ شاخیں مقامِ نجین پر رکھ رہے تھے؟ — یہ اسی نشانِ قبر کی بات ہے۔

④ — یہ عذاب جو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذابِ آخرت کہتے ہیں یہ عالمِ برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذابِ قبر کہتے ہیں۔ یہ عذابِ اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

⑤ — حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:۔

بينما النبي صلى الله عليه وسلم في حائط لبني النجار على بئلة له ونحن معه اذ حادت به فكادت تلقته واذا اقدسنة او خمسة او اربعة ... فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر فقال رجل انا قال متى مات هؤلاء قال ماتوا في الاشراك فقال ان هذه الامة تبلى في قبورها فلولا ان لا تدافنوا موتاكم لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذي اسمع منه.

ترجمہ: حضورؐ ایک نجر پر سوار ہوئے بنو نجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے کہ نجر یکا یک بدکا۔ قریب تھا کہ وہ حضورؐ کو اتار ڈالتا۔ وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں۔ آپؐ نے پوچھا۔ کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا۔ یہ کب کے لوگ ہیں؟ اس نے کہا، دورِ شرک کے۔ آپؐ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں ابتلاہ میں گھرے ہیں۔ یہ ڈرنے ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو

میں خدائے دعا کرتا کہ وہ یہ عذابِ قبر تمہیں بھی سُنادے جو میں سُن رہا ہوں۔

اس حدیث میں بھی یہ امور پیش نظر ہیں :-

① — یہ حدیث کس پائے کی کتاب میں ہے۔ صحیح مسلم اول درجے کی دو کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اس عذابِ قبر کی آوازیں سنیں جہاں یہ ظاہری قبریں تھیں۔ سو ان گڑھوں کو عالمِ برزخ سے بے تعلق نہیں کیا جاسکتا۔ یہی قبر مومن کے لیے دور تک وسیع کر دی جاتی ہے گو ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں۔ لیکن اس عدم ادراک سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ یہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں۔ ہرگز درست نہیں۔ ہاں یوں کہیے اس کا دوسرا کنارہ عالمِ غیب میں ہے کیونکہ ہم اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں — اس کے بغیر ان اہم حدیث صحیحہ و مرسیحہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ العزیز۔

③ — اللہ کے سُنانے سے ان آوازوں کا صحابہؓ کو بھی سُنایا جانا ممکن تھا۔ حضورؐ دعا کرتے تو ہو سکتا ہے صحابہؓ بھی انہیں سُن پاتے۔ حضورؐ کا انہیں سُننا بھی اللہ کے ہی سُنانے سے تھا۔ منوں مٹی کے نیچے سے آوازیں سُننی جائیں یہ اسماعِ الہی سے ہے۔ بندہ اسباب سے اتنے دُور سے نہیں سُن پاتا۔

④ — حضورؐ اس دُنیا سے مٹی کے اتنے گہرے فاصلے سے برزخ کی آوازیں باسماعِ الہی سُن سکتے ہیں۔ تو جب حضورؐ خود عالمِ برزخ (اپنی قبر شریف) میں ہوں تو یہاں کی سلام معروض کو باسماعِ الہی کیوں نہیں سن سکتے۔ اس میں کوئی عاقل یا شرعی استبعاد ہے جو اس کا انکار کیا جائے۔

⑤ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے جہان کی آوازیں تو سُن لیں لیکن یہ لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے؟ یہ اس لیے کہ پہلی بات کشف اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری علم سے — غیب کی بات جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائیں از خود اسے

جان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں۔ نہ غیب جاننے کی چابی اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے۔
 (۶) — اس خچر کا اس عذاب قبر کو سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سننا یہ کسی حکمت الہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لیے کہ خچر کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے سو اس قسم کے جاہلی استدالات کہ شیطان کو مشرق و مغرب میں جو وسعت پر واز حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں۔ یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں۔ نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۳) — حضرت بلال بن عازبؓ فرماتے ہیں :-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اذا سئل في القبر
 يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذلك قوله يثبت
 الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة .
 ترجمہ۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا
 ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ سو یہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ
 اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ دنیا میں اور
 آخرت میں (یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)۔

(۴) — حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا وضع في قبره
 وتولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اقامه ملكان فيقعدانه
 فيقولان واما المنافق والكافر فيقال له لا دريت ولا
 تليت ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها

من يليه غير الثقلين. متفق عليه.

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں۔ اور وہ چیختا ہے ایسی چیخ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر نظر رہے۔

① — یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھی رخصت ہوتے ہیں اور ان کے جانے کی آواز سنتا ہے۔

② — فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے پکارا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے سچین میں اس کے پاس آئے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔

③ — وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں۔ نہ یہاں کے جو اس سے اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آرہا ہے۔ گو یہاں سے جہان کھنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔

④ — کافر اور منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں۔ یسوعہا من یلیہ — سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسپایاں اس میں پس جائیں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

⑤ — حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

قال قال رسول الله ان احدكم اذا مات عرهن عليه مقعداه بالغداة والعشي ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله اليه يوم القيمة.

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی مر جائے تو اسے (عالم برزخ میں) اس کا ٹھکانہ (جہاں اس نے جانا ہے) صبح و شام دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر وہ جہنم والوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانہ جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے جائے۔

قیامت تک کا یہ منظر عالم برزخ کا منظر ہے۔ اس میں بدن مدفون صبح و شام اپنا آخرت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے۔ اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی آنکھیں اسے عیلتین اور سنجین سے دیکھ رہی ہیں۔ پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جاتے ہیں صرف روح ہی سے جلتے گی۔ کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جا رہا ہے۔ هذا مقعدك فافهم۔

⑥ — حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقبرا الميت اتاه ملكان اسودان اندقان يقال لاحدهما المنكر والاخر النكير فيقولان..... وان كان منافقا..... فيقال للارض التي عليه فتلتثم عليه فتختلف اصلاعه فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك رواه الترمذی.

ترجمہ: آنحضرتؐ نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ ننگ نیلی آنکھوں والے فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں اگر وہ منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر تو سمٹ آ۔ وہ اس پر سمٹ آتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ اسے اسی طرح عذاب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی قبر سے اٹھا دے۔

② — حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی:-

استعیزوا باللہ من خمس: ۱۔ من عذاب جہنم۔ ۲۔ وعذاب القبر۔ ۳۔

وفتنۃ المعیا۔ ۴۔ والمعات۔ ۵۔ وقتنۃ المسیح الدجالؑ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں سے پناہ مانگو۔ ۱۔ عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا)۔ ۲۔ عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا)۔ ۳۔ زندگی کے فتنہ سے۔ ۴۔ موت کے فتنہ سے (یہ کہ خاتمہ خیر پر ہو) اور۔ ۵۔ مسیح دجال کے فتنہ سے۔

③ — آپؐ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپؐ نے کہا:-

ان المیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ۔ الحدیث

ترجمہ: میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اس طرح کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال میں رہا۔ وہ کہتا ہے فی الاسلام۔ پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا ہے کہ آپؐ ہمارے پاس روشن معجزات کے ساتھ آئے اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی دے پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔

④ — حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا ادخل الميت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس معه
عينه ويقول دعوني اصلي رواه ابن ماجه

ترجمہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر
لایا جاتا ہے وہ اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔
کاش! کہ یہ کرم فرما قبر میں نماز پڑھنے کو مذاق بتانے کی بجائے اس فرمودہ رسالت پر غور کرتے۔
⑧ — حضرت جابرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے جب حضرت سعد بن معاذؓ کی نماز جنازہ
پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کر دی گئی۔ حضورؐ دیر تک تسبیح پڑھتے
رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر کہی ہم نے بھی آپ کے
ساتھ تکبیر کہی — پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح و تکبیر کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔
لقد تضایق علی هذا العبد الصالح قبره حتی قرّجه الله عنده
ترجمہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے
اس سے کشائش سختی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے اور
یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس سختی کو
معاف فرما دیتے ہیں۔

حضورؐ کہاں کھڑے رہے؟ اسی گڑھے کے پاس جس کو عرف عام میں گڑھا کہتے
ہیں یا یہ سب معاملہ مقام علیین میں ہو رہا تھا۔ جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں۔
⑨ — حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں۔

قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيباً فذكر فتنه القبر التي
يفتن فيها المرء فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجة رواه البخاري

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پر کھڑے ہوئے اور اپنے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا کیا جائے گا۔ آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اسکی گھبراہٹ سے) چیخ اٹھے۔ کیا حضور اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا یہ اسی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے۔ سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں کیا فرمایا تھا اس نے بتایا کہ آپ نے کہا :-

قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال۔
ترجمہ: مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب قریب ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب التعمد من عذاب القبر باب باندھا ہے۔ مہ خالد کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے اس نے حضورؐ سے روایت کیا ہو۔
لہذا سمع احداً سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرہا۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے (عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

⑩ — ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بوڑھی یہودی عورتیں آئیں اور مجھے بتایا: اهل القبور یعذبون فی قبورہم کہ فوت شدگان کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہودی کی تصدیق کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے حضورؐ سے سارا واقعہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں نے سچ کہا ہے :-

انہر یعدون عذابا سمعہ البہائم کلبا۔

ترجمہ۔ وہ ایسا عذاب پاس ہے میں جسے سب چوپائے سُن رہے ہیں۔ صرف انسانوں اور جنوں سے وہ عذاب پردے میں رکھا گیا ہے۔

ام المؤمنین کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں اس دُعا کو نہیں چھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعدو ذبک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

بہائم (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر۔ کیا یہ سچین میں عذاب سُننے جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں اُن تک پہنچتی ہیں؟

نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی ابدان کی بات چلا رکھی ہے

لہذا اس ظاہری قبر کو وہ قبر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) اہل چوپائے

ان عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سُننے۔ ان کے مثالی ابدان مقام سچین پر لے جاتے

ہیں۔ وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آہ و بکا سُننے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی

قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔

نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سُننے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معذبین کی آوازیں کہاں سے سُن

تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام سچین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی روحانیت بہت اونچی ہے۔ آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام سچین کی آوازیں سُن رہے

تھے آوازیں وہاں سے آرہی تھیں مگر آپ کو اس طرح محسوس ہوتا تھا گویا انہی قبروں سے

سُن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں

کی طرف اشارہ کر کے نہ پوچھا تھا ”یہ کن کی قبریں ہیں“ ہم کیسے مان لیں کہ ان گڑھوں کا قبر سے

کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روشن شہادتوں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں۔ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قدرت باری کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ آئیے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ مذاہبِ قبر برحق ہے۔ قبر ظاہر میں تو ایک گڑھا ہے۔ مگر اس میں وہ لا تعداد ہنگامے سو رہے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سُن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

تذہبیل القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آئیے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لے چلیں۔

پہلی صدی کے اختتام پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ ھ) جو حدیث احوال بزرخ کے نامی بھی ہیں کی دیانت بھی کی تھی۔ آپ کے درس و تدریس کا دور دوسری صدی کا نصف اول ہے۔ آپ نے کوفہ و بعصرہ کے جبر و قدر کے معرکے اور اعتزال وارجاء کے فتنوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ آپ نے عقائدِ سنت کے تحفظ کے لیے اور حضورؐ کی امت کو عقائدِ بدعت سے بچانے کے لیے عقائدِ اسلام پر ایک

چھٹا سا رسالہ لکھا۔ عقائد اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا۔ جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی واردات کا یوں ذکر کرتے ہیں:-

واعادة الروح الى العبد في قبره حق۔^۱

ترجمہ۔ اور روح کا بندہ کی طرف لوٹا یا جانا برحق ہے۔
تیسری صدی علیل القدر ائمہ حدیث کی صدی ہے۔ حضرت امام احمد (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:-

الايمان بالمحوض والشقاۃ والايمان بمنكر ونكير وعذاب القبر و
الايمان بملك الموت بقبض الارواح ثم ترد في الاجساد في القبور
فيسألون عن الايمان والتوحيد۔^۲

ترجمہ۔ حوض کوثر، شقاۃ، قبر میں منکر و نکیح کا آنا، عذاب قبر اس بات پر ایمان لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھ لیا جاتا ہے (یہ سب امور برحق ہیں)۔

پھر امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ھ) اور امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آئیے اس تسلسل کو چوتھی صدی میں دیکھیں۔ حافظ ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:-

ذكر قبض روح المؤمن فتعاد روحه في جسده وياتيه الملك فيجلسانه
في قبره فيقولان من ربك۔^۳

ترجمہ۔ یہ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر وہ روح (قبر میں) اس کے جسد میں لوٹائی جاتی

۱۔ من شرح الفقہ الاکبر ص ۱۱۲ کتاب الصلوٰۃ للامام احمد بن حنبل ص ۲۵۳ تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ ص ۲۱۴

ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے (اس میت کو) قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

امام ابو جعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) جنہیں فقہا کرام اعلیٰ بمذہب ابی حنیفہ و صاحبیہ لکھتے ہیں رقمطراز ہیں:-

فمن بعد اب القبر و نعمہ و سوال منکر و منکر للمیت فی قبرہ عن ربہ و دینہ و نبیہ علی ما جاءت بہ الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن اصحابہ اجمعین و القبر ووضۃ من ریاض الجنۃ او حفرة من حفر النیرانؑ

ترجمہ ہم عذاب قبر اور نعم قبر پر ایمان لاتے ہیں... منکر و منکر کا قبر میں تین سوال پوچھنا جیسا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب صحابہؓ منقول ہے برحق ہے اور قبر جنّت باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس زمین کی قبر کو وضۃ من ریاض الجنۃ نہیں کہا گیا۔ وہ قبر کہیں اور ہے تو وہ لازماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے روضہ منورہ کو بھی وضۃ من ریاض الجنۃ نہیں مانتے ہوں گے۔

حافظ ابو بکر الجصاص الرازیؒ (۴۰۶ھ) لکھتے ہیں:-

واذا جازان یكون المومنون فتاحیوا فی قبورهم قبل یوم القیمة و هم منعمون جازان یحیی الکفار فی قبورهم فیعدّوا لہ

ترجمہ اور جب یہ جائز ہے کہ مومن کو قیامت پہلے ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور وہاں نعمت ربانی سے سرفراز ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر بھی اپنی قبروں میں زندگی پائیں اور (اس زندگی سے) انہیں وہاں عذاب ملے۔

نعم قبر اور عذاب قبر کی ان کیفیتوں کو ان قبروں کے یکسر تعلق سمجھنا کیا ظاہر شریعت کا انکار نہیں؟

پانچویں صدی کے علماء میں امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) امام ابو المنظر الاسفرائنی (۱۱۷۴ھ) امام
ابو القاسم عبد الکیم القشیریؒ (۴۶۵ھ) حافظ ابن عساکر الدمشقی (۱۱۷۵ھ) اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ)
نے عقائد کی سرحدوں پر بڑا کام کیا ہے۔

ابو المنظر طاہر بن محمد الاسفرائنی لکھتے ہیں :-

اخبر انهم يحيون في القبور وقد ورد في معنى احياء الموتى في القبور ما
لا يحصى من الاثر والخبار والاثار

ترجمہ۔ آپ نے خبر دی ہے کہ انہیں قبروں میں زندگی ملتی ہے اور قبروں میں
مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اس پر اتنی آیات اور احادیث اور آثار وارد ہیں
کہ گنتے نہیں جاسکتے۔

وفيه احاديث كثيرة عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الباب
ان المكين يجثيان في القبر الى الميت ويحي الله الميت فيثان
هما ذكرنا وقد انكرت المعتزلة وعلمة المبتدعة هذا

ترجمہ۔ اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ منقول ہیں کہ قبر میں
میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے اور
وہ فرشتے اس سے سوال پوچھتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے مقتولہ اور بدعتی لوگ
قبر کے اس سوال و جواب کے منکر ہیں۔

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں :-

واما عذاب القبر فقد دلت عليه قواطع الشرع اذ تواتر عن النبي
صلى الله عليه وسلم وعن الصحابة رضي الله عنهم بالاستعاذة
منه في الادعية واشتهر عند المروءة بتبرين انهما ليعذبان و

دل علیہ قولہ تعالیٰ وحق بال فرعون سوء العذاب۔ النار یروضون
علیہا عندوا وعشیاء وہو ممکن فیجب التصدیق بہ ووجہ امکانہ
ظاہر وامناتکوا المعزلة۔

ترجمہ۔ اور عذاب قبر کے ثبوت پر شریعت کے قطعی دلائل وارد ہیں اور اس شخصیت صلی اللہ
علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو اتر سے ثابت ہے کہ یہ حضرات اپنی نمازوں
میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہے اور یہ بات آپ سے خبر مشہور کے درجہ میں ہے
کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا اس
برزخی عذاب پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے ”اور گھیر لیا آل فرعون کو بڑے عذاب کے
اگلے جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور ایسا ہونا ممکن ہے۔ سو ضروری ہے کہ اس
کی تصدیق کی جائے اور اس کی وجہ امکان ظاہر ہے اور سوائے مقررہ کے اس کا انکار کوئی
نہیں کرتا۔

پھر یہ بھی لکھتے ہیں۔

ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان توخر
الی یوم البعث۔

ترجمہ۔ اور بعید نہیں کہ قبر میں روح ہی جسد میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے
حشر تک مؤخر رکھا جائے (یعنی اس دوران روح کا بدن سے صرف تعلق ہو)۔

نوٹ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس باب میں امام غزالیؒ سے متشک کیا ہے
اور ان کی تائید کی ہے۔

اب ذرا چٹھی صدی میں چلیے۔

علامہ بُہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوة فی قوله العامةؒ

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب دیا جائے اس میں مجبور اہل سنت کے قول کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابو عبد اللہ محمد بن احمد (۵۶۱ھ)

ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرح بہ الاما دیت الصحیحۃ و

لکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسما علیہم من الجن والانس

عن رویۃ عذاب القبر ونعیمہؒ

ترجمہ۔ عذاب قبر اور نعیم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی

تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ عام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے

کانوں کو عذاب قبر اور نعیم قبر سے روکے رکھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ

نہیں پاتے۔

علامہ قرطبی کی دوسری عبارت۔

وقد اجمع اهل الکشف ان المیت یحس بظغطة القبر و یحس

بأختلاف اضلاعہ ولو کان فی بطون السباع والطیور او کان

قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرۃ بالالمر ولو کانت

متفرقةؒ

ترجمہ سب اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے اور پسلیوں کے ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے گو وہ میت درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں ہی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہو گئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو اس میت کا ایک ایک ذرہ اس اٹم (عذاب قبر) کو محسوس کر رہا ہے گو وہ میت متفرق ذرات میں ہی کیوں نہ بٹی ہو۔

امام نووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں برزخی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں :-

ثم المعبذب عند اهل السنة المجذب بعينه او بعضه بعد اعادة

الروح اليه او الحى جزؤ منه وخالف فيه محمد بن جرير

وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال

اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون فى الحى

قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاءه كما

نشاهد فى العلة او اكلته السباع او حيطان البحر ونحو ذلك

فكما ان الله تعالى يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك

فكذا يعيد الحيوة الى جزؤ منه وان اكلته السباع والحياتان

ترجمہ پھر اہل السنۃ و الجماعۃ کے نزدیک عذاب اس (دنیا والے) جسد کو پورے جسد کو یا

بعض حصہ بدن کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہوتا ہے گو وہ اس کے کسی ایک

جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام (جو فرقہ کرامیہ کا

کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا

لوٹنا اس کے لیے شرط نہیں پہلے اصحاب (اہل السنۃ و الجماعۃ) کا کہنا ہے

عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں

جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا اسے (میت کو) درندوں نے یا سمندر کی مچھلیوں نے کھالیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو سو جیسے اللہ تعالیٰ ان ذرات منتشرہ کو حشر کے دن ٹٹائے گا اور اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پر قادر ہے سو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس میں رگوں کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہر دم حیات لٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور مچھلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش کیا ہے انہیں اصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور دو دفعہ ایسا کہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں۔ ورنہ ان کے مقابلے میں وہ قال اصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے۔ سو جاننا چاہیے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری نہیں ابن جریر کرامی ہے جسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں۔ کرامیہ اور شیعہ دونوں تفتیہ کے قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔ سو ہم صاحب بنبراس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ بنبراس ص ۳۲ میں یہ اضافہ کسی نقل نویس کا نہ ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۳ ص ۱۴۴ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔
امام نسفی (۷۰۱ھ) بھی لکھتے ہیں :-

عند العامة توضع فيه الحيوة بعد ما يتألم والحياة المطلقة وقيل
توضع فيه الحيوة من كل وجه

ترجمہ۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے کہ وہ نعیم والم کا ادراک کر سکے۔ وہ مطلق حیات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر پہلو سے اس میں حیات لٹائی جاتی ہے۔

آٹھویں صدی کی شہادت

علامہ صدرالدین اسحاقی (۷۷۴ھ) شارح عقیدہ طحاویہ رقمطراز ہیں :-
و كذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باتفاق اهل
السنة والجماعة۔^۱

ترجمہ: اور اسی طرح عذاب قبر ہے جو باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ روح اور بدن
دونوں کو ہوتا ہے۔

افسوس کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی یہ اجماعی پکار بھی ہمارے رلگم کردہ دوستوں کو راہ نہیں دکھا سکتی۔
علامہ تقی الدین اسبکی الشافعی (۷۵۶ھ)

وقد اجمع اهل السنة على اثبات الحيوة في القبر قال امام الحرمين
في الشامل وقد اتفق سلف الامة على اثبات عذاب القبر واحياء
الموتى في قبورهم وادوارواح في اجسادهم۔^۲

ترجمہ: اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے امام الحرمین
نے لکھا ہے سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ: عذاب قبر ثابت ہے۔
۲۔ مردوں کو یہ زندگی قبروں میں ملتی ہے۔ ۱۔ اور ۳۔ یہ کہ ارواح اجساد میں
لوٹانی جاتی ہیں۔

ان حياة جميع الموتى بلاد احمد واجسامهم في قبورهم لا
شك فيها۔^۳

ترجمہ: اسلاف امت کے اس کھلے اجماع کے بعد بھی کیا اس عقیدے میں کسی قسم کا کوئی شک ہو سکتا ہے؟
تمام اموات کے لیے زندگی ان کی قبروں میں ان کی ارواح و اجساد کے ساتھ ثابت ہے یہیں کوئی شک نہیں ہے۔

۱۔ شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۳ ۲۔ شفاء السقام ص ۱۵۱ ۳۔ ایضاً

قاضی محمد الدین الایچی (۱۵۷۷ھ) صاحب مواقف

احیاء الموتی فی قبورہم ومسلئہ منکرو نکیر وعذاب القبر للکافر
والفاسق کلہما حق عنہ واتفق علیہ سلف الامة قبل ظہور الخلاف
وافق علیہ اکثرہون بعدہ۔

ترجمہ۔ اموات کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ اور منکر و نکیر کے (وہاں) سوالات۔ اور
عذاب قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لیے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت
کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت
کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت
السؤال والسؤال للبدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکرہ
الجمهور وقابلہم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن
وکلاهما غلط والاحادیث الصحیحة تردہ ولو کان ذلك علی
الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص۔

ترجمہ۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ منکر و نکیر کے سوال وقت روح کے بدن میں لوٹنے جانے کی خبر
دیتی ہیں اور سوال بدن بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے
اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں منکر اور نکیر کا سوال صرف
روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی
ہیں۔ اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال وجواب صرف روح ہو تو قبر کا روح سے کوئی
اختصاص نہ ہوتا۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة
والجماعة به

ترجمہ: یہ قبر کا نعیم و عذاب باتفاق اہل سنت روح و بدن دونوں کے لیے ہے۔
غور فرمائیں اگر روح کا بدن مدفون ہو کوئی تعلق نہ ہو تو قبر کے نعیم و عذاب پر کیسے ایمان لایا جاسکتا ہے۔

فقد صرح الحديث باعلاء الروح الى الجسد وباختلاف اضلاعه

وهذا بين في ان العذاب على الروح والبدن مجتمعين به

ترجمہ: حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسم میں لوٹانی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی تصریح
ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے
کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۵۷۵ھ)

ان مذهب سلف الامة واثمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم

او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه به

ترجمہ: سلف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے

تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم و عذاب اس کے

روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۲ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے ہوئے خبر واحد کو محبت نہیں

مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر

حیات کے لیے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی تو حیات کا تحقق ہو سکتا ہے۔ پھر عذاب قبر

کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں:-

ويجوز ان يخلق الله في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة

شرح حدیث النزول ص ۵ ۷ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۲۸۹ ۳ کتاب الروح ص ۶۷

قد وما يدرك الم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم إعادة الروح الى بدنه ولان يتحرك ويضطرب.

ترجمہ۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا بعض اجزائے بدن میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے کہ میت اس عذاب کی تکلیف یا نعيم کی لذت پاسکے اور اس حیات کے لیے ضروری نہیں کہ روح بدن کی طرف لوٹے اور نہ یہ کہ وہ بدن متحرک ہو یا ہلے چلے۔

یہ عامہ اموات کے بارے میں ہے ان میں مطلق حیات کا قول اختیار کیا جائے جس سے میت عذاب قبر یا نعيم قبر کا ادراک کر سکے تو یہ کافی ہے۔

علامہ تقی زانی یہاں اعادہ روح کا انکار نہیں کر رہے، معتزلہ کو سامنے رکھ کر میت کے بدن میں زندگی کا ایک بڑیک انداز ثابت کر رہے ہیں جس سے بدن میں عذاب قبر یا اس کی راحت کا تحقق ہو سکے، علامہ تقی زانی کا اس سے مقصد احادیث کا انکار نہیں علی وجہ الامزام انہوں نے یہ بات کہی ہے۔

بدن میت میں زندگی کا آنا مسلمات میں سے ہے۔ یہ جس طرح سے بھی آئے ہو سکتا ہے اعادہ روح سے ہو یا تعلق روح سے جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں اس میں اتنی زندگی پیدا کر دیں کہ وہ الم یا راحت کو پاسکے، ہدایہ میں ہے۔

ومن يعذب في القبر يوضع فيه الحيوة في قوله العامة.

ترجمہ۔ اور جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایک طرح کی زندگی ٹھہرائی جاتی ہے۔

اب ذرا نویں صدی میں چلیں، علامہ عضد الدین الایکچی (د، ۵، ۷) کی عبارت آپ شرح مواقف میں دیکھ آئے ہیں۔ اب شارح علامہ سید شریف اسیر جانی (د ۸۱۶) کی عبارت بھی دیکھیں۔

و اذا ثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسئلة لان كل من قال
بعذاب القبر قال بهما

ترجمہ۔ اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و
جواب کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب قبر کا انکار کرے اسے قبر کی
اس زندگی کا اقرار کرنا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۸۵۲) پہلے کرامیہ کا رد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن
پر لاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتاتے ہیں۔ بغیر
اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔

و خالفهم الجمهور فقالوا انتقاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت
في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص
ولا يمنع من ذلك كون الميت فقد تفرق اجزائه لان الله تعالى قادر
على ان يعيد الميوتة الى جزء من الجسد ويقع عليه السؤال كما هو قادر
على ان يجمع اجزائه

ترجمہ۔ اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے
بعض حصوں کی طرف لوٹانی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف
روح پر ہوتا تو بدن کو اس کے کوئی اختصاص نہ تھا اور اس کے لیے میت کا اس حال میں ہونا کہ
اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں عذاب قبر میں مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے
کہ جسم کے کسی حصے میں زندگی لوٹا دے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پر وارد
ہو۔ جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع
کر دے

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

قد ثبتت الاحادیث بما ذهب اليه الجمهور كقوله (عليه السلام)
انه يسمع خفق نفاثه وقوله (عليه السلام) تختلف اضلاعه لضمة
القبر وقوله (عليه السلام) يسمع صوته اذا ضرب بالمطراق و
قوله (عليه السلام) يضرب بين اذنيه وقوله (عليه السلام)
فيقعد انه وكل ذلك من صفات الاجساد

ترجمہ - بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضور کا یہ ارشاد کہ
مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضور کا یہ ارشاد کہ قبر کے
ٹخنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ وہ
ہتھوڑے چلنے کی آواز سنتا ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کانوں کے
مابین ضرب لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے
بٹھاتے ہیں۔ اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی
کیفیات نہیں۔

علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ)

ان الارواح تقاد الى اجساد عند المسئلة وهو قول الاكثر من
اهل السنة۔

ترجمہ - بے شک ارواح سوال و جواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹائی جاتی
ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل السنۃ کا ہے
ولا بعد في رد الحيوة الى بعض اجزاء البدن فيختص بالاحياء والمسألة
والعذاب وان لم يكن مشاهدًا لنا

ترجمہ۔ اور بعض حصہ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کا زندوں سے اختصاص اور قبر کا سوال و جواب اور قبر کا نعیم و عذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں۔ کوہم ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱)

الحق ان الميت المعذب في قبره توضع فيه الحيوة بقدر ما يحس بالآلم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتى لو كان متفرق الاجزاء بحيث لا تتميز الاجزاء بل هي مختلطة بالتراب فيعذب جعلت الحيوة في تلك الاجزاء التي لا يأخذها البصر وان الله تعالى على ذلك لقدير.

ترجمہ۔ حق یہ ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کے لیے اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا ایک جابونا اہل السنۃ کے ہاں عذاب قبر کے لیے شرط نہیں۔ میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو یہاں تک کہ اجزاء باہم پہچانے نہ جاسکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے عذاب قبر ہوتا ہے۔ حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر پانہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

توضیحه۔ اما منع اقتضاء ذلك عود الحيوة الكاملة الى جميع البدن و غاية ما يقتضي اعادة الحيوة الى الجزء الذي به فهم الخطاب و مراد الجواب والانسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل يجزؤ من باطن قلبه و احياء جزء يفهم الخطاب و موجب ممكن مقدور عليه و اموال البرزخ لا تقاس بعلوم الدنيا.

ترجمہ۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذاب قبر کے لیے بدن میں پوری حیات کے لوٹ آنے کا تمامنا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس جزو بدن میں لوٹ آتے جس سے وہ سوال و جواب دینے کو سمجھ سکے۔ اس سے پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کو نہ سمجھتا تھا صرف باطن قلب ایک حصے سے بات کو پالیتا تھا اور اب اس کے کسی ایک حصے کا زندگی پالینا اسے بتا سمجھنے (سوال و جواب) کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لیے ممکن اور مقدور ہو جاتا ہے اور بڑے رخ کے احوال کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اب دسویں صدی کی شہادت بھی لیجئے۔

امام سیوطی (رحمہ اللہ) حافظ ابن تیمیہ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وقال ابن تیمیہ الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السؤال وسوال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغونی وحکی عن ابن جریر وانکرہ الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم وآخرون منهم ابن عقیل وابن الجوزی وهو غلط والام یکن للقلب بذلک اختصاصاً۔

ترجمہ۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے متواتر احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی خبر دے رہی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی ہے اور جمهور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے دغذاب

روح بلا بدن (قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذاب قبر کے قبر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجئے۔ علامہ جلال الدین الدوانی (۷۹۲۸) لکھتے ہیں عذاب قبر کے وہی قائل ہیں جو بدن مدفون کے زندہ کیے جانے کے قائل ہوں۔ یہ زندہ کیا جانا عادیہ روح کے بغیر محض النقال روح بھی ہو سکتا ہے صورتِ احیاء جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ لیکن عذاب قبر کے لیے بدن یا ذرات بدن میں زندگی کا نہ پایا جانا برحق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

فمنہم من اثبت التعذیب وانکار الاحیاء وہو خلاف العقل وبعضہم

لم یثبت التعذیب..... وھذا انکار لعذاب القبر ومنہم من قال

بأحیائہ لکن من غیر إعادة الروح ومنہم من قال بالاحیاء بإعادة

الروح معاً ولا یلزم ان ینزل اثراً حیوۃ فیہ حتی ان الماکول فی

بطن الحیوانات یحیی ویسأل وینعم ویعذب ولا ینفی ان ینکر

لان من اخفی النار فی الشجر الاخضر قادر علی اخفاء العذاب والنعیم۔

ترجمہ ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر مانتے ہیں مگر بغیر میت کے زندہ کئے جانے کے اور یہ خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں

جو سر سے میت کے بدن میں عذاب پانے کے قائل نہیں یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے اور ایسے بھی جو میت کے زندہ

کیے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر عادیہ روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو عادیہ روح سے میت کا زندہ کیا جاتا ہے

ہیں اور عذاب قبر کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس میں (اس میت میں) آثار حیات دیکھے بھی جاسکیں۔ وہ شخص جسے

کسی جانور نے کھالیا، وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس سے وہیں سوال ہوتا ہے۔ اس کی نعیم قبر

یا عذاب قبر میں ہے اس کا انکار نہ کرنا چاہیے جو ذاتِ باری سب اور ترقی تازہ درخت میں آگ کو چھپا سکتا ہے وہ اس پر

قادر ہے کہ عذاب قبر اور نعیم قبر کو اس طرح چھپا سکے کہ یہاں کے زندوں کے حواس نہ اسے پاسکیں اور نہ

اسے سن سکیں۔

علامہ عبد الوہاب الشعرانیؒ (۵۹۷ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف — لکھتے ہیں۔ علامہ علیہی روح کے پورے بدن میں لٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبری اور امام الحرمین بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لٹائے جانے کے سب قائل تھے وہ لٹایا جانے پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں۔

ان الحلیمی یقول ترد الروح الی جسده کله وابن جریر الطبری و

امام الحرمین یقولون ترد الروح الی ما بقی منه۔

ترجمہ علامہ علیہی اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لٹائی جاتی ہے اور ابن جریر الطبری اور امام الحرمین اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لٹایا جانا مانتے ہیں۔

فقہاء احناف میں علامہ شمس الدین القہستانی (۵۹۵ھ) سے کون واقف نہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

والمعذب فی القبر کحی بقدر ما یتالم به وهو اقرب الی الحق۔

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے جو الم عذاب پاکسے اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث جلیل علامہ عبد الرؤف المناوی (۱۰۰۳ھ) حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن میں لٹائی جاتی ہے فتاد روحہ فی جسده لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کے صرف نصف اعلیٰ میں لٹنے کے قائل ہیں جمہور کا مذہب پہلا ہے۔

پھر قاضی ابوبکر باقلانی سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں۔

جمع بان مقرها في النصف الاعلى ولها اتصال بباقيه وقيل
جزء به القاضي به

ترجمہ دونوں باتوں میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا قرار تو بدن کے اوپر
کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال
اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) فقہ و حدیث کے جامع امام تھے۔
آپ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:-
واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة
في القبر قدر ما يتالم ويتلذذ ولكن اختلفوا هل يعاد الروح اليه
..... والمنقول عن ابي حنيفة التوقف الا ان كلامه فهمنا بدل
على اعادة الروح اذ جواب المسكين فعل اختياري فلا يتصور
بدون الروح به

ترجمہ۔ اور جان لو اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک ایسی حیات
پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ عذاب قبر یا نعم قبر کو پاسکے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات
اعادہ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر۔۔۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس میں توقف منقول ہے
مگر آپ کی عبارت یہاں اعادہ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک
اختیاری فعل ہے اور وہ بدول اعادہ روح کے تصور میں نہیں آسکتا۔

ملا علی قاریؒ نے اسے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں ہر میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے
سوال و جواب ہوتا ہے۔ اس سے خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں یہ آپ کے
سوچنے کی بات ہے۔

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

ولعل توقف الامام في ان الاعادة متعلق بجزء البدن او كله.

ترجمہ: اور حضرت امام ابو منیفہؒ سے جو توقف منقول ہے، وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ، وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں۔ پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیتہً رد کر دیا ہے:-

تعاد روحه في جسده ظاهرا لحدیث ان عود الروح الى جميع اجزاء

البدن فلا التفات الى قول البعض بان العود انما يكون الى البعض

..... فانه لا يصح ان يقال من قبل العقل بل يحتاج الى صحة النقل.

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے، اس حدیث کا ظاہر یہی ہے

کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی

طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں

..... کیونکہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جاسکتی، اس کے لیے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہوگا۔ اس

دن کی بعثت بے شک برحق ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا یکسر انکار کر

دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔

آپ لکھتے ہیں:-

حتى يجمع الله في جسده اى يردہ اليه كاملاً في بدنه.

ترجمہ: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسد میں پھر سے لے آئے اس سے مراد اس

روح کا کامل طور پر بدن میں لوٹنا ہے۔

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عامہ اموات کے لیے بیشک اسی دن ہو گا۔ واذا النفوس ذوجت کا کامل اظہار قیامت کے دن ہی ہے لیکن برزخی زندگی کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کلیتہً بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ ان ناقصان دین کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

كما توهمه بعض ارباب المنفصلان حتى جعلوا عذاب القبر روحانيا
لا جسمانيا والصواب ان عذاب الآخرة ونعيمها متعلقان بهما۔

ترجمہ جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض ایک روحانی چیز بتلاتے ہیں جسمانی نہیں مانتے — صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم و الم تو ایک طرف ہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بغیر جسد تقوم میں آتے ہیں؟ حضورؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا تو کیا وہ صرف روح کا عمل تھا؟ سنن نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے :-

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے اس میں آپؐ کو وصف نماز سے موصوف بتلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپؐ کھڑے تھے یہ وہ امد میں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہو سکتی یہ تو جسد کی شان ہے کہ وہ عمل نماز میں ہو اور اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھتی نہ

اب آئیے آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء حق کو مسلک کیا تھا۔ اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۵۴۲ء) ہیں۔ آپ بدن مثالی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقادِ تناسخ سے بھی بُرا ہے۔ اس کے بعد آپ یوں رقمطراز ہیں :-

پس بدنِ اول را از حصول احکام بزرخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذر نہ — و بدنِ ثانی را چوں حیاتِ ثانی اثبات مے نمایند حشر در حق او در دنیا ثابت گشت۔ انگارم کہ معتقدانِ نقلِ روح معلوم نیست کہ بذاب و ثواب قبر قائل باشند و بحشر و نشر معتقد بود۔ افسوس ہزار افسوس ایں قسم بطلالِ خود را بہند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا ترجمہ۔ اس دنیا والے بدن کو احکامِ بزرخ کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذابِ ثواب قبر سے چھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدنِ ثانی کے لیے جب یہ لوگ دوسری حیاتِ ثابت کرتے ہیں تو اس کا حشر تو دنیا میں ہی واقع ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کیے جانے کا عقیدہ رکھنے والے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذابِ ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔ افسوس ہزار افسوس اس قسم کے جھوٹے لوگوں پر کہ اپنے آپ کو پیرِ طریقت بنائے بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدائے بے ہمتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخِ سرسندیؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

و آنچه او علیہ و علی آلہ الصلوٰت و التسلیمات ادا حوالِ آخرت خبر داده است ہمہ حق است از عذابِ گور و ضغطہ آں و سوالِ منکر و نکیر در اں و فنائے عالم و اشتقاقِ سموات و انتشارِ کواکب و برداشتنِ زمین و کوہا و پارہ پارہ شدنِ اینہا و حشر و نشر و اعادہ روح بحسد و زلزلہ ساعت و ہولِ قیامت

محاسبہ اعمال و شہادت جوارح باعمال مکتبہ

ترجمہ۔ اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے برحق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دباؤ۔ اور منکر و نکیر کے قبر میں سوالات۔ اور پوری دنیا کا فنا ہونا۔ اور آسمان کا پھٹنا اور ستاروں کا انتشار۔ اور زمین کا پہاڑوں کو اٹھانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور حشر و نشر اور روح کا جسد میں پھر سے لوٹ آنا۔ اور قیامت کا بڑا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب۔ اور اعضاء جسمانی کی اپنے کئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب ائمہ برحق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

و اختلاف کرده اند کہ عذاب قبر بزندہ گہ و اندین میت است و در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہہ حقیقت اس راہ نباشد و حق آنست کہ با حیات است۔ چنانکہ ظاہر احادیث دال است بران بے

ترجمہ۔ اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے لانے سے۔ یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ہمیں اس کی کنہہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

قطع مے کنم بعود حیات مرہر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافته۔
ترجمہ مجھے یقین ہے کہ ہر میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیسا کہ احادیث
میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۱ھ) اپنے مسلک پر
حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

امثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكمها عند
ارباب البصائر واضحة فمن لم ينكشف له حقائقها فلا ينبغي ان
ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التسليم والتصديق فان قلت
فنحن نشاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه ولا نشاهد شيئا من
ذلك فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة فاعلم ان لك ثلاث مقامات
في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والاصح والاسلم ان
تصدق بانها موجودة وهي تلدغ الميت لكنك لا تشاهد ذلك فان
هذه العين لا تصلح لمشاهدة الامور المملكوثة۔

ترجمہ۔ اس طرح کی احادیث اپنے ظاہر معانی پر وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے
ہوئے حقائق بھی ہیں۔ مگر وہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں
سو جس پر یہ حقیقتیں مخفی ہوں اسے نہ چاہیے کہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے
کم از کم یہ تو کرے کہ ان پر ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق
کرے۔ اگر تجھے یہ خیال گنہے کہ ہم کافر مردوں کو قبروں میں پڑے مدت سے
دیکھ رہے ہیں اور دھیان بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے رک جیسے انہیں
سامنے کاٹ رہے ہوں، کسی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے۔ تو اس کھلی

کیفیت کے مقابلہ میں ہم ان احادیث کی تصدیق کیسے کریں؟ تو جان لے کہ
 تیرے ان روایات کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور
 وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کرے
 کہ سانپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) میت کو
 ڈس رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ کیوں اس دنیا کی آنکھ امور ملکوتی
 (برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبر میں ان حالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں
 جن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے بہرگز نہ ہوں۔ بلکہ ان احادیث کے ظواہر
 پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر میت کو واقعی سانپ کاٹ رہے ہیں۔ اگرچہ ہم اسے دیکھ
 نہیں پاتے۔ — یہ کس میت کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔
 اسی یہ ان لوگوں کے بارے میں جن کی قوت بہیمیہ قوی اور قوت ملکوتیہ کمزور ہوتی ہے فرما رہے ہیں اور
 زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں۔

فلا یکن الموت انفکاکاً لنفوسہم عن الابدان بالکلیۃ بل تنفک
 تدبیراً ولا ینفک وہما۔

ترجمہ۔ ان کی موت میں انفکاک روح عن البدن (روح کا بدن سے جدا ہونا)
 کلی طور پر نہیں ہوتا۔ روح کا صرف تعلق تصرف (جس سے روح بدن میں
 تدبیر کرتی تھی) ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا (دھیان اس کا ادھر
 قائم رہتا ہے)۔

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں۔ ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے
 ہمنے انفکاک روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ سو یہاں یہ لفظ تعلق توجہ کے معنی

میں ہے۔ حضرت شاہ صاحب بتلاتے ہیں کہ نسیم جو روح اور بدن کے باہر ایک برزخی درجہ ہے اس کی ایک توجہ روح کی طرف ہوتی ہے اور دوسری بدن کی طرف اور وہ روح و بدن میں ایک رابطہ ہے موت کے وقت نسیم بدن سے جدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ایک رخ اُدھر ضرور رہتا ہے۔ ہم اسے ایک برزخی تعلق کہہ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

ولما كانت النسمة برزخاً متوسطاً بين الروح والالهي والبدن الارضي
وجب ان يكون لها وجه الى هذا وجه الى ذلك والوجه المائل
الى القدس هو الملكية والوجه المائل الى الارض البهيمية^۱

ترجمہ۔ اور جب نسیم ایک برزخی چیز ہے جو روح الہی اور بدن ارضی کے باہر ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رخ اُدھر روح کی طرف ہو اور ایک رخ اُدھر بدن کی طرف ہو۔ اس کی جو بہت عالم قدس کی طرف جھکی ہو وہ ملکیت ہے اور جو بہت زمین کی طرف جھکی ہو وہ بہیمیت ہے۔

یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں عالم برزخ میں روح کا ایک تعلق (جس میں روح بدن میں نشوونما کا کوئی تصرف نہ کرتی ہو) بدن ارضی سے ضرور قائم رہتا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت مرحوم نے عالم برزخ کا ایک سب سے کم درجے کا طبقہ ذکر فرمایا ہے جن کے ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔

محترم قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کم درجے کے لوگوں میں تو روح و بدن کا کچھ تعلق قائم ہے۔ لیکن انبیاء اور شہداء کے دھڑ قبروں میں بالکل بے جان پڑے ہیں۔ ان کی ارواح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ روح و بدن کا یہ علاقہ صرف چھوٹے لوگوں میں قائم ہوتا ہے۔

بریں عقل و دانش بباہر گریست

قاضی صاحب کو یہ مغالطہ غالباً علامہ نسفی کی عبارت سے لگا ہے جو علامہ سیوطی نے اُن کی کتاب بحر الکلام سے نقل کی ہے۔ وہ واقعی پچھلے طبقے کے بارے میں ہے۔۔

ہی متصلہ باجساد ہا فتعذب الارواح وتعال الاجساد بلہ

ترجمہ۔ وہ ارواح ان کے اجساد سے مستقل رہتی ہیں اس القال سے عذاب

جو ارواح کو پہنچا ہے ابدان کی تکلیف بنتا ہے، ارواح عذاب پاتی ہیں

اور ابدان تکلیف اٹھاتے ہیں۔

یہ تعلق القال ہے جو نہایت قریب کا تعلق ہے۔ کالمین کے لیے یہ تعلق اشراق کا ہے جس

میں ارواح طہارۃ اعلیٰ کی بلندیوں سے یا جہاں بھی وہ مصروف سیر ہوں ان کے ابدان پر تاثیر

کرتی ہیں پچھلے طبقے کے لیے القال ہے اور کالمین کے لیے اشراق۔ اور یہ اشراق ہے جس

سے ابدان زندگی کا شرف پاتے ہیں۔ ہاں کوئی بزرگ القال کو اشراق کے معنی میں لیں تو یہ اُس کی

اپنی مراد ہوگی۔ القال اور اشراق دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

یہاں ہم حیات شہداء یا حیات انبیاء سے بحث نہیں کر رہے۔ زیر بحث موضوع

عذاب قبر ہے ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ان دوستوں کے بیان کے مطابق حضرت

شاہ صاحب پچھلے طبقے کے لیے (اور اکثریت انہی کی ہوتی ہے) برزخ میں روح و بدن کے

تعلق کے قائل ہیں۔ سو حضرت شاہ صاحب بھی کچھ پی گیارہ صدیوں میں آئے جن کا متفقہ عقیدہ

ہم آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں کہ قبر میں راحت و الم صرف روح کے لیے نہیں، بدن کے

لیے بھی ہے۔ عذاب روح پر اُترتا ہے اور بدن اس سے تکلیف پاتا ہے جیسا کہ علامہ نسفیؒ

نے بحر الکلام میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب اگر ابدان کالمین کے لیے یہ تعلق اشراق آپ کو حضرت شاہ صاحب کے کلام میں

نہ ملے تو اسے دلیل انکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ۴۴۴ھ میں ردضہ رسول

پر مجاہدت نہ کرتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہم اس پر آگے چل کر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عامہ اموات کے لیے تو یہ تعلق روح بالبدن (الاقوال) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کالمین کے لیے اشراق نہ ملے تو اسے دلیل انکار نہ بنائیں۔ جب ایک طبقے کے لیے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لیے اُن کے حسبِ حال یہ تعلق کیوں نہ ہوگا۔ عدم ذکر کو یہاں ذکر عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

مشہدہ کی روحیں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصل طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب اُن کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا۔ بدن کے عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

لا مانع من تعلقها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الکشف

ترجمہ۔ روح کا تعلق اس بدن کشف (اس عنصری بدن) کے علاوہ اس کے مغائر کسی

بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع شریعت میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی

کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لیے کون سی نص مانع ہے۔ پرندوں والی روایت سامنے

رکھ کر اب بدن تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانا فی نہیں ہے۔

اب آئیے بارہویں صدی کے دائرہ علم و عرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث
 ۱۰ ہجری (۱۲۲۹ھ) کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں۔ شرح عقائد نسفی کی شرح
 میزان العقائد میں لکھتے ہیں :-

فیعذب اللحم متصلًا بالروح والروح متصلًا بالجسد وكذا اذا

صار ترابًا يكون روحه بترابه والروح والتراب يتالمان^۱

ترجمہ ہو اس گوشت پوست کو (اس غصہ بدن کو) روح انصال عذاب ملتا ہے اور روح کو بدن کے
 انصال عذاب ملتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان ذروں کے
 متصل ہوگی اور اگر روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا البطلان حضرت شاہ صاحب کا خاص موضوع
 رہا ہے۔ روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں
 آنا ہے اور مجرموں نے اس کا عذاب یہاں پانا ہے۔ سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ
 دل رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی آخرت کے ساتھ رجعت کا مقدمہ لگایا۔ روافض
 اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح بستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند — حضرت
 شاہ عبدالعزیزؒ ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں
 یہاں تک کہ اس کے اجزائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی
 قیام و قعود، اور حرکت، اور سوال و جواب کی کوئی بات نہ باقی گئی۔

آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ روح اس میت را بقدریکہ ادراک متالم و تلذذ ازو حاصل شود

و بہ بدنے از ابدان عنصریہ یا مثالیہ مختصرہ متعلق مے سازد و اس کار سرانجام

مے فرماید و محسوس نبودن این حرکات دلالت بر عدم وقوع آنها نمے کند
 زیرا کہ ذوات اشخاص ملائکہ و جن را بحواس ادراک نمے کنیم چہ جائے کہ
 حرکات معہذا واقع است بلاشبہ عند المیتین ۛ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس درجے میں کہ وہ اس تکلیف و راحت پاسکے کسی
 عنصری بدن یا کسی مثالی بدن سے جو اسی کے لیے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کام کو (عذاب قبر کو)
 پورا فرماتے ہیں اور ان حرکات کا ہمیں دکھائی نہ دینا ان کے مواقع نہ ہونے پر دلالت
 نہیں کرتا ہم فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک
 نہیں رہتے چہ چنانچہ ان کی حرکات کو، حالانکہ یہ سب حقائق تمام اہل مذاہب کے
 ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپ نے ابدان عنصریہ اور ابدان مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ
 جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ابدان مثالیہ کے اقوال موجود ہوں
 گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے رافضیوں کو کلامی انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے
 چل کر آپ اسی بات پر آجاتے ہیں جو اہل سنت کا مختار ہے۔ آپ مذکورہ عبارت کے چند
 سطر بعد لکھتے ہیں :-

خدا تعالیٰ قادر است بر آنکہ . . . روح اس میت را با وصف تعلقی کہ
 ببدن خود پیدا کردہ منعم و معذب کردہ اند ۛ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے اس کا اپنے
 (عنصری بدن سے) قائم ہے (قبر میں) نعیم و عذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ارواح انبیاء و اولیاء کا مقرر علیین ہے۔ لیکن
 ان ارواح کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے

والوں کے آنے سے متنازل ہوتے ہیں (ان سے انس پاتے ہیں) آپ لکھتے ہیں :-
تعلق بہ قبر نیز ایں ارواح را مے باشد کہ بہ حضور زیارت کنندگان و اقارب
و دیگر دوستان بر قبر مطلع و متنازل مے گردند. زیرا کہ روح را قرب و
بعد مکانی مانع ایں دریافت نئے شود بلکہ

ترجمہ: ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے
لیے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی حاضری کو پہچانتے ہیں اور مانوس
ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ روح کا مکانی قرب و بعد اس دریافت میں
مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مردوں کو جلانا صحیح طریقہ نہیں۔ دفن
کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں :-

در دفن کہ دن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند علاوہ روح با بدن
از راہ نظر و عنایت مجال مے ماند و توجہ روح بذاترین و متنازلین مستفیدین
بسہولت مے شود کہ بہ سبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین
است بلکہ

ترجمہ: میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے
ازراہ نظر و عنایت مجال رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے
والوں پر بڑے آرام سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے متعین ہونے کے باعث گویا
روح کو بھی ایک مقام معین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے۔ بدن عنصری سے یا کسی بدن مثالی سے ؟
اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے لیں :-

ارواح راتعلق بہ بدن خود کہ درقبر مدفون است البتہ مے باشد زیرا کہ مدت
دراز دریں بدن بودہ اند۔

ترجمہ۔ ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہوتا ہے قائم رہتا ہے کیونکہ
ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔
اور پھر نکلتے ہیں۔

ثابت شد کہ روح باقی است و اورا تعلقے خاص با جزا بدن بعد مفارقت
از دے و تغیر کیفیت دے نیز باقی است کہ بداں علم و شعور بزا اتران
قبر و احوال ایشان دارد۔

ترجمہ۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن سے مفارقت اور کیفیت
کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے
قبر پر آنی والوں کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل عذاب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے
ہیں کہ اونچے درجے کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹ
گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت
عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دُنیوی زندگی تھی رجعت
میں عالم برزخ کا نہیں دنیا کا سامنا ہوگا اور اس میں روح اور بدن کا وہی حقیقی تعلق ہوگا
جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ
ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدہ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں شریف مرتضیٰ
(۱۲۶۶ھ) نے مسائل ماصرہ میں لکھا ہے زمان مہدی میں ابوجبر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایلن) کے ص ۳۸ سے مر تک اس پر مفصل بحث کی ہے۔
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف عقابنی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے
اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس
عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا
ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں۔ یہ ایک
نہایت لطیف ربط ہے جو روح کو بدن سے ملاتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح غریب علیہ السلام کو اس دنیا میں
حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور
وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم و راحت کا ادراک کر سکے یہ ادراک اسی
بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطے سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ آلہ ہے جس سے
کسی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے
حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمادیا یا اس دین قیم
کی جو فضائیں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کیں اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے
کی حصار جانتا ہمارے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے امور اولاً بدن پر وارد ہوتے
ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لیے بدن کی بقا اور یکساں سلاستی
ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں۔ بدن یا اجزائے بدن اس
کے ذیل میں الم و راحت پلتے ہیں۔ سو وہاں عذاب قبر کے لیے بقائے بدن یا بدن کی سلاستی
ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس علم کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس
بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا۔ ہاں وہ علاقہ جو پہلے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے
آپ شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

درتبراحیار و امات حقیقہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے
پیدائے شود کہ تغذیہ و تنمییہ بدن ہمراہ اس نے باشد تا معنی حیات متحقق باشد
ترجمہ قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا ایسی حقیقی صورت میں نہیں ہوتا کہ اس کے لیے غذا
کا تقاضا اور بدن کا نشرو نما ہو یہ ہو تو حیات کے حقیقی معنی متحقق ہوتے ہیں یہاں ضروریہ ہے
کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس سے بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لیے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشرو نما والی نہ ہو
پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن — حضرت شاہ صاحب کی دیگر
تقریحات کی روشنی میں اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہ راست عذاب روح پر ہے بدن
پر نہیں — کہ اس کے لیے بدن کی سلامتی شرط ٹھہرے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے
گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشر ہو کر کوئی بے زخمی علاقہ بھی نہیں
ہے — کسی مصنف کی عبارت کی تشریح اس کے اپنے عقائد اور بیانات کی روشنی میں
ہی ہونی چاہیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن
کی سلامتی عذاب قبر کے لیے لازمی نہیں۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تغذیہ باشد
ترجمہ معذب (اصالت) روح ہے نہ کہ بقائے بدن اس عذاب کے لیے
ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجاہد اس آخری عبارت کو اس کی اس تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحبؒ
کا موقف قرار دے اور سمجھے میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر سے بھی
نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سوچے کہ اللہ رب العالمین کے حضور اسے کیسے
اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہو گا یا خیانت کا اقرار کرنا ہو گا۔ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ

اپنے مسلک کی خاطر جھوٹ بولنا جان سمجھتے ہیں۔ آپ دیوبندی کہلاتے ہوئے اُن کے جال میں کیسے پھنس گئے۔

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة
وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کا موقف آپ کے سامنے اچکا ہے۔ آپ نے شیعہ کے عقیدہ رجعت کی تردید کرتے ہوئے قبر کی زندگی کو اس دنیا کی سی نہیں بتلایا۔ تاہم اہلسنت کے اس عقیدے کی بھی پوری حفاظت کی ہے جو اسلام کی بارہ صدیوں کے اہل حق کی متفقہ آواز تھی کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ روح اور بدن (یا ذرات بدن) دونوں کو شامل ہے۔ اگر کہیں بدن مثالی کو بھی راہ دی جائے تو بھی بدنِ اصلی کو برزخ کی ان واردات سے کلی طور پر فارغ نہیں کیا جاسکتا۔

اب آئیے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کے مسلک کو بھی دیکھتے جائیں۔ یہ آپ تیر سو بیس صدی سے گزر رہے ہیں اور یہ اس وقت کے اہل سنت کی متفقہ آواز ہے۔

آپ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کردہ حدیث کہ قبر میں روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ کہ مومنوں کی روحوں کا مقر علیین ہے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وجه التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء

السابعة ونحو ذلك كما مرو مقر ارواح الکفار فی سجين ومع

ذلك لیکل روح منها اتصال بجسد فی قبره لا یدرک کمنه

الا الله تعالى وبذلك الاتصال یصح ان یمرض علی الانسان

المجموع المركب من الجسد والروح مقعدہ من الجنة والنار

وَحَيْسُ اللَّذَّةِ أَوَّالًا لِمَرْوِیْمَ سَلَامُ الزَّائِرِ وَمُجِيبُ الْمُنْكَرِ وَالْمُنْكَرِ وَ
نَحْوُ ذَلِكَ مِمَّا ثَبَتَ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ . . . قَالَ النَّسْفِيُّ فِي
بَحْرِ الْكَلَامِ هِيَ مُتَّصِلَةٌ بِأَجْسَادِهَا مِنْهَا كَالشَّمْسِ فِي السَّمَاءِ وَنُورُهَا
فِي الْأَرْضِ ۝

ترجمہ۔ وجہ تطبیق یہ ہے کہ مومنین کی روحوں کا مقدر علین میں ہے یا ساتویں آسمان
میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ گزرا اور کافروں کی روحوں کا مقدر مقام سبعین ہے اس
سب کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر میں سکے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت
کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور
روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا ہے اور اسی
حیات سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا رہے۔ زائرین کے سلام کرنے
اور منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دے اور اس طرح کی اور باتیں جو کتاب و
سنت سے ثابت ہوتی ہیں۔

علامہ نسفی بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل
ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں
دریغ پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف قارۃ ہند کی بات نہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) بھی اسی صدی سے
تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وَلَا يَرِدُ تَقْذِيبُ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ لِأَنَّهُ تَوْضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ عِنْدَ
الْعَامَةِ بِقَدَرِ مَا يَحْسُ بِهِ الْإِلَهُ وَالْبَنِيَّةُ لَيْسَتْ بِشَرَطٍ عِنْدَ
أَهْلِ السُّنَّةِ بَلْ تَجْعَلُ الْحَيَاةُ فِي مَلَكُ الْأَخْزَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ لَا يَدْرِكُهَا الْبَصَرُ ۝

ترجمہ۔ اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لیے بدن کا یکجا ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں (بدن کے ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں) زندگی اجلے کے متفرقہ میں رکھ دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوع سے بحث نہیں۔ اتنا مان لیجئے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پاسکے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال المنكر والنكير حق وضغطة القبر حق فيعذب اللحم متصلاً بالروح متصلاً بالجسم فتيالم الروح مع الجسد

ترجمہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذاب قبر اور منکر و نکیر کا سوال برحق ہے اور قبر کا دباؤ بھی برحق ہے۔ جبکہ عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسم کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں۔ آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد وہاں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہیے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے۔ احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه و سؤال التثبيت له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر

وفيه ايضاً دليل على ان الميت ليُسل في قبره وقد وردت به
ايضاً احاديث صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضاً
ما يدل على ان السؤال في القبر المختص بهذه الامة كما في حديث
زيد بن ثابت عند مسلم ان هذه الامة تبتلى في قبورها و
بذلك جزم الحكيم الترمذی ۱۰

ترجمہ۔ اس میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے دُعا سے مغفرت کی
مشروعیت اور اس کے لیے ثابت قدمی کی استدعا ہے کیونکہ اس وقت اسے پوچھا
جاء رہتا ہے۔ اور اس میں حیاتِ قبر کا ثبوت ہے اور اس پر اس کثرت سے
احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر تک پہنچتی ہیں۔ اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے
کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیحین اور دوسری کتابوں میں
صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت
سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اس
امت کے لیے قبر کی ایک آزمائش ہے حکیم ترمذیؒ (۱۰) بڑے جزم سے اس کے قائل ہیں۔
یہاں یہ بات خاص طور پر سامنے رہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیات فی القبر کا ثبوت حد تواتر
کو پہنچتا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام میں تواتر سے ہونے والے امور کا انکشاف قطعاً
اسلام کا انکار ہے۔

قاضی شوکانی نے دفن کے بعد قبر کے پاس بٹھرنے اور میت کے لیے دُعا کو صرف
مشروعیت کی سند دی ہے۔ شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے فقہ شافعی کی مشہور
کتاب منہاج میں ہے ۱۰۔

وسین ان یقف جماعة بعد دفنه عند قبره ساعة يسألون له التثبيت ۱۱

ترجمہ۔ اور مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر کے پاس ٹھہری رہے جو اس کے لیے (میت کے لیے) ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔
منہاج کی شرح زاد المحتاج میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے۔

اذا دفنتمونی فاقیموا بعد ذلك حول قبری ساعة قدس ما تمخرو
جنور و یفرق لھما حتی استانس بکم۔

ترجمہ۔ جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرو جتنے میں ایک اونٹ نخر کر کے اس کا گوشت بانٹا جاسکے (اتنا وقت اس لیے ٹھہریں) کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانی نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گورہ ادنیٰ ہو اس امت کی خصوصیت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عذاب امتہ فی قبورہم۔

ترجمہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپکی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔ اب آگے چلیں۔

عمدة المحققین حضرت علامہ محمود آلوسی (۱۲۶۰ھ) بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

وأختلف فی هذه الحیوة فذهب کثیر من السلف الی انها
حقیقة بالروح والمجد ولکن لا ندرکھا فی هذه النشأة۔

۱۔ زاد المحتاج جلد ۴ ص ۴۲۲ ۲۔ صحیح مسلم جلد ۳ ص ۳ حجة اللہ البالغہ جلد ۳ مترجم ص ۱۰۰
۳۔ روح المعانی جلد ۲ ص ۱۰۰

ترجمہ۔ اور اس قبر کی حیاتیں اختلاف ہے سلف صالحین کی اکثریت اس طرف ہے کہ یہ روح و جسد کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔ حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوع کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سمیت کو عذاب قبر ہوتا ہے والجمہور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السؤال علی وجہ لا یحس بہ اهل الدنیا الا من شاء الله تعالیٰ منہم۔

ترجمہ۔ اور جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت بدن کی طرف یا اس کے بعض کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسیؒ نے ان اجساد کی بحث میں جو یکجا نہ رہے ہوں اور متفرق جگہ پھیل چکے ہوں ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو پھر یکجا کر دے گا۔ اور اس پر بدنخ کی واردات ہوں گی۔ یہ کوئی مسئلے کا رخ نہیں ہے جب ہم اسے (روح کو) کسی اور بدنخ سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو دریدہ دریدہ ہو چکے ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے اور آپ نے تعبیر بھی ایسی اختیار کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ جب اس کا ایک اور حل ممکن ہے تو ہم اس سچیدگی میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسیؒ محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں، ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ سرے مقامات پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ وہ منکرین پر حجت سمجھ سکے اور طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آسکیں۔

اما القول بحياة هذا الجسد الرميم مع عدم بنية وتفرق اجزائه
وذهاب هيئة وان لم يكن ذلك بعيداً من قدرة من يبدء الخلق
ثم يعيده لكن ليس اليه كثر حاجة ولا فيه مزيد فضل
ولا عظيم منة به

ترجمہ۔ اور اس ریڑھ ریڑھ ہوئے جسم میں یکجا نہ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا
اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بخشتا ہے اور پھر
اسے نوٹائے گا۔ لیکن یہ موقت اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں۔ نہ اس
میں کوئی غاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال و جواب اور اس کا انعام
و عذاب ایک دوسری صورت میں بھی قائم ہو سکتا ہے)۔

یہ پیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی انداز جواب ہے
یہ آپ فیصلہ کریں بعقیدہ کے بیان میں آپ نے جو پیرایہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے :-

اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزئ بل
هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه الاصلية لا ينفكا حتى
يقوم بها الانسان من قبره يوم القيمة على ما اختاره جمع و
اعلم ايضا ان الروح على القول بتجردها لا مستقلة بابل لا يقال
انها داخل العالم او خارجة كما سمعت وانما المستقر حينئذ البدن
الذی يتعلق وقد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من
ان تتعلق نفس ببدنين فاکثر بل هو واقع عندهم و ذکر
بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلی والاخر مثالی
یظهر للعیان علی وجه خرق العادة به

ترجمہ جان لو کہ روح کا بدن انتقال کسی ایک حصہ بدن سے مختص نہیں بلکہ یہ بدن کے سارے اجزائے اصلیہ سے متصل اور اس پر پرتو انداز ہے کیونکہ وہ اجزائے اصلیہ ہی ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا۔ بہت سے لوگوں کا یہی کہنا ہے اور یہ جان لو کہ روح کا بصورت اس کے تجرد کے اعتقاد کے معین ٹھکانہ نہیں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس عالم میں ہے یا اس عالم سے خارج ہے جیسا کہ تم نے سنا اس صدمت میں اس کا مستقر وہ بدن ہو گا جس سے وہ متعلق ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی علمی رکاوٹ نہیں کہ ایک روح دو بدنوں یا ان سے بھی زیادہ ابدان سے متعلق ہو بلکہ دان کے ہاں، ایسا واقع بھی ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں ایک بدن اصلی (دنیا والا) ہے اور دوسرا مثالی جو کبھی خرق عادت کے طور پر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

اب آئیے ہم آپ کو چودہویں صدی میں لے چلیں۔ اس صدی کے اکابر علماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمد حسنؒ (۱۳۳۹ھ) حضرت مولانا غلیل احمد محدث بہار پوریؒ (۱۳۴۶ھ) مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ) اور مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۱۳۷۳ھ) سرفہرست ہیں۔ ان بزرگوں کے وقت میں دیوبند کے مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) تھے۔

جماعت المحدثین میں نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) اور مولانا ندوہ حسین دہلوی

(۱۳۲۰ھ) اس دور کے اکابر علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا الفرس شاہ کشمیریؒ (۱۲۵۲ھ)

ثم السؤال عندی یكون بالجسد مع الروح

ترجمہ: قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جسد سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے

فان البدن بدون الروح جواد لا حوالہ له والروح بدون البدن

معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الى الآخر فلما اشتراكا في

الكسب اشتراكا في الاجراء الوزر

ترجمہ: بدن بغیر روح کے ایک جمادی تیز ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر

بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے پس

جب یہ دونوں کسب عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ ترکیب ہیں تو یہ دونوں

(نیک اعمال کے) اجر اور (برے اعمال کی) پکڑ میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

ثم لاحاجة في اثبات عذاب القبر الى ما قاله الصوفية ان العذاب

على البدن المثالي دون المادی وحينئذ لا بعد ان لم نشاهد احدا

يعذب في قبره فان الاسهل ان يقال انه من عالم الغيب واقامة

الدلائل العقلية عليه جمل ومن بطريق ذلك

ترجمہ: عذاب قبر ثابت کرنے کے لیے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے

تجویز کی ہے کہ عذاب کسی بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور

اس صورت میں (بدن مثالی کی تجویز پر) استبعاد نہیں رہتا۔ اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب

پلٹے نہ دیکھ سکیں اس سے زیادہ سہل بات تو یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں

(جو ہماری نظر سے اوجھل ہے) اور عالم غیب کی حقیقتوں پر دلائل عقلیہ قائم کرنا

یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کر بھی کون سکتا ہے۔

فہمید مفتی اعظم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی (۱۳۴۶ھ)
 ۱۔ قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علین ہے یا بحین
 ۲۔ عذاب روح پر مع الجسم ہوتا ہے۔
 حضرت مولانا حسین علی صاحب (۱۳۶۲ھ)

اس بات پر کہ قبر کے سوال کے وقت روح بدن میں عود کتنی ہے اور
 تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ گو بدن ریزہ ریزہ اور متفرق و منقسم ہو چکا ہو احادیث
 متواترہ وارد ہیں۔

یہ چودہ سو سال کی شہادت آپ کے سامنے ہے ہم نے ہر صدی کے علماء کے بیانات
 آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ سنت الہی یہ رہی ہے کہ سو سال سے زیادہ اس امت میں
 کسی غلطی کو قرار نہیں، نہ امت کو اس پر رہنے دیا جاتا ہے۔ اس امت میں صدی دار محمد بن
 آتے رہے جو اس کے دین کو ہر دینی آمیزشوں سے پاک کرتے رہتے ہیں۔ سو جو شہادت چودہ
 سو سال سے ایک ہی پنج پر آ رہی ہو اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہوں کہ عذاب
 قبر برحق ہے اور یہ بدن اور روح دونوں کو شامل ہے اور کہیں بدن مثالی ہو بھی تو اس
 عذاب یا راحت کو اس بدن عنقریب سے بالکل لا تعلق نہیں رکھا جاسکتا۔ اور ان واردات
 برزخی میں جملہ اموات ایک ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں :-

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عودے کند روح بسوئے بدن وقت سوال و اس
 تعلق ہمیشہ میماند اگرچہ جسد جان دریدہ و متفرق و منقسم گردد۔

ترجمہ روح بوقت سوال بدن میں آتی ہے اس پر احادیث متواترہ وارد ہیں اور تعلق بعد میں بھی رہتا ہے

لہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۵ ص ۲۶ مطبوعہ دیوبند ۲ تحریکات حدیث ص ۲۵۷ لہ التکلیف ص ۳۲

وجملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و رد
جواب بر زائر برابر اند تخصیص بانبیاء و صلحاء نیست بل

ترجمہ جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر بزخ کے علم و شعور اور ادراک و سماع اور عرض اعمال میں
اور زائر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں۔ بزخ کی زندگی میں انبیاء و صلحاء کی تخصیص نہیں
بزخ کی یہ تیسرا کتب حاصل ہے گو ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات اور مقامات کے مطابق ہو۔
امید ہے نواب صاحب کی اس تقریر کے بعد غیر متقلد حضرات مولانا محمد اسماعیل صاحب
(گوجرانوالہ) کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذاب قبر کے باب میں اس عقیدے کو
شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسدِ غصری دونوں کو شامل ہے۔
اللہ رب الغرت جسدِ میت میں ایک ایسی بزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم و
لذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں
کی گنجائش ہے جو چیز مطلوب ہے وہ اس بدنِ غصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پر
عذاب قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے۔ وہ جس راہ سے بھی ہو اہل سنت کو کسی ایک پر
اصرار نہیں۔

ہاں مطالعہ کتب سے ہمیں دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت
سے باہر نہیں۔ ہاں جو نہ اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ
کی گرد میں جا چکا ہے۔ ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا۔
محدثین ان حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں جن میں قبر میں روح کے دوبارہ لوٹانے جانے کا ذکر
ہے۔ گویہ لوٹایا جانا دنیا کی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے
بدن مدفون میں اتنی حیات مانی جاسکے جو وہاں کی الم و راحت کا ادراک کرے۔

مسکب محدثین — بحث اعادہ روح

محدثین علم نبوت کے امین ہیں اور مشکمین اس کے پہرہ دار — اسلام پر جب کسی نے فکری حملہ کیا مشکمین نے انہیں اپنی کے ہتھیاروں سے عقل، تجربات، مشاہدات، اور ان کی روایات سے شکست دی لیکن دائرہ امت کے اندر علم کے جو چراغ جلے وہ محدثین نے ہی جلائے ہیں۔ فقہاء نے یہ کوشش کی کہ ان چراغوں کی روشنی جتنی دور تک لے جاسکیں لے جائیں اور کتاب و سنت کے منصوص مسائل کو غیر منصوص حدود تک پھیلا دیں۔

زندگی کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے آسان ہیں۔ مابعد الموت حقیقتوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ انہیں جب بھی کسی نے اٹھانے کی کوشش کی عقل السانی ان کی انتہاء گہرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی مشکمین نے اپنے انداز میں فکر اسلامی کا پہرہ دیا لیکن احادیث امت نے ہمیشہ محدثین کے سایہ میں پناہ لی۔ یہ سارا کاروبار مجتہدین کے سایوں میں چلتا ہے اور یہی آج امت کے لیے صراطِ مستقیم ہے اور یہ وہی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے۔ وہ نہ مورد غضب ہوئے نہ راہ سے بہکے اور بھٹکے۔

جب ہم میت کو دفن کرتے ہیں تو اس پر کیا گزرتی ہے اس پر تباینِ عالم کے پردے پڑے ہیں۔ قبر کے اندر جھانکتے بھی رہیں تو اس عالم کی آنکھیں عالمِ برزخ کی واردات کو پا نہ سکیں گی اور ان پر یہ پردہ قیامت تک پڑا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحبِ مقام پر یہ پردہ کھول دیں علمی زبان میں اسے کشف کہا جاتا ہے۔

پروے کے پیچھے کی حقیقتوں کو جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم لسانِ نبوت پر اعتماد کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسے حضرت خضر کے سپرد کر دیں۔ آخر ہر بات کا جاننا

بھی تو ہمارے لیے ضروری نہیں، کوئی بیرونی فکری حملہ ہو تو مشکمین کے حصار میں رہ کر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی زینے

پیشتر اس کے کہ ہم اعادۂ روح کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے عمومی موقف پر بحث کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے عمومی مزاج پر کچھ بات کر لی جائے اور پھر یہ بات سمجھی جائے کہ ہم لوگوں (متاخرین) کے لیے تصحیح روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے۔ ان راویوں کے حالات اسماء الرجال سے ملتے ہیں۔ دیانت اور یادداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں۔ یہ لائق اعتماد ہوں تو روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت واجب الرد نہیں لائق تبیین ہے ممکن ہے اور قرآن (دیگر قریب کے حالات) سے یہ پختہ ہو جائے قرآن کریم نے ہمیں یہ اصلی تعلیم دی ہے۔

يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا على ان تصيبوا

قوم بجمالة فتصحبوا على ما فعلتم فادمنه

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کا تبیین کرو (اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو) کہیں الیا نہ ہو کہ تم ناواقف ہی کسی قوم سے جا اکھو اور پھر اپنے کئے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

مشکین حدیث کا طریق وارادات یہ ہے کہ جو نہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلاف نظر سے گزرا چک لیا کہ یہ روایت تو کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے اہل علم کہیں گے اصل ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو۔ جب تک اس کے خلاف واضح السبب

جرح نہ آجائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبتین السبب نہیں تو دونوں طرف کے ائمہ جرح و تعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا۔ جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑتا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق و اردات ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف سو تو دہیں کیا حضرت امام شافعیؒ پر یحییٰ بن معینؒ کی جرح نہیں کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گزرے۔

ما من الاثمة الا وقد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون۔

ترجمہ: ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گزرا مگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ رواد کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور معدلین میں قوت اور غلبہ دیکھا جائے۔ اندھے کی لامٹھی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر ہے کہ تصحیح حدیث صرف تصدیق رواد سے نہیں ہوتی ائمہ فن کی تصحیح و تصدیق سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔ حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:-

اذا العدة في زماننا ليس على الرواة بل على المحدثين والمفیدین
والذين عرفت عدالتهم وحديثهم في ضبط اسماء السامعين۔

ترجمہ: ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راہ راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت جاتی جا چکی

اور ان کا صدق راویوں کے ضبط اعتماد میں جانا جا چکا۔

فن کے عارفین اور علماء بارعین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کی نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی صداقت کو دو سطروں میں اُگل سکیں گے۔ جرح و تعدیل کے مقتدر امام عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:-

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعثل الحديث من اين قلت
هذاه لم يكن له حجة۔^۱

ترجمہ۔ اور حدیث کی معرفت ایک دل میں اتری صداقت ہے آپ اگر کسی علل حدیث کے عالم سے پوچھیں کہ یہ بات تو نے کہاں سے کہی ہے تو شاید وہ بھی اپنی بات پر حجت قائم نہ کر پاتے۔

حافظ بلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

ان الجرح انما جوز في الصدر الاول حيث كان الحديث يوحذ من
صدور الاخبار لا من بطون الاسفار اما الآن فالعمدة
على الكتب المدونة۔^۲

ترجمہ۔ جرح پہلے دور میں اس لیے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں۔ لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ اعادہ روح کی حدیث کو کن کن ماہرین فن نے قبول کیا ہے۔

آئیے اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) جو حضرت امام بخاری

اور امام مسلمؒ کے استاد ہیں کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔

حدیث اعادۃ روح

حضرت امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن خازم ابو معاویہ سے لی۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ حدیث ہمیش سے لی۔ وہ اسے منہال بن عمرو سے اور وہ اسے زاذان تابعی سے روایت کرتے ہیں۔ زاذان اسے براہ بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہونے کے بعد ساتویں آسمان پہنچائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کا نام علیتین میں لکھو اور پھر اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ کیونکہ۔

منہا خلقتہم و فیہا اعیدہم و منہا اخرجہم قارۃ اخریٰ بلہ

ترجمہ۔ میں نے انہیں اسی سے (مٹی سے) پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں پھر اٹھاؤں گا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے اُسے حدیث کے الفاظ میں پڑھیں۔

فتاد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ
من ربک بلہ

ترجمہ۔ سو اس کی روح پھر اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے

آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا پالنے والا کون ہے ؟

صحاح ستہ کی مرکزی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور اسے ابو داؤد و الطیالسی

نے بھی روایت کیا ہے۔ ہر قبر میں میت روح کا پھر سے آنا اس کے علیتین یا سحین میں جانے کے منافی نہیں۔

لہ ماخوذ من ۱۔ مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۸۶ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۴ ابن جریر جلد ۱۳ ص ۲۱۴

مشکوٰۃ ص ۱۴۲ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۹۸ مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۱۶ میں ہے فیرد الی الارض فتاد روحہ فی جسدہ۔

محدث حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح کا اقرار کیا ہے۔ حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:-

وفي هذا الحديث فوائد كثيرة لأهل السنة وفتح المبتدعة.
ترجمہ۔ اور اس حدیث اہل السنۃ کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب اکھاڑ ہے۔

حاکم (۴۰۵ھ) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے تھے جو عذاب قبر کے منکرت تھے۔ ابن حزم (۴۵۶ھ) بھی اس کے قریب قریب ہوئے جو عذاب قبر کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث برابر روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک عذاب قبر اور اس کے روح و جسد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ کل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابو معاویہ ثقہ ہے (تقریب للحافظ ابن حجر ص) دوسرا راوی سلیمان بن مہران الأعمش بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۲۵) تیسرا راوی منہال بن عمرو ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب جلد ۱۰ ص ۳۲) شعب اس کی روایت نہ لیتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز سنی گئی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سنی۔ یہ ہو سکتا ہے کسی نے بے پر کی اڑادی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے:-

ليرى صرحه ذلك وجرحه بهذا العسف ظاهر وقد وثقه ابن معين
والعجلي وغيرهما.

ترجمہ گھر سے ساز کی آواز کا سُنا جانا اس سے صحیح طریق سے ثابت نہیں اور انہیں اس وجہ سے مجروح ٹھہرانا ایک کھلی زیادتی ہے یحییٰ بن معین اور محلی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اگر کسی نے انہیں سنی المذہب کہا ہے تو وہ اسی ذہن سے ہو گا کہ یہ سزا کو جائز سمجھتے ہیں جب یہ کہانی ہی غلط ہو گئی تو اس قبیل کی سب جرحیں جو ابن حزم نے پیش کی ہیں یکسر اڑ گئیں اگلا راوی ابو عبد اللہ زاذان الکندی ہے یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں۔ ثقہ لا یسئل عن مثله۔ (تہذیب جلد ۳ ص ۲۶۱) ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسے راویوں کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ابن حبان اسے کثیر الخطا کہتے ہیں لیکن علماء سے پوشیدہ نہیں کہ ابن حبان ان علماء میں سے ہے جنہیں جرح میں متشدد کہا جاتا ہے یوان کی جرح معتبر نہیں۔ اس کے بعد حضرت براہ بن عازب رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ منہال بن عمرو اور زاذان کے بارے میں لکھتے ہیں:- اما المنہال فمن رجال البخاری وحديث زاذان مما اتفق السلف والخلف علی روايته وتلقيها بالقول۔

ترجمہ۔ منہال بن عمرو صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور حدیث زاذان پر اس کی روایت پر اور اس کی تلقی بالقبول پر سلف و خلف سب جمع ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں:-

ولم يضع من قدح في صحة هذا الحديث شياء كما بن حزم للنصره لمذهبه الباطل۔

ترجمہ جس نے اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب ڈھونڈا اس نے کوئی چیز ثابت نہیں کی جیسے ابن حزم اپنے باطل نظریے کی نفرت میں اس حدیث پر جرح کرتے ہیں۔ یہاں بدن میں روح کے نہ لوٹنے کے عقیدہ کو مذہب باطل کہا گیا ہے۔

حدیث کی تصحیح کر نیوالے اور اُسے قبول کرنے والے محدثین

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۶ھ) اسے اپنی کتاب کتاب الزہد والستقاق کے ص ۴۲ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ اسے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۴۵ھ) میں دیکھے۔ علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابو داؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آئیے اب چوتھی صدی میں دیکھیں۔ امام ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر جلد ۳ ص ۲۱۴ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہؒ (۲۴۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں :-

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ الْإِسْنَادُ

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) اسے مستدرک میں لاکر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گو انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔ — ووافقه الذہبی فی تلخیصہ علی المستدرک۔

علامہ ابو المنظر الاسفرائینی (۴۴۷ھ) بھی لکھتے ہیں :-

واخبرناهم يحيون في القبور وقد ورد في معنى احياء الموتي في القبور

مالا يخصي من الای والاخبار والاثار

ترجمہ اور آپ نے خبر دی ہے کہ اموات کو انکی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ کئے جانے پر اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ساتویں صدی کے علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

وروی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراءؓ۔

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد السجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت براء بن عازبؓ (صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:-

ورواه الامام احمد وغیرہ و هو حدیث اجمع رواة الامش علی شہرتہ و

استفاضتہ وقال الحافظ ابو عبد اللہ بن مندہ هذا الحدیث

اسناد متصل مشہور و رواہ جماعة عن البراءؓ۔

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دوسرے کرامہ نے روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ

تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوئے ہیں اور حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ

نے کہا ہے اس حدیث کے سب رواہ آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی

ہے اسے حضرت براء بن عازبؓ سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

الاحادیث الصحیحة المتواترة قدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال۔

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر و نیکر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں

دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:-

و هو حدیث صحیح صححه جماعة من الحفاظ۔

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک

جماعت کی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

هَذَا حَدِيثٌ مَشْهُورٌ مُسْتَفِيزٌ صَحَّاحُهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحَفَازِ وَلَا نَفْلَمُ
 أَحَدًا مِنْ أُمَّةٍ الْحَدِيثَ طَعَنَ فِيهِ بَلْ سَادُوهُ فِي كُتُبِهِمْ وَتَلَقَّوْهُ
 بِالْقَبُولِ وَجَعَلُوهُ أَصْلًا مِنْ أَصُولِ الدِّينِ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيمِهِ
 وَمَسْئَلِهِ مَنْكَرٍ وَنَكِيرٍ وَقَبْضِ الْأَرْوَاحِ وَصُورِهَا إِلَى بَيْنِ يَدَيِ
 اللَّهِ ثُمَّ جُوعِهَا إِلَى الْقَبْرِ ۚ

ترجمہ یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر مستفیض ہے اسے حفاظ
 حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں
 سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت
 کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب
 و ثواب اور سوال نکیر من اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اثر کے
 حضور حاضر ہونے اور پھر سے قبر میں چلے گئے کے باب میں ایک اصل
 ٹھہرایا ہے۔

فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ لَا شَكَّ فِيهِ ۚ

ترجمہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ سبکیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں :-

وَرَجَالُ اسْنَادِهِ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ .

ترجمہ اور اس کے رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں علامہ نور الدین الہیثمی (۸۰۷ھ) جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

کے استاد ہیں نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، آپ لکھتے ہیں :-

رواه احمد و رجاله رجال الصحيح ۚ

ترجمہ۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند سب صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۸۵ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔^۱

نقاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث.^۲

ترجمہ۔ روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔ دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:-

وقال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح بالبدن وقت السؤال.^۳

ترجمہ۔ اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر درجے کی احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں:-

زاد في حديث البراء فتقادر روحه في جسده.^۴

ترجمہ۔ اور حدیث براءؓ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔ سیدنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:-

فتقادر روحه في جسده ظاهرا للحديث ان عود الروح الخ جميع اجزاء بدنہ.^۵

ترجمہ۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۴۲ھ) نے بھی اعادہ روح بجسد کی تصدیق فرمائی ہے!

۱۔ دیکھئے فتح الباری جلد ۵ ص ۵۰۴۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۴۴۔ شرح الصدور ص ۶۷۔
۲۔ فیض القدر جلد ۲ ص ۲۴۲۔ مرقات جلد ۲ ص ۱۵۔ مکتوبات دفتر ۱ مکتوب ۶ ص ۶۷۔

واختلف في ان الميت يعذب باحياءه في القبر او يجعل الروح في
مقابلته او بنوع آخر ما يعلمه الله ولا نعلمه ولا ظهر الا صوب
انه بالاحياء واعادة الروح وهو ظاهر الاحاديث.

ترجمہ۔ اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر میں اسے زندہ کر کے ہوتا ہے یا روح اس کے جسد
کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے (کہ وہ جسد اس کے تعلق سے عذاب پاگے یا کسی اور طریقے سے جسے مذہبی جانتا
ہے اور ہم نہیں جانتے اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ
میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھر لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔
تیسری صدی کے حضرت قاضی شہار الشریانی پتی (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں۔

فيعاد روحه في جسده وكذا قال في الكافر فيعاد روحه في قبره
قال ابن عبد البر هذا اصح ما قيل.

ترجمہ۔ میت کی روح اس کے جسد میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے
میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں لٹائی جاتی ہے۔ ابن عبد البر مالکی کہتے ہیں کہ اس سلسلے
میں متنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شہرکانی (۱۲۵۰ھ) نے تو اس کے تو اثر کا دعویٰ کیا ہے کہ اب کسی کو اس مسئلہ میں
قیل و قال کی حاجت نہیں۔

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر.

ترجمہ۔ اور اس پر احادیث کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حد تواتر کہ پہنچ رہی ہیں۔

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسی (۱۲۶۰ھ) فرماتے ہیں۔

والجسم هو ر علي عود الروح المح المجد.

ترجمہ۔ جمہور اہل اسلام اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) بھی رقمطراز ہیں۔

احادیث متواترہ اندر برآئیکہ عود کند روح بسوئے بدن وقت سوال واپس تعلق
ہمیشہ می ماند اگر جسم جاں دریدہ و متفرق و منقسم گردد۔
ترجمہ۔ روح سوال نیکرین کے وقت بدن کی طرف عود کرتی ہے اس پر متواتر احادیث
وارد ہیں اور روح کا بدن سے یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ انسان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے
ریزہ ریزہ اور مختلف حصوں میں بٹ چکا ہو۔

چودھویں صدی کے مولانا السید احمد حسن (ح) لکھتے ہیں:-

وقال البيهقي هذا حديث صحيح الاسناد

ترجمہ۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند بالکل صحیح ہے۔
والحدیث صحیح۔

ترجمہ۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ چودہ سو سال کا تاریخی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کی روشنی میں
کوئی منصف مزاج اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گا کہ دنیا اور آخرت کے مابین ایک برزخی
زندگی ہے جس میں روح کا ایک نہایت خاموش اور باریک تعلق بدن منصری یا اس کے
فدات منتشرہ سے قائم رہتا ہے۔ یہ تعلق اعادہ روح سے ہوتا ہے مگر یہ اعادہ اس طرح کا
نہیں جیسا کہ ہم اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں۔ یہاں زندگی دو طرف سے قائم ہے اندر روح
سے اور باہر غذا اور نشوونما سے۔ — وہاں زندگی اس تغذیہ و تنمیه کے بغیر قائم ہوتی ہے
اسے دنیوی حیات کہنا درست نہیں۔ لہذا یہ کہ یہ مراد ہو کہ یہ برزخی زندگی دنیا والے اجساد
میں ہے کسی اور مثالی بدن میں نہیں۔ قبر کا عذاب وہی بدن برداشت کرے جس نے کر لیا۔
کہتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر مکیؒ (د ۹۷۳ھ) سے پوچھا گیا میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہوتا ہے تو اس پر کافر ملنے کا کیا فائدہ؟ — حضرت علامہ نے جواب دیا۔

الحكمة ما هو مقرر عند اهل السنة والجماعة من ان البدن ينعم بأنواع النعيم كالروح وحيثما بقى اتصل به النعيم الى ان — فان البدن بينه وبينها عناية الازمات والمنااسبة.

ترجمہ جو چیز اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ بدن بھی روح کی طرح مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور حب تک یہ باقی رہے نعمت برزخ اس کے شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان نہ رہے۔ کیونکہ بدن اور روح کے مابین ایک تعلق اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو سمجھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؟ فاجاب بالذی فی البخاری انه یسئل قاعداً او کذا فی ابن ماجہ۔

ترجمہ آپ نے جواب دیا جو بات صحیح بخاری سے ملتی ہے یہی ہے کہ اسے سمجھا کر اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامۃ بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی مربوط رہے گی۔ بدن کی واردات صرف روح سے متعلق کرنا یہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وچوں تو مے از مبتدعہ و اہل ہوا کہ اکثر معتزلہ و بعضی ردانقض باشند انکار کردہ اند عذاب قبر را و احادیث شہرہ کہ قدر مشترک ازاں سجدہ تو اثر رسیدہ

دراں ورود یافتہ است و سلف صالح پیش از ظہور اہل بدعت و انکار ایشان
 ہمہ اتفاق داشتہ اند بہ ثبوت آل و اعتقاد بدال و اختلاف کردہ اند
 کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح
 باموے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار خواہد مارا بدر یافت کہنہ حقیقت آل
 راہ نباشد و حق آل است کہ با حیار است . چنانکہ ظاہر احادیث دال است
 بر آل بل

ترجمہ . اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کئے گئے کہ بیشتر ان میں معتزلہ ہیں اور کچھ رافضی
 بھی ہیں عذاب قبر کا انکا کہتے ہیں اور شہرت کے درجہ میں پہنچی ہوئی احادیث کہ ان کی قدر مشترک
 تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتوں کے ظاہر
 ہونے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے

ہاں ان میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے
 یا روح کو اس کے جسد کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں
 — اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ
 کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر اتنا بھی تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ الم و
 راحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے۔ لیکن یہ
 حضرات اگر اسی پر مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور اس میں الم
 و راحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرہ سے نہیں نکال
 سکے گا۔ انہیں چاہیے کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر بدیں قدر الم و راحت در میت برحق
 ہے۔ حضرت شیخؒ لکھتے ہیں :-

اگر ہمیں قدر بدانتند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بدایں چیزے اَلْم
وراحت در یابد در اعتقاد صحیح کفایت است بل

ترجمہ اگر اتنا ہی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مرے میں ایک ایسی حالت پیدا فرمادیتا ہے کہ وہ اس
سے اَلْم وراحت کا ادراک کر سکے تو عقیدہ صحیحہ کیلئے یہ بات بھی کافی ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر بدن کو بالکل بے جان اور بالکل بے حس و شعور مانیں تو پھر اسکے جتنی عقیدہ سمجھنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔
ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہل حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کر دی ہے
اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام مقدرہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوچے
اظہار تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فی بعض مناسکہ

ثم یأتی الروضة بین القبر والمنبر فیصلی بہا ویدعوا بما شاء ثم یأتی
قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیستقبل جدار القبر..... ویقف متباعدًا
كما یقف لو ظہر فی حیاتہ مخشوع وسکون منکس الرأس غاض الطرف
مستحضراً بقلبه جلالة موقفه ثم یقول السلام علیک یا رسول اللہ و
برکاتہ السلام علیک یا بنی اللہ وخیرتہ من خلقہ السلام علیک یا
سید المرسلین وخاتم النبیین وقائد غر المحجلین اشہد ان لا الہ
الا اللہ واشہد انک رسول اللہ بل

وفات کے بعد دنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیا ہے؟ جو روح و بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تحت سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہوتی یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور نشوونما اس کے آثار میں سے ہے

اس جہاں سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ و اعلیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات النبی کی بحث میں عوام کے لیے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہو گا۔ ہم نے اس کتاب کے ٹائٹل پر یہ الفاظ جلی خط میں لکھ دیئے۔ مگر گنبد خضر کی حیات برزخی کا بیان۔ مبادا کوئی اس حیات طیبہ سے بالکل دنیا کی زندگی مراد نہ لے لے۔

وفات کے بعد پھر اس دنیوی زندگی میں آنایہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ جعت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ کے ہاں وعدہ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے حبید اطہر سے ہے۔ گو یہ اس عالم کے لیے کھلی زندگی نہیں۔ آپ برزخ میں اسی حبید اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لیے بے شک حسی ہے۔ لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے۔ نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجود نظر آتے ہیں۔ ایک سو یا ہوا آدمی خواب کی دنیا میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہے۔ مگر اس کے پاس بیٹے

والے اس کے جسد میں کوئی آنا جانا اور نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پر قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنادے کہ اُدھر پورا عمل ہو اور اُدھر حرکت تک محسوس نہ ہو۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر یہاں (اس دُنیا) کے لوگوں کو بالکل سکون میں دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے حق میں پوری حسی ہو آپ اسے اسی طرح طرح محسوس کریں۔ جیسا کہ اس عالم میں آپ نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو اللہ رب العزت بے شک اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے، جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دُنیا والوں کو اس بدن اطہر میں کوئی حرکت محسوس نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسد اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا۔ اس طرح نرم و نازک اور تازہ نہ رہتا۔ جیسا کہ وہ روضہ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے۔ جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

وہو الیوم کما وضع بے

ترجمہ۔ اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسد اطہر اسی طرح نرم اور تازہ ہے۔ جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسد پاک کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے جس سے آپ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سُنتے ہیں۔ آپ عالم برزخ میں اپنے جسد اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ اپنی قبر مبارک میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور آپ کے لیے قبر مبارک کی وہی وسعتیں نہیں جو ہمیں روضہ مبارک کی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مسافتوں اور لطافتوں کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا اللہ رب العزت

جوان عجب اب اور کوائف کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء نہیں یہ بحث ممتنا آگئی ہے۔ حیات انبیاء پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداء کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے مابین جو برزخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں۔ نہ اس میں تصرف آب و ہوا ہے نہ مادی نشوونما ہے۔ برزخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔

بدن عنقریب سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۵۱۵، ۵۱۶) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم برزخ میں روح کا عود کرنا اس طرح نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے۔ روح و بدن کے تعلق کی یہ ایک جدید نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

ان الدوح تعاد بین الجسد والکفان وهذا عود غیر التعلق الذی

کلن لہما فی الدنیا بالبدن وهو نوع آخر وغیر تعلقاتہ حال النوم

وغیر تعلقاتہ وہی فی مقدرہا بل هو عود خاص للمسئلۃ۔

ترجمہ بیشک روح جسد اور کفن میں لٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر کوٹ آنا اس تعلق سے مختلف ہے جو اسے اس دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اس بدن کو روح نیند میں حاصل تھا اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد سے اپنے مقر میں موجود ہوتے سمجھنے بدن کے حاصل تھا یہ سوال نکیرین کی خاطر روح کا بدن کی طرف پھر پلٹنا ہے اور یہ ایک خاص قسم کی پلٹ ہے (جوان تمام پہلے تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح قبر میں بدن میں لٹتی ہے

شرح عقائد میں ہے۔

ويعجزان مخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحياة
قدر ما يدرك الم المذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم إعادة
الروح الى بدنه ولا يتحول ويضطرب ۛ

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک
طرح کی حیات پیدا کر دے جس سے وہ قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی
لذت پاسکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف (کاملتہ) لوٹے اور
مزمزمی ہے کہ وہ حرکت کرے اور بٹے جُلے۔
یعنی عذاب قبر کے لیے مطلق حیات چاہیے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے۔
یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں۔ مگر علامہ عبدالعزیز پرہاڑی ۴۰
لکھتے ہیں :-

ان الحياة للميت ليست كحياة غيره باعادة الروح في الجسد اعادة
كاملة ۛ

ترجمہ۔ میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جسد میں
کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادہ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے
تعلق سے ہے گو یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہ ہو۔ روح و بدن کے تعلق کی ایک جدی نوع ہو۔
عافذا بن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) صریح لفظوں میں کہتے ہیں :-

هذه الحياة ليست دينوية انما هي اخروية ۛ

ترجمہ۔ قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے۔

لا تشبه حياة الدنيا. وه حیات دنیوی زندگی کی سی نہیں ہے۔

الحیوة فی القبر للمسئلة لیست الحیاء المستقرة للمعمودة فی الدنیا
القی تقوم فیها الروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج الحما
یحتاج الیه الاحیاء بل هی مجرد اعادة لفائدة الا متحان الذی
وردت به الاحادیث الصحیحة ۛ

ترجمہ قبر میں سوال و جواب کے لیے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں جس کا وہ دنیا میں
عادی تھا جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور روح ہی بدن میں تدبیر کرتی ہے
اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندے محتاج ہوتے ہیں جیسے غذا اور
نشوونما، بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعادہ روح ہے جس سے سوال و جواب کا وہ
فائدہ پورا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن ہمام کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) امام قونوی سے
نقل کرتے ہیں:-

قال الامام القونوی اختلفوا فی انه یخلق فیہ حیوة مطلقة کحیوة
قبل الموت او حیوة بقدر ما یحس الالم والصیحح هذا ۛ

ترجمہ علامہ قونوی فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا
کر دی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے اسے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی
ہے جس سے وہ عذاب قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔
سیدنا ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں:-

ولکل روح بحسب ما اتصال مضموی لایشبه الاتصال فی الحیوة
الدنیا بل اشبه شیء به حال النائم وان کان هو اشد من حال النائم
اتصالاً وبهذا یجمع بین ما ورد ان مقرها فی علیین او سبیین

وبین ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انما عند افئدة القبور
ترجمہ۔ اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک اتصال ہوتا ہے جو اس اتصال سے جو
اسے پہلے دنیا میں تھا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے، وہ سونے
والے کا حال ہے۔ اگرچہ یہ قبر کی زندگی روح کے اتصال میں سونے والے کے حال سے
زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقبر علیین
میں یا سجن میں ہے اور اس میں جو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح
افئدة قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت
سے کہتے ہیں :-

در قبر احیاء امانت حقیقیہ نیست کہ تغذیہ و تنمید بدن ہمراہ اس نے
باشد۔

ترجمہ قبر میں مسیت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں۔ اس قبر کی زندگی میں نہ
بدن کو دیہاں کی غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشوونما ہوتی ہے۔
اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہان
دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے۔ لیکن
صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر اطمینان یا راحت کا ادراک ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے۔ جس میں روح
نہایت لطیف پیرایہ میں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اس عالم میں ردالروح الی الجسد
ای درجہ میں ہے نہ کہ کاملاً جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان شروع سے
منظوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور چونکہ یہ اسی

بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا۔ اس لیے اس کو بعض علماء نے حیات برزخی دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیات دنیوی نہیں برزخی ہے۔ یہاں منہیں عالم برزخ میں ہے۔ یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

منہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا کہ بعض علماء ان دلوں الیا پر ایہ بیان اختیار کیے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

① — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر زندہ ہیں تو بتائیں صحابہ کرامؓ نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا۔ کیا یہ حضورؐ کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے۔ اگر آپؐ زندہ ہوتے تو صحابہؓ آپ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ

جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ غلط کر رہے ہیں۔ یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب! آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

② — اگر صحابہؓ حضورؐ کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابیؓ نے یہ کیوں نہ کہا۔ چلو حضورؐ سے یہ مسئلہ پوچھ لیں معلوم ہوا وہ آپ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ

یہ مشورہ لینا اور دنیا اس دنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں حیات النبیؐ کے

قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں — اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دنیوی کہا ہے تو یہ باعتبار ظرفیت دنیوی نہیں ہے۔ اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دنیوی کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

③ — حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ کی آواز سنائی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ

یہاں کے لوگ صرف وہی آواز سن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ اگلے جہان کی آواز یہاں سنی جائے یہ بدوں اسماع باری ممکن نہیں۔ مہتار یہ سوال ان لوگوں سے تو ہو سکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوں اور انتقال دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

④ — یہ میں کار میں بیٹھا ہوں۔ شیشے بند ہیں۔ میں باہر کے منظر کو دیکھ تو رہا ہوں سن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سن نہیں پاتا۔ تو سوچو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سنتے ہوں گے۔

تبصرہ

شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان داخلی فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور کو اس دنیا میں رہنے والا مانتے ہیں — منہیں علمائے دیوبند آپ کے اتعال دارین کے قائل ہیں۔ حضور کے سننے کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی — اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔

یہاں دنیوی سے مراد علاقہ ظرفیت نہیں آپ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں لیکن آپ کے اپنے حق میں وہ حیات حسی جسمانی ہے اور اسی جسد اطہر میں ہے جو اس دنیا کا تھا۔ البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لیے مد رک اور مشاہد نہیں۔ الایہ کہ خدا تعالیٰ کسی کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھا دے۔

پیر طریقت کی یہ چار طریقوں کی رپورٹ ہمیں ملی ہے ان پر مجموعی غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی پہلو سے آپ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں — عاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں۔ اس پہلو سے آپ کی حیات دنیوی کا اعتقاد ہرگز اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیوبند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلاف سے بچ نہیں جاتے

حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے ؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی

۱۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۱۱ امام فخر الدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں: فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔ سو یہ ادراک مگر عالم برزخ میں بڑھ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ہی کے قائل ہیں۔

موجودہ حالات میں اعتباط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اسے حیات دنیوی نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا ملزم نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ حضور کو اس دنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقال دارین کا قائل نہیں۔ (استغفر اللہ) ایسا شخص اہل السنۃ والجماعہ میں سے ہے۔ وہ ہرگز اہل حق سے باہر نہیں۔ قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیل عرض اس لیے گزارش کی گئی ہے کہ سلسلہ حیات البنی میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے سمجھا جائے۔ المہند میں حیات برزخیہ دنیویہ کے الفاظ کو اپنی معنی میں سمجھا جائے جو علماء دیوبند اس سے مراد لیتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقال دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یہ یقیناً ہمارے دل کی آواز ہے تو پیر طریقت کو بھی وہ تقریریں نہ کرنی چاہئیں جنہیں ہم ابھی مختصر بتوروں کے ساتھ ہدیہ قارئین کر آئے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشغیب عوام کا سبب توڑ سکتی ہیں۔ لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں دکنی باللہ شہیدا۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دنیوی زندگی

بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے اعتبار سے اسے دُنیوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ثَبَّتَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

الْآخِرَةِ. (پ: ابراہیم: ع ۴ آیت ۲۷)

ترجمہ: مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت برار بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لیے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطا فرماتا ہے۔

یہ قبر کے سوال اور ایمان پر ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال و جواب ہے۔ قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیات دنیوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے۔ سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دنیوی زندگی میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے یہ ایک کھلی دنیوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دنیوی زندگی ہے اسے بزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی (۵۱۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دنیوی زندگی کا یہی معنی کرتے ہیں :-

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مِنْ السُّوَالِ فِي الْقَبْرِ وَالْآخِرَةِ السُّوَالِ فِي الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے۔

تفسیر خازن میں ہے :-

الحیوة الدنیا بمعنی حیاة فی القبر عند السؤال ۱۰

ترجمہ یہاں حیات دینا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قبر اور قیامت دونوں منزلوں کے سوال و جواب کو دنیوی الآخرة سے متعلق کہا ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دیوبند نے ہی کیا ہو۔ بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔
قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر (حیوة دنیا میں) یا ادھر (حیوة آخرت میں) جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں ۱۱

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ۱۲ بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے موطن دنیوی ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے ۱۳

برزخ صغر نے چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد
و احوال این وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند
کہ در قبر نمادے گزارد۔

ترجمہ برزخ صغریٰ ایک چھوٹا موطن دنیوی ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے۔ برزخ کے
مال مختلف ہیں جو کہ بہت تفاوت رکھتے ہیں۔ آپ ص ۱۱۱ انبیاء احوال دیکھو فی مقدمہ ہی ہوگی اور جیسے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب محمد علیہ السلام کی قبر کے پاس گئے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

برسر مطلب آدمیم

اصل بحث عامہ اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذابِ قبر پر بحث کر رہے تھے حیاتِ البتہ کا مسئلہ ضائع ہو گیا۔ کیونکہ یہ حیاتِ طیبہ بھی قبر ہی کی بہار ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں۔ جمہور اہل السنۃ و الجماعۃ عذابِ قبر اور نعیمِ قبر کو روح اور بدن دونوں سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدنِ منصری سے ہے محض بدنِ مثالی سے نہیں۔ وہ جتنے بھی ہوں مقدور باری ہیں لیکن حکمتِ الہی اسی میں ہے کہ عذابِ قبر اسی بدن سے متعلق ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو (یا اس کے ذرات منتشر ہو) جو کامل صورت میں آخرت میں معذب ہو گا۔ دنیا میں بھی گناہ اسی بدن سے کیئے۔ عذابِ برزخ بھی اسی بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہیئے اور ضرور ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر ہو۔ عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں۔ جمہور اہل السنۃ کا فہم یہی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن کو شامل ہے۔ یہ حقیقتِ اعادۂ روح سے قائم ہو یا تعلق روح سے۔ اس میں دونوں طرف اہل حق کی تصریحات ہیں۔ محدثینِ اعادۂ روح کے قائل ہیں اور مشکلیں معتزلہ، کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لیے وسعتِ تعبیر کے قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیاتِ برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو راہ نہیں پاسکتا برزخ میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرمدیں دنیوی زندگی کو چھوٹی ہیں۔ بایں ہمہ ان سے دنیوی زندگی مراد نہیں۔ جو اس جہاں سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں۔ گویہ برزخی زندگی بھی بعض پہلوؤں سے موطنِ دنیوی میں سے ہو۔

حیاتِ برزخی کا دنیوی پہلو

یہ دنیا دار العمل ہے موت پر زنجیر عمل کٹ جاتی ہے۔ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں۔ برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔ وہ بایں معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ یہ انبیاء کی حیاتِ برزخی کا دنیوی حصہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبور هم یصلون تسرد فی ذکر الحیوة
افعالہا لا اصلہا اور اذ مع الاجساد فان اجسادہم حرمت علی
الارض۔

ترجمہ۔ سو اللہ کا بنی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء
احیاء فی قبور ہم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں، افعال حیات کے
بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ
ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمالِ حیات مراد ہوں یا اجسادِ حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالمِ برزخ عالمِ
تکلیف نہیں۔ یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آجائے۔ واعبد ربک
حتیٰ یاتیک الیقین (پاک حجرات ۹۹) حکم الہی ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہے جب
تک موت نہ آجائے۔

سو عالمِ برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں۔ قربِ الہی میں اور بڑھنے
کے لیے ہے۔ یہ ذوقِ عبادت کی مزید لذت پانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی
لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جبکہ سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

اعمال طاعت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل پیرائی یہاں کی زندگی ہے۔ انبیاء کی حیات برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جہد کی سلامتی انہیں اس لیے ملی ہے کہ عمل اس کے بغیر قیام نہیں پکڑتا۔ انبیاء وہاں اپنی نقل و حرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے۔ یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سُن سکتے ہیں۔ اَلَا یَہْدٰی اللّٰہُ تَعَالٰی خُودَ کَسی کو دکھادیں یا سُنادیں۔

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو برزخ میں جانے نہ دیتے۔ آپ نہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ اَنْتَ مَیِّتٌ وَاَنْہُمْ مَمْلُوءٌ پورا ہوتا اور آپ پھر براہِ راست آخرت میں چلے جاتے یہ بدوں برزخِ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی۔

برزخ کی کلی نفی اور حیاتِ دنیوی کا امتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امتدادِ حیات کا موقع دیا گیا تھا اور آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ آپ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیاتِ دنیوی پر ترجیح دی۔ حضرت ابو موسیٰ حبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضورؐ نے مجھے فرمایا:-

وَلَا حَمْدَ اِیْضًا مِنْ حَدِیْثِ اَبِی مَرْثَدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ اِنِّیْ اُوْتِیْتُ مِنْ اَمْرِ مَخْرَاجِ الْاَرْضِ وَالْخُلْدِ ثُمَّ الْجَنَّةُ فَخِیْرَتِ بَیْنِ ذٰلِکَ
وَبَیْنِ لِقَاءِ رَبِّیْ وَالْجَنَّةُ فَاخْتَرْتُ لِقَاءَ رَبِّیْ وَالْجَنَّةُ ۖ

مجھے زمین کے خزانوں کی کُنجیاں دی گئیں اور یہ کہ میں قیامت تک رہوں۔ پھر
اگے جنت ہے مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات
اور جنت میں جانے کی ہاں کہ مل میں نے لقاء رب اور جنت کو اختیار کیا ہے۔

اقم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں :-

انه لم يقبض بنى حتى يرى مقعده من الجنة ثم يخير فلما نزل به و
رأسه على فخذي غشي عليه ثم افاق فاشخص بصره الى سقف
البيت ثم قال اللهم الرفيق الاعلى فقلت اذا لا يختارنا وعرفت انه
الحديث الذي كان محمد ثار هو صحيح به

ترجمہ۔ کوئی بنی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے
پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو اختیار کرے، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ الرفیق الاعلیٰ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ
ہمارے پاس نہ رہیں گے۔ میں نے جان لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمایا کرتے
تھے کہ بنی کو دنیا میں رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ آپ کو
اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پالیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو
بھی ایسا ممکن تھا اور قواعد شرع اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کی دنیوی زندگی
کا امتداد تھا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ کی
دنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے اعمال کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قرب الہی میں اور آگے
بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلہ طاعات میں تسلسل ہے اور یہ
برزخ کے پردے میں دنیوی زندگی کا امتداد ہے گویا ہاں کی آنکھوں سے امتداد ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ
گزرتے تو یہ عین ممکن تھا۔ اس صورت میں آپ صغۃ اولیٰ میں انک میت و انہم میتون کا وعدہ

پورا کرتے اور صعقہ ثانیہ پر پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے۔ اس صورت میں آپ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی اور اس میں کوئی شرک کا پہلو نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ پر وفات ہو چکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و اولیٰ ہے ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قرب الہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں۔ وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور فوق حیات کے لیے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے۔ جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کا کیا روضہ (جو انبیاء کو بعد الوفاات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے) قیامت تک کی نمازوں کے لیے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و الطیف ہے اس اعتبار سے آپؐ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپؐ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتواتر کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپؐ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک رہتی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ انہیں اموات کہنا اب منع ہے۔ وہ احوال (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیتے گئے ہیں انبیائے کرام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور ان کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو ہنر پرندوں کا صاحب ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں۔ طائر اعلیٰ میں گھومتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں کسی جانے والے کا اس عالم (دنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا دوسرا ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر پھر کرادے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی اونچا اور اعلیٰ ہے۔ کیا برزخی سیر کے لیے ان کی روحوں پر آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضورؐ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی برزخی آوازیں نہ سنی تھیں؟ کیا اعمال برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پر نہیں ہو سکتا؟ کیوں نہیں۔

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں دیکھ پانا مل جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمیں مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہوگا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آرہی ہے۔

انبیاء کا سلسلہ عمل رکا نہیں

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل رکا نہیں۔ ان کی طاعات برابر جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ موت کا پل عبور کرنے سے ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں اور اب ان کے چلتے پھرنے کا جہاں یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھیے اللہ رب العزت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ شہدار کے لیے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء کے لیے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَمَرَّ بِهَا
بِوَادٍ فَقَالَ أَعْبَادُ هَذَا فَقَالَ وَادِي الْأَزْرَقِ فَقَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى
مَوْسَى فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهِ وَشَعْرِهِ شَيْئًا

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے صحابہؓ نے عرض کی وادی ازرق۔ آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے۔ عارضی اور مثالی ابدان کے محلے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کئے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔
صحیح بخاری میں ہے۔

اما موسیٰ کافی النظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلبی بے ترجمہ موسیٰ کو تو گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ وادی میں اترتے لبیک کہہ رہے ہیں۔

یہ لبیک کہنا اعمال عمرہ و حج میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد و ثنا کے نغمے تو جنت میں بھی ہوں گے۔ لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لبیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتلاتا ہے کہ اس برزخی زندگی میں اُن کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی ہمیں مجنبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے حسی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں۔ لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری دوسری حدیث فاذا مویٰ قانر یصلیٰ فی قبرہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فان حقيقة الصلوة وهی الاتیان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح لا بالادواح فقط۔

ترجمہ۔ نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجا لانا ابدان

سے ہوتا صرف اوداح سے نہیں۔

یہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون فلا مانع ان يحجون قال القرطبي حبت
اليهم العبادۃ فهم يتقبدون بما يجدون من دواعي انفسهم^۱

ترجمہ۔ انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔
تو یہ بات بھکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں عبادت کی محبت
ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی
عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر وادی
حسفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ
السلام کے گزرنے کی خبر دی، آپ نے کہا :-

مزيه هود وصالح عليهما السلام علي بكرات خطهما الليف ازسهم العباء
واردتاهما النماں يلبون يحجون البيت العتيق^۲

ترجمہ۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اونٹوں پر سوار آپ کے پاس سے
گزرے ہیں۔ ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی۔ ان کی لنگیاں۔۔۔۔۔ عبا۔۔۔
اور چادریں۔۔۔۔۔ اون کی قمیضیں۔۔۔۔۔ تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف
کرنے جا رہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۴/۴۷۷) لکھتے ہیں :-

اسنادہ حسن^۳

محدث شہیر حافظ ابوعلی (د ۲۰۷ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اعمال طاعت جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی برزخی سیر میں اس زمین پر بھی آنکلتے ہیں۔ تاہم ان کا جہاں عالم برزخ میں رہتا ہے نہ کہ یہ جہاں معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سُرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے۔ آپ اس عالم (برزخ) میں — نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور — کبھی فرماتے کاتی انظر الیہ۔ گویا میں اپنی کو دیکھ رہا ہوں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا۔

ولقد اتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔

(پ ۱۲۱ السجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکہ یا نظر بندی نہیں۔

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کو دیا گیا اور لیۃ الاسراء میں اسے پورا کیا گیا۔

جب آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری امتِ انبیاء سے بھی ہوئی۔ مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ نے حضرت موسیٰ کو ہی پایا تھا۔

ملے دیکھئے البدایہ جلد ۱۱ ص ۱۱۹ ۱۲۰ تفسیر عثمانی منہ

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي وقراءة القرآن عند الترمذيؒ

ترجمہ۔ بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہونا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

حیاتِ انبیاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اراد بالحیوة فعل الاعمال واكثر من في القبور في العطلة بخلاف المتدینؒ

ترجمہ۔ حدیث میں حیات سے مراد فعل اعمال ہے دُندوں کے سے اعمال کا باقی رہنا، اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال قطل میں ہیں بخلاف متدین۔ اعمال کے بارے میں ملا علی قاریؒ تقریح فرما چکے ہیں کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں مراد ان اعمالِ حیات سے خالی ہیں لیکن متدین کی یہ بات نہیں۔

الایان بالا افعال المختلفة اما تكون بالاشباح لا بالارواحؒ

ترجمہ۔ یہ مختلف قسم کے افعال بجالانا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے۔ صرف ارواح سے نہیں۔

حیاتِ شہداء کی بحث میں حیاتِ انبیاء کی یہ بحث منٹا آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیاتِ انبیاء ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا یہاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآن کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ہمارے

یہ کرم فرما معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے۔ فیای حدیث بعدہ یؤمنون۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے انبیاء سے ملاقات

ہم حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پردے میں زمین پر آنا اور حضور کا انہیں دیکھ پانا پہلے ذکر کرتے ہیں۔ ان میں موسیٰ علیہم السلام کی ملاقات بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت سے کہا گیا ہے۔

فَلَا تَكُن فِي مَرِيَّةٍ مِنْ لِقَائِهِ - (پ ۲۱: السجده، آیت ۲۲)

ترجمہ۔ آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک و تردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام اسی طرح آئے تھے جس طرح ارواح شہداء سبز پردوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں۔ برزخی سیر میں کبھی زمین پر آجاتے ہیں۔ پھر جب ان انبیاء نے حضور کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پاسکتا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے۔ جس طرح شہداء کی روحیں سبز پردوں کے قالب میں متحد ہوتی ہیں۔ انبیاء کی ارواح ان نبیوں کی اصلی صورت میں متحد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح و اجساد کے ساتھ تھی۔

محدثین نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو اور ہو سکتا ہے انبیاء کرام اپنے اجسادِ اصلیہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح و اجسام دونوں سے ہو۔

عافظ ابن حجر عسقلانی^۲ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

ولما الذين صلوا معه في البيت المقدس فيحمل الارواح خاصة و يحتمل الاجساد بارواحها۔

ترجمہ۔ وہ انبیاء جنہوں نے اس رات حضور کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہو سکتا ہے کہ وہاں صرف روحیں متعبد ہوتی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع الاجساد یہاں آئی ہوں۔

ان ارواحهم تشکلت بصورة اجسادهم او حضرت اجسادهم لملاقاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلك الليلة تشریفاً و تکریماً و یؤیدہ حدیث عبدالرحمن بن ہاشم عن انس فقیہ و بعث له ادم و من دونہ من الانبیاء علیہ

ترجمہ۔ ان کی روحیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہو سکتی ہیں ایسا حضور کی تشریف و تکریم کے لیے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ کے لیے حضرت آدم اور دوسرے سب انبیاء اٹھائے گئے (حاضر کئے گئے)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام حضور کے اعزاز و اکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ یہاں آئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت ملی ہوئی ہے کہ وہ لمحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ تخت بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آ پہنچنا مان سکتے ہیں۔ وہ قدرت ایزدی سے ان انبیاء کے یہاں آنے اور جانے میں کبھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تخت تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ آنا بھی عالم دنیا میں تھا۔ لیکن انبیاء کرام کی یہ اہم تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پاسکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبر سے آئیں بھی اور باذن الہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں — اور

یہ فاصلہ اور آنا جانا یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس و مشاہدہ نہ ہو۔ جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے۔

انبیاء کا اصلی جہاد کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے اسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو۔ جو لوگ ان حقائق کو استہزاء سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جو ابد ہئی کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لمحے تھے۔ اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے۔ تو ان میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

صلواتہم فی اوقات مختلفہ فی اماکن مختلفہ لایردہ العقل

و ثبت بہ النقل فدل ذلک علی حیاتہم

ترجمہ۔ ان کی (بیت المقدس میں) نماز اور وقوتوں میں بھی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ملاقاتِ انبیاء پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدوں اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

و اسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا أن جعلنا من دون الرحمن الہمة

یعبدون۔ (پ ۲۵: زخرف، ع ۴ آیت ۴۵)

ترجمہ۔ اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا کیا ہم

۱۔ فتح الباری کتاب الانبیاء ص ۴۸ مصر ص ۲۸ دہلی

نے بنائے ہیں رحمن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔
 حضورؐ کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے ملاقات ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔
 کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لا کر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء سے پوچھنا مطلوب نہیں۔ ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کسی پیغمبر نے مصلحتاً شرک کی اجازت دی ہے۔
 شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان کیے ہیں۔

یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج میں ملاقات ہوئی یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔
 اول معنی حقیقی اور ظاہر معنی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی انہی کی تائید ہوتی ہے۔ دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں صرف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی۔ ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔
 جلالین میں بھی پہلے معنی کو ہی ظاہر معنی کہا گیا ہے۔

قيل هو على ظاهره بان جمع له الرسل ليلة الاسراء وقيل المراد امام
 من اهل الكتابين۔

ترجمہ۔ کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لیے معراج کی رات

جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی امتیں ہیں یعنی یہ کہ آپ ان کی امتوں سے پوچھ دیکھیں۔

جلالین میں دوسرے مقام پر صریح نفلوں میں اسے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے۔
فلا تکن فی مریۃ (شک) من لقائہ وقد التقیا لیلۃ الاسراءؑ

ترجمہ۔ سو آپ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (مصور اور حضرت موسیٰ) لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

وفی الجلالین قبل مو علی ظاہرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراءؑ

ترجمہ۔ اور جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے یہ کہ معراج کا رات آپ کے لیے تمام پیغمبر اکٹھے کیے گئے تھے۔

پرنے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جا سکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہئیں۔ شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار دیتے ہیں یہ ظاہری معنی نہیں ہیں۔

والسوال فہنا معان عن النظر فی ادیان الانبیاءؑ

ترجمہ۔ انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھیے، امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:-

القانون انہ یجب حمل کل لفظ ورد فی القرآن علی حقیقۃ الا
اذا قامت دلالة عقلیة قطعیة توجب الانصراف عنہ ومن لم
یعرف شیاء لم یخض فیہؑ

ترجمہ: اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا اسے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جو اسے اس کے اصلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی میں کیے اُترے گا۔

علامہ بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:-

فلما فرغ من الصلوة قال له جبریل اسئل یا محمد من ارسلنا هکذا
قول الزهري وسعيد بن جبیر وابن زید قالوا جمع له الرسل ليلة
الاسراء وامران يسأل به

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے آپ سے (خدائی حکم پہنچاتے ہوئے) کہا اے میرے رسول! جو رسول میں نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں: زہری، سعید بن جبیر، ابن زید کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لیے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

عن سعيد بن جبیر قال ليلة اسرى به لقي الرسل وفيه
واسئل من ارسلنا به

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضور کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔

قاضي ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) بھی یہی معنی کرتے ہیں:-

عن ابن عباس قال لما اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم بعث الله له ادم
 واولاده من المرسلين الى ان قال جبريل تقدم يا محمد فصل بهم
 فلما فرغ من الصلوة قال جبريل سل يا محمد من ارسلنا به
 ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی
 سیر کرائی گئی تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے کے تمام انبیاء بھیجے گئے
 یہاں تک کہ جبریل نے کہا: حضورؐ! آگے بڑھیں پس آپؐ نے انہیں نماز پڑھائی
 جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے حضورؐ سے کہا: آپؐ ان سے
 پوچھ دیکھیں۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے۔

واسئل من ارسلنا..... الآية قال الزهري وسعيد بن جبیر وابن زيد
 ان جبريل قال ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم لما اسرى به فالمراد سوال
 الانبياء في ذلك الوقت عند ملاقاته بهم صلى الله عليه وسلم وبه قال
 جماعة من السلف

ترجمہ: اور آپؐ پوچھ دیکھیں ان سے جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ زہری،
 سعید بن جبیر اور ابن زید کہتے ہیں جب حضورؐ کو معراج کی سیر کرائی گئی تو جبریل نے
 حضورؐ سے یہ بات کہی سو اس سے مراد ان پیغمبروں سے ملاقات کے
 وقت آپؐ کا ان سے سوال کرنا ہے اور یہی تفسیر سلف کی ایک جماعت
 نے کی ہے۔

علامہ محمد آسیؒ (۱۲۷۰ھ)

اخرج الطبرانی وابن مردويه وايضاً في المختارة بسند صحيح عن
ابن عباس انه قال في الآية اى من لقاء موسى واخرج ابن ابي حاتم
عن ابي العاليه انه قال كذلك فقل له اوتى عليه الصلوة والسلام
موسى قال نعم الا ترى الى قوله تعالى واسئل من ارسلنا... اراد بذلك
لقاءه صلى الله عليه وسلم اياه ليلة الاسراء كما ذكر في الصحيحين و
غيرهما وروى نحو ذلك عن قتادة وجماعة من السلف وقاله
المبروحين امتحن الزجاج بهذه الآية وكان المراد من قوله
فلا تكن في مربة من لقائه على وعده تعالى بنبئه عليه الصلوة والسلام
بلقاء موسى وتكون الآية نازلة قبل الاسراء.

ترجمہ طبرانی اور ابن ہریرہ حضرت ابن عباس سے سند صحیح سے نقل کرتے ہیں آپ نے اس آیت میں حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات تسلیم کی ہے اور ابن ابی حاتم ابو العالیہ (۹۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ انہوں
نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ پر حجاج کیا کیا واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام
سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا
اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور
صحیح مسلم اور رد مسری کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) اور سلف صالحین کی ایک
جماعت یہی کہتی ہے۔ علامہ مسرور کی رائے بھی یہی ظاہر ہوئی۔ جب آپ نے زجلج کا اس آیت
میں امتحان لیا اور یہی مراد الہی ہے اور اس آیت میں فلا تکن فی مربة من لقائه
آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہو کر ہے گی، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو موسیٰ سے
ملاقات کرنے کا وعدہ دیا تھا۔ یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی (سورہ
ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا)۔

عن قتادة قال سألتهم ليلة أسرى به لقي آدم وخازن النار قلت هذا هو الصحيح في تفسير هذه الآية.

ترجمہ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان انبیاء سے سوال کرنا معراج کی رات وقوع میں آیا تھا۔ آپ آدم علیہ السلام سے میں (فخر الدین الرازی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر رہتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ھ) سعید بن جبیر (۹۵ھ) زہری (۱۲۴ھ) ابوالعالیہ (۹۰ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے براہ راست شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۴۱ھ) امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) وغیرہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔ چوتھی صدی کے امام طحاوی (۳۲۱ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) بغوی (۵۱۶ھ) امام نسفی (۵۳۶ھ) امام رازی (۶۰۶ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۶ھ) قرطبی (۶۷۱ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ھ) اور حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ)

نویں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی کے قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ) شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ آلوسی (۱۲۶۰ھ)

اور چودھویں صدی کے جلیل القدر مفسر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ مفسرین حضرات قرآن کی آیت واسئل من ارسلنا کے اس ظاہر معنی کو مسلسل اور متواتر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور بیشتر حضرات اس کی بھی صراحت کرتے جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کی یہ اقتداء اور حضور سے ملاقات صرف ان کی ارواح سے نہیں ارواح و اجساد سے تھی اور بزنج ہیں ان کے اجساد کہ یہ پیرایہ اطاعت میں وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ متاخرین میں کچھ ایسے مفسر بھی ہوئے جو اس آیت کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر اسے مجازی معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن اس سے آپ کو اتنی بات تو تسلیم کر لینی چاہیے کہ اگر انبیاء کرام اپنے ارواح و اجساد کے ساتھ اس رات حضور سے ملے ہوں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت سے ظہور میں آیا ہو تو یہ کوئی شرک کی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید اور اس موقف سے استہزاء کئے بغیر ان معتزلہ کا عقیدہ توحید ہی قائم نہ ہوتا ہو۔ اسلاف کے کسی موقف سے گو اس میں آپ کو ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اس قدر وحشت کا اظہار صحیح نہیں کہ آپ کو ان کا عقیدہ توحید ہی متزلزل دکھائی دے۔

الحذر الحذر اے چیرہ دستاں الحذر

جو علماء انبیاء علیہم السلام کی اس رات ابدان سے عاضری کے قائل ہیں جب وہ بھی دوسرا قول کہ ان کی ارواح متشکل ہوئی ہوں اسے ساتھ نقل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ آج دوسرے موقف کا عقیدہ رکھنے والے اس ظاہر معنی قرآن کے نقل تک کی جرات و ہمت نہیں کرتے؟ محض اس لیے کہ کہیں ان کے معتقدان سے جگڑ نہ جائیں۔

دسویں صدی کے علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کا پیرایہ بیان ملاحظہ

لہ ولقد اتینا موسیٰ الكتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ قال قد کان قتادہ یفسرہا

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قد لقی موسیٰ لیلۃ الاسراء... ووافقہ علیہ

جماعۃ منهم المجاہد والکلبی والسدی۔ (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹)

فرمائیں کیا انہوں نے دونوں قول ذکر نہیں کیے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:-

قال الحافظ السيوطي استشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان
اجسادهم مستقره في قبورهم واجيب بان ارواحهم تشكلت بصورة
اجسادهم اذ احضرت اجسادهم لملاقاة النبي صلى الله عليه وسلم
فلك الليلة تشريفا وتكراما له.

ترجمہ: حافظ مہال الدین سیوطی کہتے ہیں (حضرتؐ کی) ان انبیاء کرامؑ آسمانوں پر ملاقات ہر ایک نکال
دار ہے۔ ان کے اجساد عنقریب تو ان کی قبور میں ہیں (پھر ان آسمانوں پر ملاقات کیسے) اس کا جواب
یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے ان کی ارواح خود ان کے اجسام کی صورت میں متشکل ہو گئی ہوں یا ان
کے اجساد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے اور آپ کی تشریف و تحیم کے لیے
(ان کی قبروں سے) یہاں لا حاضر کئے گئے ہوں۔

کیا یہ الشریب العزت کی قدرت کا بعید ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے یہاں لا حاضر کرے؟
پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں:-

الذين صلوا معه في بيت المقدس ثم اجسادهم كادوا حمهم
لطيفة غير كشفة فلا مانع لظهورهم في عالم الملك والملكوت
على وجه الكمال بقدر ذوالجلال فان حقيقة الصلوة
وهي الايمان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح لا بالارواح.
ترجمہ: جن حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس رات نماز پڑھی
..... پھر ان کے اجسام بھی تو ان کے ارواح کی طرح لطیف ہیں کچھ کشف نہیں ہو
یہ ناممکن نہیں کہ وہ اس عالم ملکوت میں اللہ ذوالجلال کی قدرت سے اس کمال
پیرایہ میں (روح و بدن کے ساتھ) وہاں پہنچیں نماز کی حقیقت

اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح سے۔

یہ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے شفاہا ملاقات تھی یہ کوئی خواب کی بات نہیں حضورؐ کی دنیوی زندگی تھی اور ان کی برزخی (مساوائے حضرت عیسیٰ کے) اور یہ قدرتِ خداوندی کے عجائب ہیں جنہیں حق سبحانہ و تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی رات جو دوسرے انبیاء سے ملاقات ہوئی اس میں آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں، پھر آپ جب نزول فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام سے کوئی اور ملاقات بھی ہوگی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء سے اس طرح کی ملاقات ہوگی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی یہ ملاقاتیں ان کی قبور پر ہوں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشیبہ احمرب کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔ عارف سید علیؒ (د ۹۱۱ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

فَكَذَلِكَ عِيسَىٰ إِذَا نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ يَرَى الْأَنْبِيَاءَ وَيَجْمَعُ بِهِمْ وَمِنْ جَمَلِهِمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْخُذُ عَنْدهُ مَا احتاجه اليه مِنْ أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ ۖ

ترجمہ۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے آپ بھی انبیاء علیہم السلام کو دیکھ پایا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی

ہیں۔ سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضور سے ملاقات

مافظ ابو یعلیٰ (۲۰۷ھ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

والذی نفسي بيده ليتزلن عيسى بن مريم ثم لئن قام على قبري
فقال يا محمد لاجبتك له

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) بھی اسے مافظ ابو یعلیٰؓ سے انہی الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

انه عليه السلام ياخذ الاحكام من نبينا صلى الله عليه وسلم شفاهاً
بعد نزوله وهو صلى الله عليه وسلم في قبره الشريف وايد بحديث
ابي يعلى والذی نفسي بيده ليتزلن عيسى بن مريم ثم لئن قام على قبري
وقال يا محمد لاجبتك له

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو کر ان سے
مراخذہ احکام کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید محمد ابی یعلیٰ
کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری
جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے۔ پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور (سلام کہیں،

یا محمد کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضورؐ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔
امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

فليسلكن فحج الروحاء حاجا ومعتبرا فليقتن على قبري فليسلمن
علي ولا ردن عليه۔

ترجمہ: حضرت عیسیٰ روحِ حراء کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پر
بھی ضرور بٹھریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پر سلام
لنواؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ فحج رھاء سے حج یا عمرے کا احترام باندھیں گے۔
لیہلن ابن مریم فحج الروحاء حاجا ومعتبرا اولیٰ شہما۔
ترجمہ: حضرت عیسیٰ فحج رھاء کے مقام سے حج یا عمرے کا احترام باندھیں
گے، تبیہ پکاریں گے یا دونوں کا قرآن کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برزخی زندگی میں — البتہ لیلة الاسرار کی ملاقات میں یہ دونوں حضرات
اپنی دنیوی زندگی میں تھے — اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اس رات شرف
صحابیت بھی پا گئے۔ کیونکہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو جب کہ آپ بھی اپنی یہاں کی زندگی میں تھے، ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو
اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلة الاسرار میں حضورؐ کو دیکھا تھا — مگر آپ
چونکہ پھر اپنے آسمانی سفر پر چلے گئے اس لیے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ
کا ہی رہا۔

نوٹ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے
اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے اسے پھینتے نہیں۔ ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں
نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دور محمدی ہے اور قانون شریعت محمدی — حضرت عیسیٰ علیہ السلام
تو اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر انتظامی امور میں تو کبھی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت (جس کو دینی طور پر
قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو گو اس میں کوئی نیادینی
حکم نہ ہو) نہ آئے گی۔ یہ مسئلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء اور حضور خاتم الانبیاء سے ہوں گی اور
حضور ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسیہ
کی برزخی زندگی کی کچھ جھلکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی — لیکن کب؟
جب اللہ چاہے ان کی دنیوی زندگی بالمعنی المتبادر یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف حنفیہ کا ہی موقف نہیں۔ فقہ شافعی کے جلیل القدر امام علامہ یوسف الار دبیلیؒ
(فقہ شافعی کی مشہور کتاب، کتاب الابرار لا اعمال الابرار میں لکھتے ہیں:-

وكان صلى الله عليه وسلم يوحى عن الدنيا عند تلقى الوحي ولا تسقط
عنه الصلوة وغيرها من يراه في المنام فقد رآه حقاً ولكن لا يجب
العمل بما يسمعه الراى منه لعدم ضبطه و يخاطب بعد الموت بقول
السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان الانبياء احياء في
قبورهم يصلون و يحجون كما ورد به

جب برزخِ موطنِ دنیوی میں سے ہے تو عالمِ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی ہیں۔ انبیاء کرام کا آسمانوں پر جانا جیسا کہ وہ وہاں معراج کی رات حنڈر سے ملے کوئی امر بعید نہیں ہے۔ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے۔ اگر کرامیہ ان سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش! ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کان له قلب او السمع وهو شہید۔

ان اعمال کو (جو ان حضرات کے عالمِ برزخ میں جاری ہیں) ہم دنیوی حیات کا باقی حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لیے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے قبر کی برزخی منزلِ موطنِ دنیوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:-
برزخ صغرے چوں از یک وجہ از موطنِ دنیوی است گنجائش ترقی دارد
واحوال این وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ماعلیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند
کہ در قبر نماز می گزارد۔

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک چھوٹا موطنِ دنیوی ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف جوں کے موگوں ہیں بہت تفاوت کھینچتے ہیں آپؐ مدظلہ العالی انبیاء و اعیانہ یصلون فی القبر ہم سنی ہوگی اور عیسائی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب صلوٰۃ السلام کی قبر کے پاس گئے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہائے ہم کس کے سامنے یہ داغِ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرین حدیث کے اندازِ گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے۔ واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (پ ۴۷، حجرات ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالم نبیغ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں یہ حضرات انبیاء تلذذاً مصروفِ عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شانِ ارتقائی ہے۔ یہ قربِ عالم غلق کے قبیل سے ہے۔ قربِ عالم امر محض اس کا ایک سایہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر کچھ آگے چل کر بحث کریں گے۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لیے ہے تو پھر یہ جنت میں یادِ الہی کی صدائیں کیوں اُٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یادِ الہی کا ثبوت

وقالوا الحمد لله الذي هدانا لهذا۔ (پ ۱، الاعراف: ع ۵، آیت ۴۳)

ترجمہ۔ اور وہ کہیں گے تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخشی۔

وقالوا الحمد لله الذي صدقنا وعده وادرننا الارض (پ ۲، زمر: آیت ۴۷)

ترجمہ۔ بے تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم پر پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا۔

وله الحمد في الآخرة۔ (پ ۲، السباغ: آیت ۱)

ترجمہ۔ اور اسی ذات کے لیے آخرت میں حمد ہے۔

دعواهم فيها سبحانك اللهم۔ (پ ۱، یونس: ع ۱، آیت ۱۰)

ترجمہ۔ اُن کی پکار جنت میں ہو گی سبحانک اللهم وبحمدک۔

وقيل الحمد لله رب العالمين۔ (پ ۲، زمر: ع ۸، آیت ۵)

ترجمہ۔ اور وہاں آواز سنی جائے گی الحمد لله رب العالمين۔

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ حمد باری کی صدائیں ہوں گی یا الہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذت ضرورت ہے اور مقربین ایندوی وہاں بھی قرب الہی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سبحانک اللہم بھی پڑھیں الحمد للہ رب العالمین بھی پڑھیں سحتیات سلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوق عبادت کے لیے نہیں پڑھی جاسکتیں۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاماً تسبیح و تحمید پر لگایا جائے گا۔

یلهمون التسبیح والتحمید

ترجمہ۔ ان کے دل میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کریں۔
عالم برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الہی میں مزید سبقت کے لیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں امت کے لیے استغفار بھی جاری ہے۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سئ استغفرت اللہ لکم

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے
مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جلتے ہیں جو اچھے ہوں۔ ان پر میں حمد باری بجاتا ہوں
جو بُرے ہوں۔ ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا آپ کی وفات ایک امر آئی نہیں بلکہ ایک پورا موطن ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں
یہاں سلام کہنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کے
سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوہاً نہیں۔ امت پر شفقت اور رحمت کے لیے ہے۔ یہ بھی پتہ
چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں برابر امت کے لیے دعائیں فرماتے ہیں۔

انبیاء کے اعمال باقی ہیں اور املاک بھی باقی۔

انسان کے تصرف میں یا اس کا بدن ہے یا مال ہو۔ اس پر بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی۔ موت پر انبیاء کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی آگے تقسیم نہ ہوئے محفوظ رہے۔ امدان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگی میں ان اموال کا ہونا تھا جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامہ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوگا۔ کیونکہ ان کا سلسلہ عمل اس جہان سے کٹا نہیں۔ پس اس درجے تک ان کے اموال ان کی اپنی ملک پر ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال بآب وجود وفات کے ان کی ملک پر باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملک یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ تو ریث ہوگی نہ تملیک۔ ان کی ازواج ہوں تو ان کی زوجیت قائم رہے گی۔ عدت وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا۔ اس پر خنیفہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔۔۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا مٹھانویؒ کے الفاظ میں پڑھیے۔۔۔

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں
ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات
کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب
کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء جن

لہ لا عداۃ علی ازواجہ لانہ حتیٰ فترق جہن باقیہ (زرقانی علی المواہب جلد ۵ ص ۳۳۲) لا عداۃ
علیہن لانہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ وکذلک سائر الانبیاء (مرقات جلد ۱ ص ۱۵۶)

کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی۔ مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مر جانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ان بنی اللہ حییں سرق۔^۱

یہ نکاح اس لیے ناجائز نہیں کہ وہ امت کی مائیں ہیں، مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے ورنہ ازواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا۔ حالانکہ انہوں نے تاحیات احاد امت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا جاسکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اور دوسری وفات جیسی نہیں۔ آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں، اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ہم آگے جا کر حیات انبیاء میں کریں گے۔ انبیاء کے برزخی اعمال اور ان کی برزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آچکی ہے اب ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ سیر کا درجہ جو ازواج شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمان پر حاصل ہے کیا اس کی آہٹ کبھی زمین پر سُنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:-

مجموعہ کے دن مومنین کی روحیں اُن کی قبروں کے قریب آتی ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی اقتضائے الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں:-

جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا تو اسے وہ روحیں پہچان لیتی ہیں۔

اس پر علامہ سمہودئیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

جب احاد مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہوگا۔

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی — برزخ میں دونوں کے اعمال طاعت جاری ہیں۔ وہاں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور سیر کے مواقع بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں شہداء کے اہلک ان کی ملک میں نہیں رہتے اور انبیاء کی حیات ان سے بھی قوی ہے ان کے اہلک ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

انفال روح سے جسد مدفون میں حیات کیسے مافی جاسکتی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:-

ليس المراد بالحيّ ههنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية بل ما يدرك الالهم واللذة فاذا خلق الله فيه ادراكاً يكون حياً لا جماداً . . .

ترجمہ یہاں زندہ ایسا زندہ مراد نہیں جس میں روح (کاملہ) لڑائی لگتی ہو اور اس کے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی مراد ہے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحت قبر پاکسے سوجب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جماد نہیں ہو گا زندہ ہو گا (گو کسی درجے میں زندہ ہو)۔

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی جھیت کے قائل نہ تھے اور حدیث براہ بن عازبؓ گو علماء اہل سنت کے ہاں تو اثر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تو اثر پر بحث مسئلے کو اور طوالت میں ڈالتی۔ مسکمین نے اعادۂ روح کی بجائے انفال روح کا موقف اختیار کر لیا اور معتزلہ پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ پر ہارڈوی لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

هذا جواب اشكال اوردہ المعتزلہؒ

ترجمہ۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے جو معتزلہ پیش کرتے ہیں (یہ صورت جواب الزام ہے)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

بسیارے از اشاعرہ و خفیفہ و اعادہ روح تردد کردہ اند و ملازم روح و حیات را منع نموده .

ترجمہ بہت سے اشاعرہ اور خفیفہ بھی روح کے میت میں لوٹنے میں تردد کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لیے روح کا عود کرنا ضروری ہے۔

اعادہ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادہ کاملہ نہیں یہ مباحث آپ کے سامنے آچکے یہ اعادہ ستمہ نہیں، اتنا ہے کہ الم ولذت کا ادراک ہوتا رہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیث اعادہ روح کے خلاف پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پک الزمر آیت ۴۲ میں ہے :-

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الآخری الی اجل مسمی .

ترجمہ . اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہوان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کی کھینچتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنے کا ٹھہرایا اور دوسروں کی بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کر لے موت والے کی روک رکھتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے۔ موت والے کا تعلق بدن سے کٹ جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں۔

پس موت کے لیے دو چیزیں لازم ہوتی ہیں ۱۔ روح کا بدن سے نکلنا اور ۲۔ آثار حیات

کا باقی نہ رہتا۔ نیند والے سے آثارِ حیات منتفی نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دنیا میں اس بدن میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن سے گھنٹوں کے طویل فاصلوں کے باوجود منتفی نہ ہوں تو یہ ایک عجبی قسم کی موت ہوگی کہ موت آئی روح بدن سے جدا ہوئی مگر آثارِ حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکے گا میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیات کلیۃً زائل بھی ہوئی اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے۔

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ رو کے رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے رو کے رکھنا) قیامت تک کے لیے ہے۔ سو قبر میں تقاد الی جسدہ (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس مانع میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی کہ امیہ اور ظاہر یہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں۔

جواب اہل سنت

① — قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم (دنیا) کے اعتبار سے ہے۔ امساک (موت والے کی روح روکے رکھنا) اور ارسال (نیزد والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا) دونوں اسی جہان کے عمل ہیں۔ جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے۔ یہ حالتیں اسی دنیا کی ہیں قبر میں روح کا لٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دنیا کے حالات میں سے نہیں۔

عالم آخرت میں روح کا بدن میں لٹنا تو کرامیہ کے ہاں بھی مستمم ہے۔ سو امساک اُن کے ہاں بھی ہمیشہ کے لیے نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں — پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف سوال و جواب تک رہے گا یا مستمر (دائم) طور پر اس میں بھی تفصیل ہے۔

② — موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے۔ موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کُتنا ہے اور اسے وہ زندگی نہیں ملتی جو اُچھلے اس دنیا میں حاصل تھی۔ قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔ یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنت کے عقیدہ حیات قبر کے خلاف نہیں۔ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ای یقبضہا عن الابد ان بان یقطع تعلقہا تعلق التصرف فیہا عنہا۔
ترجمہ: اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ اس کا ابدان سے تعلق تصرف قطع کر دیتا ہے کہ اس حیات میں غذا اور تغذیہ و تمیہ کی صورت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا تھانویؒ (۱۳۶۳ھ) بھی لکھتے ہیں :-

ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں محفل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لیے رہا کہ دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اعادۃ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کو جمہور علماء اسلام نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تو اتر کے درجے کو پہنچتی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں :-

فاما کہ سبحانه الق قطنی علیہ الموت لا ینافی ردھا الی جسدھا
المیت فی وقت مارد اعارضاً لا یوجب له الحیوة المعہودۃ فی الدنیا
واذا کان النائم روحہ فی جسدہ وهو حی و حیاتیہ من حیاة المستیقظ
فان النوم مشیق الموت فہکذا المیت اذا اعيدت روحہ الی بدنہ
کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیت فتامل هذا یریح عنک اشکالات
کثیرة۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا۔ اس کے کسی وقت اس جسد میت کی طرف لوٹانے کے متنافی نہیں بشرطیکہ یہ لوٹنا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی۔ اور جب سوئے ہوئے کی روح باوجودیکہ اس کے جسد میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نیند موت کی

میں ہے سو میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں ٹو مائی جاتے تو اس کا حال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل ہے۔ اس پر غور کرو یہ (انشاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے اشکالات نازل کر دے گا۔

روح و بدن کے ہر تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کو لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرامی دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں یہ عامہ اموات دفن ہوتے ہیں۔ ان کی اصل ضد انبیاء کی قبر سے ہے۔ ان کے مزارات کو جہاں نامین حاضر می دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روضہ جنت ماننے کے لیے تیار نہیں۔

حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لئے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر (جو مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھئے وہ کس قدر جدوجہد اور جوش و ولولہ سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر نہیں وہ عالم بالا میں کی اور مقام پر ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آگیا۔ جب یہ بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی قبر ہے۔ اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ کرتے۔ یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی روئے زمین کے تمام بقاع سے برتر و افضل ہے اور یہی وہ جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کر سکتی۔

قبر کی وسعت و فسحت کو اس ظاہری قبر سے کلیتہً جدا رکھنا اور من وجہ بھی اس ظاہری قبر سے منقل نہ ہونے دنیا یہ ایک اصولی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے دُعا کیجئے اللہ تعالیٰ حق سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے مقبرہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

مقبرہ کی ظاہری قبر سے گریز پائی

جب ہمارے دوستوں کو ان حقائق سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تو اقرار کر لیتے ہیں کہ میت کی قبر میں برزخی زندگی برحق ہے اور اس پر الم و راحت کی کیفیتیں بھی حق ہیں لیکن قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جو دفن میت کے لیے یہاں کھودا جاتا ہے۔ یہ کوئی عالم برزخ کا مقر ہے یہاں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی قبر کہاں ہے۔ سو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حیات فی القبر کی بحث میں مفہوم قبر پر بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

فقہاء اور محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار۔ متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لیے یا مخالفت کا منہ بند کرنے کے لیے۔ اثبات شریعت کے لیے فقہاء و محدثین ہی امت کے امنا ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن و حدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر پر یا عذاب قبر پر مسلک محدثین کیا ہے اور وہی برحق ہے اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت میں قبر نہیں ملتی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتانے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لیے متکلمین اٹھے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ اس کے ایک پردے کی پہلو کی خبر مزید تھی۔ افسوس کہ نادان دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں متکلمین کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسالک العلماء کے مدعی ہوئے۔ حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ قبر کا ایک باطنی پھیلاؤ تھا جسے مقبرہ اور کرامیہ کو لا جواب کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ افسوس کہ ہمارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔



قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء کے کئی اقتضار موجود ہیں۔
 ۱۔ واسئل من ارسلنا من قبلك من سلنا رپ النور اولقد اتينا موسى الكتاب فلا يكن في مي تن قل رپ الامجد
 ۲۔ ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله مات رپ البقره ۴۔ بل احياء عند ربهم يرزقون رپ آل عمران
 یہ آیات گوارس موضوع پر عبارتہ المنص نہیں لیکن ان میں اس پر دلالتہ انص موجود ہے۔

پانچ باتیں معلوم ہوئیں :-

- ① قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام حالاً زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالتہ المنص سے ثابت ہے
- ② انبیاء کرام کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لیے کافی ہے
- ③ انبیاء کی یہ حیات بعد الوفات ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سب علما حق قائل گزرے ہیں۔
- ④ جن علما نے قرآن سے حیاۃ الانبیاء ثابت کی ان کے لیے دعا ہے زادہم اللہ شرفاً ان علما حق کا یہ شرف علمی ہے۔
- ⑤ ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں لا شعورون (نہ کہ ان کے لیے پرندوں کی سی زندگی پر غور کریں۔



قبر کی حقیقت

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

قبر کا شریعت نے اس کی دلالت لغوی کے درجہ کو فی علیحدہ مفہوم مقرر نہیں کیا۔ یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا جس میں میت اتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک وسعت و فصاحت بتائی جو اس دنیا سے پردہ غیب میں ہے۔ سو اس سے اس ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جلنے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں اس میں آپس میں ٹکرائیں تو یہ قبر اس میت پر تنگ ہو چکی۔ ورنہ یہی گڑھا عالم غیب میں ایک پورا باغ ہے۔ تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو کہا جائے کہ شرعاً یہ قبر نہیں ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دنیا سے بھی اور برزخ سے بھی۔

۱۔ رواہ ابن ماجہ ص ۳۱۵ ۲۔ فیقال للارض التی علیہ فتختلف اضلاعہ فلا يزال فیہا معذباً حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک رواہ الترمذی جلد ۱ ص ۱۸۶ ۳۔ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرة من حفر النیران کہ حضرت شیخ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ والمراد بالقبور عالم البرزخ وهو عالم بین الدنیا والآخرۃ لہ تعلق بكل منهما (تنقیح اللغات جلد ۱ ص ۱۸۹) قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام نہ اس گمئی کہ مردہ را دروگہ رکند۔ (اشعۃ اللغات جلد ۱ ص ۱۸۶) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو

صلوٰۃ (نماز) ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے۔ زکوٰۃ کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ حج ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ پھر شرعی مخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے دائرے ہیں جس طرح لغوی مخاطب میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے۔ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح نہیں قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں۔ ہاں اس کی وسعت و فصاحت اور اس کے عجائب و کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفن (یا اس کے ذرات منتشرہ) سے اشراق و اشراق کا کوئی لطیف رابطہ ضرور ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث میں قبر کسے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے۔ ملنگوں کی طرح دور کے چکر دینا۔ دور۔ دور۔ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ بات باطنی فرقے کے لوگوں کو تو چھٹی ہے۔ اہل علم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ قرآن و حدیث کے عام اطلاقات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں کھوجائیں۔ جب شریعت نے قبر کی وسعت و فصاحت کے بارے میں برزخی حقیقت کو پورا تحفظ دیا ہے تو اس بحث میں علماء صادقین کو ملنگ بننے

دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی۔ جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ کئی میتیں تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہی ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مرتبط ہوتے ہوں اس کا برزخی کنارہ اور سر ہے سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مرتبط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو یہ تعبیر صرف ان مردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جاسکا۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نعیم و عذاب اسی غیر محسوس قبر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ لیس المراد بہ الحفرة التي يدفن فيها الميت قرب ميت لا يدفن كالفریق والمحروق والماکول فی بطن الحيوانات بعدہ۔

وینعم۔ (تنقیح المعانی جلد ۱ ص ۱۸۹)

کی کیا ضرورت ہے۔

آئیے اب قرآن و حدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور تلاش کریں کہ یہ لفظ کبھی کہیں کسی اور غیب کی دامی پر بھی بولا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ایک نیا لے وقت کی خبر دی گئی ہے — فرمایا:

اِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ۔ (نپ: الانفطار آیت ۴)

جب قبریں کُردی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والی ہر جان جان لے گی۔ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے تھوڑا۔

مُردے قبریں کھلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھلنے کے بعد۔ یہ بات بحث طلب ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہی گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مُردے زندہ کے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اُپر آجائے گی سب قبریں زیر و زبر کُردی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالم غیب کی کسی دامی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر کبھی کبھی ان پر حاضری دیتے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر بھی یہ بات کہی۔

اِذَا بَعَثَ مَاحِ الْقُبُورِ۔ (نپ: العادیات آیت ۹)

ترجمہ جب اُٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو نہ کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مُردے کو کہاں پر وہ ملتا ہے؟

قرآن پاک میں ہی دیکھئے :-

فَامَاتَ فَاتَّبَرَهُ۔ (نپ: عبس آیت ۲۱)

ترجمہ پھر اُسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مُردے کو پرے میں کیا جاتا ہے۔ یہ

یہ پردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہیں۔
یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ وہ اس
لائق ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی دعا کی جائے۔

لَا تَقْلُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔ (پ: التوبہ آیت ۸۴ ع ۱۱)
اور یہی اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس کی قبر پر کھڑے تھے۔
وَقَامَ عَلٰی قَبْرِہٖ۔

ترجمہ۔ اور آپ اس کی قبر پر ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پر کبھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لیے دعا کریں۔ یہ قبر اسی گڑھے
کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم نہ یہاں محسوس کر سکیں نہ جان سکیں نہ وہاں جا سکیں
قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پر آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم
کا ایک دائرہ بنے یا جنت کا کوئی باغیچہ۔ اس کی وسعت و فسحت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قبر اسی
کا نام ہے۔ قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سوا اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا آگے اسکی ایک برزخی وسعت ہے
مخالفین کی یہ رٹ کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے؛
بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں
کا انکار کیسے جائز ہو گیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل ٹھہرانا یہ راہ بدعت نہیں
تو کون سی سنت ہے۔

جب اس قبر کا برزخی کنارہ اللہ ہی کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی
دوسرے حصے پر پڑ گئی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا
انکار کیسے نکل آیا؛ برزخی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کرام
کے مشاہدات پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے؟

قبر احادیث کی روشنی میں

- ① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 كُنْتَ نَهَيْتَكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزِدْهُمْ فِيهَا
 ترجمہ میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا اب کے بعد اجازت
 ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔
- ② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا :-
 اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ
 کہ میت جب قبر میں اتاری جائے الحدیث۔
 تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے۔ یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ علیتین کی جگہ
 کے لیے ہے۔
- ③ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا :-
 يَهُودٌ تَعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا
 یہاں قبور کیا انہی گڑھوں کو نہیں کہا گیا ہے۔ کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی۔
- ④ آپ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی؟
 اِنَّ اَوَّلَئِكَ اِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنُو اَعْلَى قَبْرِهِ مُسَجِّدًا
 ترجمہ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر (کے پاس)
 جائے عبادت بنا دیتے۔

۱۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۱ کما فی مشکوٰۃ ص ۱۵۴ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶ ۳۔ ایضاً جلد ۲ ص ۲۸۶

۴۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۰ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۰

⑤ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیکھئے صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۲۲ کا باب مابین قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنبرہ — الفاظ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں :-

مابین قبری ومنبری روضة من ریاض الجنة^ل متفق علیہ
ترجمہ جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے مابین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

تو اس میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علیین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں۔
⑥ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے :-

قاتل الله اليهود اتخذوا قبورا نبیائهم مساجد^ل
ترجمہ اللہ یہود کو براہِ یاد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد گاہیں بنالیا۔

⑦ ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

(عن ابن عمر مرفوعاً) من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن
زارنی فی حیاتی^ل۔

ترجمہ جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے
جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس پر ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

⑧ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا: اس کی ضرورت ہے۔ مگر کس لیے ؟

لقبورنا و بیوتنا ہمارے قبروں کے لیے اور گھروں کے لیے۔
یہاں قبور اپنی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور اسے اس میں دفن
کیا جاتا ہے نہ کسی پردے کے جہان کو۔

⑨ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے:-

یا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم وانتم سلفنا ونحن بالاثم

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سوا اپنی
قبروں کے پاس ہمیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

⑩ ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا:-

لا تؤذ صاحب القبر ولا يؤذيك

ترجمہ تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ
رہے ہیں تو اور اس سے کیا مراد ہے۔ کیا کوئی شخص اعلیٰ علیت میں کسی قبر کی بے ادبی یا اذیت
رسانی کے لیے جاسکتا ہے؟

⑪ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

ان هذه الامة تبلى في قبورها فلولا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان يسمحكم
من عذاب العتير

ترجمہ۔ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم
اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرنا کہ وہ تمہیں بھی
عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱ ۲۔ رواہ الترمذی کذا فی مشکوٰۃ ص ۱۵۴ ۳۔ رواہ الطحاوی جلد ۱ ص ۲۹۶

۴۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶

(۱۲) آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لسانِ شریعت میں قبر میں کن جگہوں کو کہا جاتا تھا؟ انہی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں یہی گڑھے ہیں۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا۔^۱

ترجمہ: تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

(۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :-

اذا وضعتہ موتاکم فی قبورہم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔^۲

ترجمہ: جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔

مجدد کیا اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا کہ تم اپنی میتوں کو لے کر اعلیٰ علیین پہنچا کر دیکھو کہ قبر تو اس جگہ میں ہے۔ یہاں کے ان گڑھوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔ استغفر اللہ

(۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے :-

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا
المساجد والمسرح۔^۳

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر گھومنے والی عورتوں اور وہاں
جائے عبادت بنانے والے مردوں اور ان دیئے جانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائراتِ قبور پر لعنت کی گئی ہے جو عالم غیب کی کسی ہستی میں نیارتِ قبر
کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ ان ظاہری قبروں پر ہی جاتی تھیں جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین
نے انکار کیا ہے۔

(۱۵) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

۱۔ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۷۵ ۲۔ مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۲۶۶ ۳۔ رواہ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۰ سنن نسائی
جلد ۲ ص ۲۲ طحاوی ص ۳۵۴ اولہ فی الشکوۃ ص ۱۵۴ وتمامہ فی ص ۱۵۴

بعد نزول دفات پاکر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے لفظ قبر سے کون سی جگہ مراد لی تھی یہی مدینہ منورہ کا روضہ اطہر یا اعلیٰ علیین کی کوئی وادی — اس پر کبھی فرصت میں غور فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

يُنْزَلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ وَيَمُكِّثُ خَمْسًا
وَارْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِي قَبْرِى فَأَقُومُ أَنَا وَعِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ بَيْنَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرَ ؑ

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد بھی ہوگی پچیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس میرے ساتھ دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے اور ہم دونوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بائیں ہوں گے۔

(۱۶) ایک اور جگہ ارشاد نبویؐ ہے :-

لَيُنْزَلَنَّ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ لَنُقَامَ عَلَى قَبْرِى لَا حَيْبَةَ لَّى

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر (سلام کے لیے) ٹھہرے اور سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

(۱۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ حدیث فرما رہے تھے تو آپ قبر کے کہہ رہے تھے؟
اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِى وَثَنًا يَصِلُ إِلَيْهِ فَإِنَّهُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى
قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ ؑ

ترجمہ: اے اللہ! میری قبر کو معبود بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں، اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑکا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جلے عبادت بنا لیا۔

ترجمہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

اس میں کس قبر کی زیارت کے لیے کہا جا رہا ہے۔ یہی ناکہ جسے ہم روضۂ رسول کہتے ہیں
 (۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے؟
 الارض کلہا مسجد الا القبر والحمام

ترجمہ کل صنفہ زمین (میرے دین میں) مسجد ہے سوائے قبر اور حمام (جائے غسل) کے۔
 (۱۹) پھر آپ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ
 نے اعلیٰ علیتین میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے اس کا
 مشاہدہ کیا تھا؟

مررت علی موسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عند الکئیب الاحمر وهو قائم صلی
 فی قبرہ

ترجمہ جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میرے قبر سے پرگند ہوا وہ سرخ ٹیلے کے
 پاس تھی میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہم یہ کیسے مان لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد اصلی تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا
 اور اس پر ایک مثالی جسد کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ
 رکھ کر خود بھی مہلکے اور اوروں کو بھی مہلکار ہے ہیں اللہ ان پر رحم کرے۔

(۲۰) حضور کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرماتے ہیں۔
 اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں اس قدر ادراک اور احساس ضرور ملتا ہے کہ وہ اس کا
 روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے ورنہ مردہ لاش اور جادو محض کو روشنی
 اور اندھیرا دونوں برابر ہیں، پھر حضور نے وہاں کی روشنی کو کیوں اہمیت دی کچھ سوچیں۔

قبر کا اطلاق — صحابہ کرام کے بیانات میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اس گڑھے پر رکھی تھی یا عالم غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر — اس پر غور فرمادیں اور کہیں یہ نہ کہیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں، حدیث میں صاف طور پر انہیں قبر کہا گیا ہے۔ سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

مراتبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انهما لیعذبان۔^۱

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے (یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں)۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ اُحُد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت فرماتے ہیں :-

کان یجمع الثلاثة والاثین فی قبر واحد۔^۲

ترجمہ: حضورؐ تین تین اور دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے تھے۔

③ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا :-

القبر القبر۔^۳ یہ سامنے قبر ہے قبر ہے

یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہیے۔

④ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ :-

۱۔ رواۃ مسلم ۴/۲۵۵ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۴۱ متدرک حاکم جلد ۱ ص ۲۶۵ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۶۱

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ دخل رجلاً قبره ليلاً واسرج في قبره۔

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اتارا اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

⑤ حضرت بیدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ:-

واوصى بريدة الاسلمى ان يجعل في قبره جريدان۔

ترجمہ: حضرت بیدہ الاسلمیؓ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی رکھ دینا۔

یہاں قبر سے ان کی کیا مراد تھی؟ یہی گڑھ یا کچھ اور۔

⑥ حضرت عمرو بن عاصؓ (۶۴ھ) نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور میری قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا کھڑا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جاسکتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کا جواب دے سکوں۔ آپؐ نے فرمایا:-

ثم اقيموا حول قبرى وسرما ينحر الجذور ويقسم لحمها حتى استانس بكم

واعلم ما اذا راجع به رسل ربي۔

ترجمہ: پھر تم میری قبر کے گرد مٹھہرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو جائے۔ میں تم سے اس دور (مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:-

من السنة ان تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة وتجعل

ظهرك الى القبلة وتستقبل القبر بوجهك۔

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر قبلہ کی طرف سے
آؤ پھر مہتاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور مہتارے چہرے کا رخ
قبر کی طرف رہے

⑧ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى على قبر امرأة بعدما دفنت به .

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر اس کی نماز (جنازہ)
پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

قرآن کریم: احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین
کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی
زندگی کے ہیں جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے اور دونوں کے مابین
برزخ ہے۔ اس کی بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی
زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آ رہا ہو جاتی ہیں
یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
فَيَقَالُ لِلْأَرْضِ التِّي عَلَيْهِ قُتِلَتْ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اضْطِرَاعَهُ

ترجمہ: پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا سو زمین اس
پر سمٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آ رہا ہو کر دب جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر نہیں آ رہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب
ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں۔ لسانِ شریعت کے ان عام اطلاق کا کھلا انکار
اور تو اتر امت سے ایک کھلا انکار ہے۔ مخالفین جس دیدہ دلیری سے ظاہر شریعت کا انکار کر رہے
ہیں اس میں وہ قبروں کے پاس پڑے سنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

اب آئیے یہی اطلاق حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے سن لیں صحابہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ حافظ ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) سے منقول ہے۔

عن ابی حنیفۃ ان الزائر یتقبل العتب ویستدبر القبلة۔

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) عاصی دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں۔ حدیث و فقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے۔ دین کلام میں متوازی نظریات کا رد اور استدلال پر عقل و امکان کا دخل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ قبر کے جو معنی میں نے بیان کئے ہیں وہ حدیث و فقہ کی اصطلاح میں ہیں اور مشکلمین جب معتزلہ کے اسکا فی سوالات کو اپنے جواب میں لپیٹتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں۔ اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے۔ ان مردوں کے لیے جو ڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پتہ دینا ہوتا ہے۔ اس موقع پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے۔ یہ عالم بزدخ کی ایک منزل ہے۔ محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، نہ یہ کہ یہ حدیث و فقہ کی اصطلاح ہے۔

ولیس المراد به المحفرة التي يدفن فيه الميت قرب ميت لا يدفن كالغریق

والمحروق و الماکول فی بطن الحيوانات یعتب و ینعم ویسأل۔

ترجمہ۔ قبر سے مراد یہی جگہ نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے

تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا حبس جنگل کے حیوانات

کھالیں اور وہ ان کی پیٹ میں سوا سے بھی تو عذاب قبر ہو رہا ہے اور سوال و جواب کی نوبت آتی ہے۔
قاضی شمس الدین صاحب بھی اقرار کرتے ہیں :-

اس میں شک نہیں کہ اس محسوس محفور فی الارض کو ہی سوف عام اور فقہ کی اصطلاح میں قبر کہتے ہیں اور کتب فقہ کے باب السجنانہ میں جس قبر کے احکام مذکور ہیں وہ یہی محسوس محفور فی الارض ہے مگر علم کلام میں جہاں قبر کے ثواب و حساب اور عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عالم برزخ ہے۔

ہمیں متکلمین کی اس اصطلاح سے انکار نہیں لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مراد حدیث کو فقہاء ہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ امام ترمذی باب غسل میت میں :- اس کی تشریح کر چکے ہیں۔

قارئین یہاں دیکھ لیں حدیث وفقہ کے سہارے کون لوگ چل رہے ہیں اور کون لوگ متکلمین کی اصطلاحات سے احادیث کی تشریح کے درپے ہیں۔ حدیث وفقہ کو علم کلام کے تابع کرنا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ علم کلام تو مرتب ہی حضورؐ کے بہت بعد ہوا ہے۔

الانبياء احياء في قبورهم يصلون الفاظ حدیث کے ہیں۔ ان میں قبر کا معنی علم کلام سے لینا اور فقہ کی اصطلاح سے کھیلنا یہ کون سا انصاف ہے اور کون سی شان علم ہے۔

شہداء احد کی قبریں اسی زمین پر ہیں ان پر سے حضورؐ گزرے اور فرمایا :-

اللهم ان عبدك وبنيتك يشهد ان هؤلاء شهداء وانهم من ذواتهم
سلم عليهم الى يوم القيمة رادوا عليه۔

ترجمہ :- اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں (اشارہ انہی زمین کی قبروں کی طرف ہے) اور جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام بھیجتا ہے قیامت تک یہ ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

پھر آپ حضرت مصعب بن زمیر کی قبر پر پھڑپھڑے اور فرمایا :-

اللهم ان عبدك وبنيتك يشهدان هولا وشهداء فأتوه ووسلوا

عليهم فلن يسلم عليهم احد ما قامت السموات والارض والرحموا عليه

اے اللہ! تیرا بنی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں۔ لوگو! ان کے پاس

آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو۔ جب تک

زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ۔ عالم بزرخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی تلقین

نہ تھی۔ اعلیٰ علیین یا سچین نیکیوں اور بُروں کے قبرستان نہیں ہیں۔ یہ تو ملا اعلیٰ کے دفتر کا نام

علیین ہے جہاں مقررین نام لکھانے کے لیے حاضری دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں۔

قبر اعلیٰ علیین یا سچین کا کوئی مقام نہیں۔ یہ اسی زمین کی جگہ اور مٹی کا گھر ہے۔ جسے

متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ اطلاقاً صحابہ اور امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

آپ کے سامنے ہے۔ اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سن لیں۔ وہ کیا کہتی ہے حضرت

ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ

تمام لذتوں کو مٹا دیتی ہے قبر کی اپنی فریاد ان لفظوں میں نقل فرمائی :-

انا بیت الغربة وانا بيت الوحدة وانا بيت التراب وانا بيت

الدود رواه الترمذیؒ

ترجمہ۔ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گوشہ ہوں، میں مٹی کا ٹھکانہ اور کیڑوں

کی زد میں ہوں۔

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح

کے مسکن ہیں۔ یاد رکھیے قبر آخر قبر ہے۔ اور وہ یہی ہے

معنی قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب کے سامنے یہ تحریر لکھی اور حضورؐ کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کئے۔ وفات کے بعد بنی کریم کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح جیسا حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روحہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔ محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی کہ یہ ظاہری قبریں برزخی منازل نہیں ہیں اب اس پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی واردات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں۔ وہاں صرف ایک محض بے جان لاش دھری ہے جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لیے دعا کرنا کس لیے ہے؟ وہاں تو مرنے والا نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں زیارت قبور صرف اس لیے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں۔ ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے لگالی ہے تذکرہ آخرت سے ہمیں

انکار نہیں۔ یہ تو اپنے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن کیا مرحوم کے فائدے کے لیے وہاں جانا اور اس کے لیے دعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

اگر وہاں ایک محض بے جان دھڑپڑا ہے اور یہ قبر نہیں جس پر ایلام و تنعیم کی کیفیات گذرتی ہوں تو پھر وہاں عاصری اور اس کے لیے دعا، اس کا کیا معنی رہ جاتا ہے۔
قبر پر دُعا کے لیے عاصری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے۔
وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ۔

(نپ: التوبہ، ص ۱۱)

ترجمہ۔ اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کبھی دعا کے لیے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پر کھڑا ہونا نماز جنازہ کے علاوہ ہے۔ کس لیے؟ دُعا کے لیے۔
حافظ ابن کثیر (۴، ۵، ۶) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پر دعا کی۔ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟
فما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ علی منافق ولا قام علی قبرہ
حتی قبضہ اللہ بہ

سیدنا حضرت عثمان روایت کرتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ
فقال استغفروا لانکم ثم سلوا لہ التثیبت فانہ الان یسئل بہ

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لیے اللہ سے ثابت قدمی مانگو اسے اب پوچھا جا رہا ہے۔

اگر یہ سوال وجواب اسی قبر میں نہیں تو اس قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے دُعا کیوں؟
 کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھا
 کر دُعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جنازہ میں موجود تھے آپ کہتے
 ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اُن کے دفن سے فارغ ہوئے تو وہیں قبلہ رخ ہوئے اور مرحوم
 کے لیے دعا فرمائی۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يده

ترجمہ جب آپ کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑے تو فاتح مصر تینا حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے
 بیٹے علیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے
 دفن سے فارغ ہو جاؤ، تم سب میری قبر کے ارد گرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا تاکہ میں تمہاری عافیت
 سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر و نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب
 دے سکوں۔

ثم اقبلوا حول قبري ما ينخر جزور ويقتل لحمي ما حتى استانس

بكم واعلموا ما ذا اراجع به رسل ربي

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی کس قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ اسی قبر پر جس میں لوگوں
 نے اس وقت آپ کو اتارا ہے۔ یہ سوال وجواب جس پر پورا اترنے کی آپ کی تمنا ہے کہاں ہوں گے؟ اعلیٰ
 علیین میں یا اس قبر میں۔ اگر اس قبر میں نہیں یہ محض ایک گڑھ ہے تو خدا را انصاف کیجئے حضرت
 عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کر کے اس طرح ان سے مانوس ہونے کے
 طلب گار ہیں۔

سوال و جواب اسی قبر میں

قبر کا سوال و جواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنی ہی نہیں، سو اس سے سوال کہاں ہوگا؟ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی بحث میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے (اذا سئل فی القبر) لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے لفظ قبر کی تخصیص اس لیے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اتاری جاتی ہیں۔ سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بناء پر ہے۔ ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے پھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہوگی اور وہیں اس سے سوال ہوگا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:-

اذا سئل فی القبر التخصیص للعادة او کل موضع فیه مقبره
فہو قبرہ

ترجمہ: جب قبر میں سوال ہو قبر کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا بروہ جگہ جہاں اس میت کا مقرر ہے وہی اس کی قبر ہے (جہاں یہ سوال و جواب ہوگا)۔ یہاں لفظ او (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادت عام میں قبر دکھائی نہ دے۔

افسوس کہ بعض نادان اس عبارت کو سمجھ نہیں پاتے اور انہوں نے اس سے علین اور سجن کے مقامات مراد لیے۔ کاش! کہ یہ لوگ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال و جواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے۔ آپ اس بحث میں لکھتے ہیں:-

رو فی الآخرہ) اعیالہ برزخ وغیرہ وقیل فی القبر عند السؤال وهو الصحیح کما وقعہ التصریح

ترجمہ: آخرت کے لئے عالم نزع یا کوئی اور جگہ ہے جہاں سوال ہوتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نزعیہ قبر اور یہ دوسرا بایں صحیح
اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قبل ہمیشہ ضعف مقولہ کے لیے نہیں آتا کبھی صورت برعکس بھی
ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال و جواب برحق ہے اور میت کے لیے ثابت قدمی کی
دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسؤال التثبيت
له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر و
قد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر وفيه ايضا
دليل على ان الميت يسئل في القبر وقد وردت به ايضا احاديث
صحيحة في الصحيحين وغيرهما ورد ايضا ما يدل على ان السؤال
في القبر مختص بهذه الامة كما في حديث زيد بن ثابت عنه مسلم
ان هذه الامة تبلى في قبورها وبذلك جزم الحكيم الترمذیؒ

ترجمہ: اس میں میت کے لیے دفن کے نزع کے مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت اور اس کے لیے ثابت
قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سوال کیا جا رہا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت
کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی
حد کو پہنچتی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت کے سوال و جواب قبر میں سمجھے ہیں
اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور اسی
روایت بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال اسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح
مسلم میں زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک ابتلا کا
سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) اسی کے قائل تھے۔

مقرر اموات یہی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔
قرآن کریم میں ہے:-

الَّذِي جَعَلَ الْأَرْضَ مَهْنًا ۖ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ (پہلے المراتل آیت ۲۵-۲۶)
ترجمہ کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا؛ (کن کو سمیٹ کر رکھنے والی) زندوں اور مردوں کو۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ جس طرح زندوں پر راحت و تکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر آتی ہے۔ عذاب قبر اسی زمین میں ہوتا ہے۔ قیامت تک کے جملہ حالات اس پر یہیں گزریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لیے اٹھنا ہوگا۔
حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:-

زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مرنے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوتا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوا۔۔۔۔۔ جو خدا اس حشر زمین میں اپنی قدرت متنازعہ نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔

جب انسانوں کی تکلیف و راحت اسی زمین پر ہے اور آخرت کی نجات و ہلاکت بھی اسی زمین پر واقع ہوگی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کی)

کیا اس زمین سے جُدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا خدا اس منزل کے مختلف مناظرِ راحت قبرِ ہو یا عذابِ قبر اس زمین میں واقع نہیں کر سکتا۔ جسے اس دُنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سُن سکیں۔

آپ ارواح کے مقررِ علیین یا سچین کو ٹھہرائیں آپ کو کون روکتا ہے۔ لیکن ابدال یا ابدال کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اُسے زمین سے جوڑے رکھیں تو اس کے لیے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں اُن کے زیرِ اثر یہ زیرِ زمین ابدال ان برزخی حالات سے یقیناً گزر رہے ہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبریں دی گئی ہیں۔ کیا مرنے کے بعد یہی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لیے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نہیں کیا؟

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃً اخریٰ
ترجمہ: ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے
اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اُٹھیں گے اور جو دریاؤں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں باقہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت و الم کے جملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو ہمارے اور ان حالات کے بائیں ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے، مگر بعض غاصانِ خدا کے لیے وہ کبھی کراہت اٹھاتا بھی ہے یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کی کوئی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

احباب گرامی قدر! تم اس بے زندگی کے لیے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں کھو گئے۔ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہو سکتی؟ کیا تم اسی لیے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی ہمیں نظر نہیں آ سکتی پردے میں ہے اس لیے اس کا ماننا مشکل ہے کیا یومنون بالغیب (وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اس امت کی شان نہیں؟ قرآن و حدیث چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لو گے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے۔

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس پوری زمین میں ہی کہیں نہیں۔ اگر کسی جلنے والے یا ڈوبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ وہ پوری زمین میں کسی غیر مرنی صورت میں بھی کہیں نہیں؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے؟ اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لیے کہ ان قبروں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہر کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملتی تھی۔

قرآن و حدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے کسی فوق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعوے یہ ہو۔

وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ

(پ: القمرا بیت ۱۷)

ترجمہ قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لیے ہم نے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قرآن کے اسرار و دقائق اپنی جگہ — کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے اصول ہدایت بہت آسان ہیں۔

دین فطرت عام انسانی سمجھ سے کلیۃً بالا نہیں کہ کسی طرح سمجھ میں ہی نہ آ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بہت آسان کر دیا ہے۔ سو اس کے الفاظ انہیں معنوں پر محمول ہوں گے جو عرب اس سے اپنے محاورے کے مطابق سمجھ سکتے تھے۔ اگر کچھ باتیں اس سے ورار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود متشابہات کی نشان دہی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کہاں الفاظ اپنی ظاہری معنی میں نہ ہوں گے۔

قبر کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں نہیں کہ اس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے اور یہ کہ قبر کسی اور جگہ ہے اس گڑھے میں نہیں۔

بلغنا انہ من وقف عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتلا هذه الآية

ان الله وملائکته یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

ترجمہ۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر

آئے اور یہ آیت پڑھے اے ایمان والو! اس نبی پر درود و سلام بھیجو۔

پ ۲۲ الاحزاب آیت ۵۶

یہاں ایک عرب قبر کا کیا معنی سمجھ سکتا ہے اور مسلمانوں کے ذہن میں لفظ قبر سے مدینہ منورہ کا روضہ اظہر ہی آئے گا۔ یا مومن اپنے خیال کی دنیا میں مقام عیلتین تک اڑے گا۔ آخر کچھ تو سوچئے کہاں تک بہکے چلے جاؤ گے۔

بلغة قال القاضی فی شرحہ رواہ البیہقی وابن ابی حذیل وثقہ جماعۃ واحتج بہ اصحاب السنۃ ومعنی قوله بلغنا،

معنی قبر پر سعودی پیشوا امام عبدالعزیز اول کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بیانات سے نقل کر آئے ہیں اس دور متاخر میں بھی علماء اسلام نے قبر سے یہ ظاہر قبر ہی مراد لی ہے۔ نجد کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اول لکھتے ہیں :-

صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعاء استسقاء کے لیے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لیے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے روایت موجود ہے صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ حالانکہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی ناکہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضرا میں ہے اور پھر اس کے ساتھ موصوف کا یہ کہنا کہ حضور کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء نجد کے عقیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسد اطہر میں پڑے ہیں ہے ہر کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ علماء اسلام میں سے آپ کی اس قبر میں حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ اسی حیات سے (اسے دنیا والے بدن کے اعتبار سے دنیوی کہیں یا پردے میں ہونے کے باعث برزخی کہیں) قبر پر آنے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

ہمیں افسوس اس پر ہے کہ ہمارے مخالفین حضور کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ مانتے ہیں نہ حیات برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جس میں آپ کا بدن مہلک

بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیات برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ آسمانوں میں کسی دور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ کو برزخی حیات بھی ہرگز حاصل نہیں ولم یقل به احد من السلف والخلف من علماء اهل السنة والجماعة۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے امام عبداللہ کی شہادت

اور حضور کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر مخصوص ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلا شک و شبہ افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر (قبر پر) سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں بلکہ اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے۔ آپ زائرین کے صلوة و سلام کو کہاں سن رہے ہیں۔

سرخیل علما رب نجد شیخ محمد بن عبداللطیف کی شہادت

علما آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبداللطیف کا تھا اس سے اہل علم نا آشنا نہیں آپ نے مسئلہ عذاب قبر اور مقام قبر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔

① شہادت در بارہ عذاب قبر

ہم قبور کے فتنہ (آزمائش)، اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور یکہ جسموں میں روحوں کو ڈالاجائے گا ایمان لاتے ہیں بلکہ

② شہادت در بارہ مقام قبر اور حیات قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ۔ اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں بلکہ

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم میں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملئكة باسطوا ايديهم

اخرجوا انفسكم۔ (پ الانعام ع ۱۱ آیت ۹۴)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھبراتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔ فرشتوں کی ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے :-

يضررون وجرحهم وادبارهم۔ (پ الانفال ع ۷ آیت ۵۰)

ترجمہ۔ فرشتے پٹختے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے اس سے اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا۔ اسے اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور چھو بھی رہا ہے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آ رہے مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی ملائکہ اعلیٰ اور عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہاں) کے درمیان برزخ کا پردہ نہیں لیکن ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ یہیں مدینہ میں سبلے ملائکہ اعلیٰ میں فرشتوں کا اختتام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہان روشن ہو گیا تھا۔

عالم بالا اور کرہ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہل زمین ملا اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا دماغ آنا جانا نہیں ہوتا۔ ہم جب تک اس دنیوی زندگی میں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذن الہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اُدِ پنے درجے کے اولیاء کیا وہ بھی ملا اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں؟ نہیں۔ اُن سے اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ پردے بٹائے ہیں۔ انہیں اس ملا اعلیٰ سے ایک خاص انس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اُتر کر بھی اُن سے مل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملا اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ يَدُ صُوْرَةِ التَّمَاثِيْلِ
الَّتِي فِيْهَا الْاَرْوَاحُ۔^۱

ترجمہ۔ فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد فومی الارواح کی تصاویر ہیں جن میں روح ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبریل دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سُنی تو باہر نکلے۔

فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادَّاهُو بِحَبْسِ يَدَيْ قَائِمٍ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ
مَا مَنَعُكَ أَنْ تَدْخُلِي قَالَ إِنَّ فِي الْبَيْتِ كَلْبًا وَأَنَا لَا تَدْخُلُ بَيْتًا
فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ۔^۲

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل دروازے پر کھڑے ہیں

آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا قصیر ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب حضورؐ محاذ خندق سے واپس آئے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا تو آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا:

اتاه جبریل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیہم قال فالی ابن قال فہنا واسار الی بنی قریظہ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہم۔

ترجمہ آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں بخدا ہم نے تو نہیں اتارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ نے کہا کہ ہر حضرت جبریل نے کہا۔ ادھر اور نبو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہوئے۔

انبیاء کے سوا دوسرے کا ملین کے لیے بھی فرشتوں کی یہ رویت ممکن ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں میں نے جنگ اُحد کے دن حضورؐ کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے۔

رایت یوم احد عن یمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن یشارہ رجلین علیہما ثیاب بیض یقاتلان عنہ کاشد القتال ما رأیتہما قبل ولا بعد۔

ترجمہ میں نے جنگ اُحد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت جنگ لڑ رہے تھے میں نے نہ انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں :-

فرشتہ اپنی اصل ہیئت و صورت میں سامنے آجائے تو اس کی ہیئت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ . . . دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امین بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وانہم قد یظہرون لافاضل الاذیتین فیشر ونہم ویبذرونہم
ترجمہ اور فرشتے اس زمین پر آؤ سچے درجے کے لوگوں کے لیے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارت اور کبھی نذرات کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں :-

اذا جمعا اجتماعات کیف شاء اللہ و حیث شاء اللہ

اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے۔

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر محبت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فوراً عذاب اترتا ہے — اس لیے الہی حکمت مقتضی ہوئی کہ عذاب کا پیغام انسانوں پر اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی ادائیں۔

وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکاً لقضى الامر ثم لا ينظرون ہ ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیہم ما یلبسون ہ (پ: الانعام ع آیت ۹)

ترجمہ اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اتر اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ

اُتارتے تو اسی وقت قصہ طے ہو جاتا۔ پھر وہ مہلت نہ پاسکتے اور اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لیے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصل صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے ملائعہ اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ پر ملائعہ اعلیٰ کے کچھ عیبے اُتار دیئے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہاز کا ارتباط قائم رہا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی بدن حسبِ اظہر ایک برزخی پیرائے میں فائز حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کوئی نسا علم و دانش کا تقاضا ہے۔ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم کو پتہ چلتے ہیں یوحی الی کے بھی تو آخر کچھ مقتضیات ہیں یا نہیں؟ و کفی باللہ شہیدا۔ برزخ کے بعد عالم آخرت ہے۔ اور یہ بھی نبی پاک کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

ان چار جہانوں کے سوا کیا کوئی اور جہان بھی ہے

یہ چار جہانوں کا بیان تھا — ان کے سوا ایک اور جہان ہے جو رہنے کی جگہ نہیں صرف دیکھنے کی چیز ہے۔ اس میں خالق و معانی حسبِ حال مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور نادیدہ حقیقتیں دیدہ بن جاتی ہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں۔

عالمِ مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت سی احادیث سے استنباط کر کے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالمِ ارواح کے سوا حیاتِ انسانی کے باقی ادوار میں انسان کے ساتھ متوازی چلتا ہے یہ عالمِ عنصری نہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں۔

دلت احادیث کثیرۃ علی ان فی الوجود عالمًا غیر عنصری یتمثل فیہ
المعانی باجسام مناسبة لها فی الصفة

ترجمہ: بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے جو عنصری نہیں۔ اس میں معانی صفت اور اعراض اُس اُس صورتِ اجسام میں متمثل ہوتے ہیں جو صفت میں اُن کے مناسب ہو۔

یہ گویا ایک صفت، پانی کی غیر محدود نہریا شیشہ ہے جس میں عالمِ شہادت کی وہ چیزیں جو جلد

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا قیامت کے دن آنا اعمال کا، جو اعراض میں متحد ہونا، دنیا کا بڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھ کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔ لے حجۃ اللہ الباقیہ ص ۱۱۱ مصرعہ عالمِ شہادت اور عالمِ غیب ایک دوسرے اعتبار سے عالم کی تقسیم ہے۔ ان دونوں کو عالم الغیب والشہادۃ (پ ۲۸ آخر آیت ۲۲) ہی جانتے ہیں۔ عالمِ شہادت ہمارے سامنے ہے اور عالم الغیب کی چابیاں تو ہیں اسی کے پاس — اس لئے جو جن جزئیات کا پتہ دیا۔ ان کے سوا ان کی خبر غیب بھی کسی کے سوا نہیں۔

یا جسم body material نہیں ہیں۔ اپنی مناسب اور موزوں شکلوں Modes میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں مثلاً نیکی virtue جو ایک مرئی visible چیز نہیں، ایک حسین جمیل شخص کی شکل میں بدی Evil ایک کریہہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر علم دریا کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ حقائق و معانی ہیں جو مختلف صورتوں کا لباس پہن رہے ہیں۔ یہ عالم مثال کی شبیہیں اور تصویریں ہیں۔ دنیا کا ایک بوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا، اسی کی مثالیں ہیں۔

یہ معانی کی تصویریں ہیں۔ اس جہان میں کبھی اگلے جہان کے حقائق کی تصویریں بھی ملتی ہیں جنور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ صورت لی الجنة والنار اسی قبیل سے ہے جنت و جہنم اپنی جگہ محسوس حقیقتیں ہیں۔ یہ کوئی معانی کا اجتماع نہیں۔

عالم مثال کا لفظ معانی کی تصویروں کے لیے بھی آتا ہے اور حقائق کی تصویروں کے لیے بھی لیکن صرف ان حقیقتوں کے لیے جو اس جہان سے اس جہان میں جلوہ ریز ہوں۔ جیسے کہ جنت و دوزخ جو حضور کو یہاں دکھائی گئی یا حضرت جبرئیل جو ملا اعلیٰ سے اس جہان میں وحیہ کلمی کی صعدت میں ظاہر ہوتے رہے۔

ہاں اس جہان میں چیزوں کی شکلیں بدلیں۔ جیسے لامٹی کا سانپ بن جانا، آگ کا باغ بن جانا، تو یہ عالم مثال کی باتیں نہیں معجزات میں حقیقت بدلتی ہے اور یہ فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت عالم مثال کو عالم غیب اور عالم شہادت کی ایک برزخی منزل بتاتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ عالم ملکوت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسری منزل کا نام ہے۔ یہ برزخ اس برزخ سے جدا ہے جو عالم دنیا اور آخرت کے مابین ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے حضرت سید صاحب

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات، اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے۔

معراج کی رات حضورؐ نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال میں دیکھا جیسا کہ بیضاویؒ کی رائے ہے یا ہو سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصل اجسام تھے جو بقدرت الہیہ وہاں لا جمع کئے گئے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے۔ جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے۔ جو علماء وہاں اصل اجساد کی حاضری کو قدرتِ خداوندی کا جلوہ نہیں ایک لائق استہزاء منظر سمجھتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میسش اندر طعنہ پا کاں بُرد

ہاں آپؐ نے اس رات جو غیبت کرنے والوں کو انسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ لوگ سامنے رکھا اچھا صاف سترِ گوشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں یا کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اُونٹ کے سے تھے اور اُن میں آگ ڈالی جا رہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں کے بل بٹکی تھیں۔ یہ سب واقعات بے شک ان اشخاص و اعمال کی مثالی صورتیں تھیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس نے ابھی موت کو نہ دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور اس کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ اس رات بل رہے تھے۔ لہٰذا من آیاتنا انھو السميع البصير کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

باقی انبیاء کو درمیانی حیثیت میں رکھئے ہو سکتا ہے اجسادِ اصلیہ ہوں اور ہو سکتا ہے

۱۔ سیرت النبی جلد ۳ صفحہ ۳۴۰ و تمثیل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (تفسیر بیضاوی ص ۲۸۳ مصر)
مثلاً فی التبیوت فصلیت بہم (تفسیر مظہری جلد ۵ ص ۱۰۰) ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۱۱ میں سے دیکھئے۔

مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سیرِ برزخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس برزخی سیر میں روح کی لطافت میں تھا تو اب وہ جسد عالمِ برزخ میں کیوں روح کے حکم میں نہیں (معاذ اللہ) بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک

حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاں یہ ایک عالمِ برزخ کی سیر تھی جہاں آپ کے جسدِ اطہر پر روح کے خواص طاری کیے گئے اور معانی و واقعات آپ کو مختلف اشکال و صور میں مشاہدہ کرائے گئے آپ نے متعدد حقائق و معانی اور بحرین و منبعین کو مختلف اشکال و صور میں دیکھا لیکن یہ سو فی صد حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیرِ برزخی میں اپنے اصلی جسدِ اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسدِ اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں تھا۔ اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ ان کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

كل ذلك لجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في مواطن

هو بين المخ والمثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد

احكام الروح۔

ترجمہ آپ کا یہ سارا سفر معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات میں تھا جو عالمِ شہادت (اس کھلی دنیا) اور عالمِ مثال کے مابین ایک برزخی درجہ ہیں۔ اس میں عالمِ شہادت اور عالمِ مثال دونوں جمع تھے اور جسدِ اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوئے تھے۔ آپ کی یہ سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ جسدِ اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور کہاں کہاں جا چکا تھا۔ جہاں جاتے جبریل کے نوری پر چلتے تھے۔ یہ خاکِ جسدِ اطہر اس سرحد کو ایک

آن میں پار کر گیا۔ اب وہ جبراطہ حب مدینہ میں منتفی ہوا، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور جلاہ نہیں کہ روح اقدس کے تعلق سے فائز حیات ہو وہ تاقیات قبر میں بے جان و حس پڑا رہے گا اللہ تعالیٰ کیا اس کے لیے وللاخرة خیر لك من الاولیٰ کی بشارت شعی مہتی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہوگی۔

ہم نے اس تمہید میں عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کا کچھ مختصر تعارف عرض کیا ہے۔ عالم مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالم مثال کے دو پہلوؤں میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو ان کے ہاں عالم ارواح کا ایک جلوہ ہے وہ اسے عالم ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں سے انکار ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ حضرت مولانا الدشاه صاحب فرماتے ہیں:-

اما عند علماء الشرع فليس هناك الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجسام
وقد يخطر بالبال ان ما سماه الصوفية عالم المثال هو الذی سماه
اهل الشرع عالم المثال ولم يبق فرق الا في التسمية واما ما سماه
الصوفية الارواح المجرية فلم يبعث عنه العلماء

ترجمہ۔ لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں۔ عالم ارواح اور عالم اجساد
ہاں کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالم مثال رکھتے
ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالم برزخ رکھتے ہیں۔ اس صورت
میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجرودہ
رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

اسلام میں ابدانِ مثالیہ کا تصور

جو مہربان کو اَلْفِ برزخیہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالمِ غیب کی کسی چھٹی دادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اس قبر میں دفن ہے جسے یہ لوگ قبر ہی نہیں جانتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:-

دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر
برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہِ نظر و عنایت بحال رہتا ہے۔
... بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔

اس قبر کو قبر نہ مانتے والے عذابِ قبر کے لیے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دور کی قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے۔ اب انہیں اس بدنِ مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ دور کا بدن اس دور کی جگہ میں عذاب پارہا ہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کئے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے۔ یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر ہونے والے شرک کو رد کرنے کے لیے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر شاعتِ توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صوفیوں سے، یہ آپ اُن سے تحقیق کریں ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی۔ بشریت میں عالم ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان کسی مثالی دنیا کا تہ نہیں ملا۔ مثالی صورتیں تو ملیں، لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے۔ معراج کی رات آپ نے جو کچھ ابدان کو ہوتے دیکھا وہ ابدانِ معذب کی مثالی صورتیں تھیں۔ اصل عذابِ قبر اصلی (وہ ایک جگہ ہو یا متعدد ذرات میں منقسم) کو ہر ہا سکتا

علمائے شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ مطالعہ کر چکے ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پلنے کے لیے بتایا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے وہ اپنے کشف سے دیکھتے ہیں حضرت صوفیہ کرام کے ان نظریات کی بنیاد ان کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں۔ کرامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر۔ لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لیے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس جسدِ عنصری کو نہایت احتیاط سے بچا لیا ہو۔

سنا ہے ہمارے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی سزا ایک مثالی بدن پر وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نیم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے۔ وہ شہداء کرام کی حیاتِ برزخی کو پرندوں کی صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں؟ انسانوں کی؟ مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی مثال ہو۔ — روح متجسد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو پرندوں کو اجسادِ مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متجسد ہو تو یہ عالمِ ارواح کی ایک صورت ہوگی کوئی علیحدہ عالمِ مثال نہ ہو گا۔ — اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متجسد ہو، اس کی متعدد صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صورِ مثالی ہوں گی، اجسامِ مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے۔ — اولیاء جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض ان کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

یہ مشاہدات اور عجائبات و کوائف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ گو محققین ہی ہوں عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بناء دلائل قطعیہ پر ہونی چاہیے صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں۔ اور مسائل کی بناء بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہیے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر۔ — حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۵۴۳ء) لکھتے ہیں :-

صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے یہیں اتنا کافی ہے کہ ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اس میں امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کا اعتبار ہے نہ کہ ابو بکر شبلیؒ اور ابوالحسن نورانیؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچھ صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر قصور و مرددین و ملت میں داخل کر لیا ہے اور اس کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں بلکہ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، میت، روح، جسد، الم، راحت اور ادراک کے وہ اطلاقات جو کتاب و سنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے منہ موڑ کر عقائد کی بناء صوفیہ کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رکھنا اور اشاعتِ توحید و سنت اسے ہی سمجھنا کہ عالم نرفخ کا عذاب و ثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کوئی صحیح علمی موقف نہیں کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ یہ بات کہیں قرین عقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اُسے صحیح سمجھا ہو۔

صرف انبیاء کرام میں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے فہم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے جو ان کی خطا اور بقاء علی السخطا سے حفاظت کرتا ہے۔ مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطا سے حفاظت ہو عود ہو۔ جب وہ گہرائی میں اترتا ہے تو بات کبھی درست مٹھتی ہے اور کبھی خطا — عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں بھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو صحیح پالے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

عارف جامی لکھتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ اس کے دنیا اور برزخ کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے۔ وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے بھونکے یا راحت کی لہریں پہلے روح پر ہی اتریں اور چونکہ جسم اس کے لیے بمنزلہ آلہ ہے اس لیے وہ بدن پر آکر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پر ہوتی ہیں۔ سو کسی عارف نے پہلی منزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہو رہا ہے، تو ہمارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کرامیہ کی بات درست نکلی — عزیزان گرامی اس صورت حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پر اتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متاثر ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذابِ قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پرندے کی صورت میں متحد ہو اور اس پر عذاب یا راحت اترے (گو اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جسدِ برزخی کو ہو رہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ ہمارا شکوہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن و حدیث کے کھلے اطلاعات کے انکار کا زینہ تو نہ بنائیں۔

مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت

عذابِ قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ کتبِ حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے بابِ بندے ہیں۔ جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے اہم و

راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی عود روح نہ بھی مانے، تعلق روح مان لے۔ عذاب و راحت دونوں پر جملے تو وہ ہمارے ہاں منکرین عذاب قبر میں سے نہیں ہے۔ بدن یک جا نہ ہو، ذرات منتشر ہیں منقسم ہو اور ان پر ایک باریک رابطے سے عذاب اترنا مانے تو اسے بھی منکرین عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے۔ بدن کا یکجا ہونا ہمارے ہاں اس کے لیے شرط نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لا تعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پر ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ محض ضد و عناد سے معتزلہ کرامیہ شیعہ اور ظاہریہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں صوفیوں کے مشاہدات سے ہنسنا کرنا سخت نا عاقبت اندیشی ہے۔

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی

کرامیہ کا اصل اختلاف حیات البنی کے موضوع پر تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے، آپ کی حکمی رسالت کے قائل تھے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہیں ابتداء سے روح و بدن کی لا تعلق کی ضرورت تھی۔ عذاب قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے، شہداء کی حیات مافی تو صرف پرندوں کے قالب میں۔ ان عرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا۔ یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کر کے توڑتے گئے۔

ہمارے عہد میں بھی اختلاف عقیدہ حیات البنی سے شروع ہوا۔ یہ حضرات ابتداء میں عذاب قبر سے منکر نہ تھے لیکن مسئلہ جب اطراف و جواب میں پھیلا تو انہیں بھی عذاب قبر کا معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا۔

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کر لیں تو پھر ہمیں شہداء کی بھی حیات جسمانی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہم ابتداء سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں،

کہ عامہ اموات کے لیے عذابِ قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ہمیں انتہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار نہ کرنا پڑے۔
جب کسی نے گڑھے میں گہنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اسے کون روک سکتا ہے۔ مختلف ہو تو حل ہو سکتا ہے۔ غدا اور غناد کا کوئی علاج نہیں۔

یہ گمراہی جس ترتیب سے اُٹھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں پہلے اسلام کے عقیدہ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے۔ اس کے ضمن میں مسئلہ عذابِ قبر پر کچھ بحث ہو جائے۔ پھر حیاتِ الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے۔ اور آخر میں مسئلہ حیاتِ انبیاء پر عقائد اہل السنۃ و الجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی تھی کہہ دی۔ اب اسے دلوں میں اتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے وہ انہیں پھیرتا ہے۔
اجباب سے گذارش ہے کہ وہ ہماری معروفات کو غدا و غناد اور تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ بہت سے بیمار دلوں کو شفا ہوگی۔ وهو المستعان وعلیہ التکلان۔
یا قوم الیس منکم رجلان شید۔

عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اور عالم امثال کے حالات اور اُن کی صفات آپ کے سامنے ہیں انہیں عالم برزخ میں قبر کے اُلم و لذت کی کیفیت اور اس کا ادراک اُس چھپے جہان (برزخ) کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں ہم اس پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے ان مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدر مشترک اسے تو اتر کا درجہ دیتی ہے لیکن اسے یہاں پوری مدح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لیے ہم اسے کچھ سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ و لعلہ التوفیق۔

عذاب القبر

①- ثم السؤال عندی یكون بالجسد مع الروح كما اشار اليه صاحب الهداية^۱.

ترجمہ: میرے نزدیک قبر کا سوال و جواب روح و جسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

②- يصح ان يعرض على الانسان المجمع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة والنار ويحق اللذة والالم^۲.

ترجمہ: یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح و جسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح و جسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت و الم کا ادراک کرتا ہے۔

③- ولا يرد تعذيب الميت في قبره لانه توضع فيه الحيات عند العامة بقدر ما يحسن بالالعم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحياة في تلك الاجزاء المتفرقة لا يدرکها البصر^۳.

ترجمہ: عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت و الم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراک الم کے لیے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جاسکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اُسے نہ پاسکیں۔

^۱ فیض الباری مولانا السید نور شاہ صاحب جلد ۲ ص ۱۸۲
^۲ منہجی جلد ۱ ص ۲۲۵ لکھ رد المحتار شامی باب العین فی الضرب والقتل جلد ۳ ص ۲۰۱

④- واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قد رمايتالم اويتلذذ به

ترجمہ: یہ جان لیجئے کہ اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں سجاوٹ قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہ معاملات قبر میں (الم یا لذت کا ادراک کر سکے۔

⑤- ان مذهب سلف الاثمة واثمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه به

ترجمہ: سلف امت اور ائمہ اہل سنت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لیے نعيم و عذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذت و الم کا) یہ ادراک روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

⑥- ان النعيم والعذاب لا يكون الا على الروح وان البدن لا ينعم ولا يعذب وهذا قول الفلاس المنكرين لمعاد الابدان وهو لا يوافق باجماع المسلمين ويقولون كثيرا من اهل الكلام من المعتزلة وغيرهم الذين يقولون بمعاد الابدان لكن يقولون لا يكون ذلك في البرزخ وانما يكون عند القيام من القبور لكن هؤلاء ينكرون عند البدن في البرزخ فقط

ترجمہ: قبر کا ثواب و عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ ان فلاسفہ کا قول ہے، جو "معاد ابدان" کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں معتزلہ کے متکلمین کا جو "معاد ابدان" کا اقرار کرتے ہیں، بھی قبر کے ثواب و عذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاملہ ابدان کو صرف

حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر صرف روح سے متعلق ہے۔ بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

④۔ بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذرند...
..... افسوس، ہزار افسوس، ایں قسم بطلال خود را بسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ ضلّوا و اضلّوا بلہ

ترجمہ۔ اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکام برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدن اول کو عذاب قبر اور ثواب قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریب کاروں پر جو شیخ ہونے کی مسند بچائے ہوئے ہیں مسلمانوں کے مقتدا بننے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تنقیح المسبّحات

مختلف ادوارِ حیات کی تفصیل اس لیے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سوادِ علم کا اجماع ہے مشتبہ ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اس دنیا والے بدن یا اس کے اجزاء کو عالم برزخ میں روح سے کئی طور پر جدا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ہر کسی کے لیے اُس کے مقام کے مطابق روح و بدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

عبد اہل اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات ٹپڑ وارد ہوئی اور طریقِ موت سے ”کل نفس ذائقۃ الموت“ کا وعدہ پورا ہوا آپ کے جس قسم کی وفات مقدر تھی اُس کا درود ہوا، اور آپ نے یقیناً اس عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضہ منورہ برزخ کا محل اور اسخوت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

حسب ہدایت کل نفس ذائقة الموت اور اِنَّكَ مَیِّتٌ وَاَنْتُمْ مَعِیُّنَ
مُتَّامِ انبیائے کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی
نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔

باجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ
اس پر بھی پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے کہ حضورؐ کے پردہٴ قبر میں جانے کے بعد
پھر آپؐ کے جسدِ اطہر میں حیات نوٹا دی گئی۔ دُخُلِ روح سے اس دُنیا والے
جسمِ عنصری میں اعادۂ حیات ہوا یا تاثیرِ روح سے آپؐ کے جسدِ عنصری میں حیاتِ
نوٹ آئی، اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا، لیکن انجام کار سب کا اتفاق
ہے کہ آپؐ کا جسدِ اطہر روحِ منورہ میں محض بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ فاخر الحیات
ہے۔ آپؐ کی یہ حیات تقدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالروح
روحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ اصل مبحثِ مطلق حیات نہیں، بلکہ حیات بعد
الوفات ہے۔ پس وہ آیات یا روایات جن سے ثبوتِ وفاتِ سید الکائنات کا استدلال
ہوتا ہو، ہمارے مدعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں انہیں بار بار دہرانا اور محلِ نزاع
بنانا یقیناً خروج عن المبحث ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ حیاتِ النبی کے مسئلہ میں یقیناً، حیات
بعد الوفات، کا ہے۔ پہلے وفات کا دُود بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز منافی نہیں۔ خطبہٴ صدیقی
میں ان لوگوں کے خلاف ہی پیش ہو سکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کے
طریانِ موت کے قائل نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ طریانِ موت کی کیفیت میں تو اختلاف
کر سکتے ہیں، لیکن دُودِ موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں۔ یہ حقیقت اُن کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم
کا وفات آپؐ کے لیے مقدر تھی وہ آپؐ پر وارد ہوئی۔ اور وعدہٴ الہیہ حضورؐ پر بھی پورا ہوا۔

طربانِ موت اور عادتِ حیات کے احتمالاتِ ثلاثہ

صورتِ واقعہ — کچھ بھی ہو
روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی پھر بھی قدرِ مشترک ہے

احتمالِ اول

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہے۔ لیکن روحِ مبارک جسیدِ اطہر سے جدا ہونے اور رفیقِ اعلیٰ اور علیتین کی سیر کرنے کے بعد پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسیدِ اطہر

لہ اعلیٰ علیتین میں اس وقت داخلے اور تعلق قائم کر کے پھر روح کے واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام نے ایک خواب میں حضور کو اس عالم کی سیر کرائی تھی۔ اور حضور اکرم نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا۔ بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبریل ادا

حضرت میکائیل نے کہا تھا۔ انہ بقى لك عمر لک تستکملہ فلو استکملت اتیت منزلك (بخاری کتاب الجنائز جلد ۱۸۵) آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے۔ جب آپ اس کی تکمیل فرمائیں گے تو پھر آپ اپنی اس

منزل میں آئیں گے۔ جب یہ کلام اس وقتی داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ اشکمالِ عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسر ہو گا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہو گا۔ بعد میں کیا ہو گا، یہاں اس کی

تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ کہیں نہیں مل سکے کہ آپ اشکمالِ عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعی فعلیہ البیان۔ بہر حال یہ ایک خواب

تھا جس کی تحقیق اس وقت مقصودِ کلام نہیں ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

میں نو مادی گئی۔ روح اقدس کا اعلیٰ علیتین سے تعلق بھی رہا اور روضہ منور میں رکھے جسید اطہر میں بھی حیات لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں دوسرا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں تھا۔ بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیات دنیوی رزق مادی کی محتاج ہے۔ لیکن اس عالم بزرخ کی حیات عنصری جسمانی اس دنیا کے رزق مادی پر مبنی نہیں، اس کا تقوم رزق روحانی پر ہے اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمال دوم

آپ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہی ہے لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخول روح سے نہیں، اتصال روح سے ہے۔ روح مبارک جسید اطہر سے جدا ہو کر رفیق اعلیٰ اور خطیرہ قدسیہ میں پہنچی پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسید اطہر پر پڑنے لگا۔ اس سے جسید عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیات جسمانی قائم ہوئی اور روضہ منورہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو آپ خود سنتے ہیں۔

احتمال سوم

آپ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ بمعنی قبض روح ہے انقباض الروح فی القلب سے روح اقدس سارے جسم سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلب مبارک میں مستقر ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم بہت گیا۔ آثار حیات قلب منور سے پھر پھیل گئے اور روح مبارک اس تعلق کے باوجود علیتین سے بھی متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیات ایک لمحہ کے لیے بھی مرتفع نہ ہوئی اور ”روح بمعنی حیات“ کا کُلّی انقطاع نہ ہوا۔ گو انقباض الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس عالم

میں روح و حیات میں تلازم نہیں۔ آثارِ حیات سبب ہو کر قلب میں اس لیے منتقل ہوئے کہ اختلافِ دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا۔ اور قاعدہ ہے حرمِ اسرار میں بغیر آئینِ دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے درودِ وفات پر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو دفن کر دیا اور روضہ منورہ میں پھر آپؐ کے جسدِ اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ ماسوا اس کے کہ لوازمِ حیات وہاں صرف وہی ہیں۔ جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ : طریقِ موت اور اعادہٴ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محلِ نزاع نہیں اور نہ ان میں سے کسی ایک کے امر واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے۔ بحث و تحقیق وہیں ہونی چاہیے، جہاں ترتیبِ احکام مختلف کر دیں لے رہا ہو اور جہاں بہر صورت قدرِ مشترک ایک ہی ہو اور ترتیبِ آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کر لیں، نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں الجھ کر رہ جانا خود ایک اندازِ جنون ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریقِ موت اور اعادہٴ حیات کے لیے جس صورت کو امر واقع قرار دیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین توحید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتیبِ آثار و احکام ہو سکے۔

گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیز ایسا ہی رہے گا، مگر اس عقیدہ کو عقائدِ ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔

پس جب حضرت حجۃ الاسلامؒ نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود

دوسروں کو حق دیا ہے، تو اب اس خاص جزیئہ میں حضرت سے اختلاف خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدر مشترک ہی کا کہ روضہ منورہ میں جسید اطہر محض بے جس و شعور نہیں، بلکہ اس میں حیات عنصری بہر صورت کیفیت موت موجود ہے، انکار کر دیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو ایک خاص صورت موت کے انکار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ یقیناً اکابر اہل سنت کے مسلک سے گریز پائی ہو گئی۔

روح مبارک نے علین سے پرتو ڈال کر جسید اطہر میں حیات لٹائی ہو یا قدرت ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہو چکی ہو یا قلب منور میں مستور حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، مالِ کار سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روضہ منورہ کی حیات جسمانی تمام احتمالات اور مسالک فکر کی قدر مشترک ہے۔

تفصیل مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسئلہ زیر بحث فقط یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریفہ میں حیات عنصری سے زندہ ہیں یا جسید اطہر محض بے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ :-

① — حضور پر وفات شریفہ کا ورود ہوا تھا یا نہیں یا

② — یہ طریق موت انقطاع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبض روح کے معنی میں یا

③ — روح مبارک کا مستقر مقام علین ہے اور وہ وہاں سے روضہ منورہ میں رکھے گئے۔ جسید اطہر پر پرتو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جسید اطہر میں داخل ہے۔ اور رفیق اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے، وغیرہ ذلک من المدارک۔ ان کیفیات کو موضوع بنالینا یقیناً خروج عن المبحث ہوگا اور یہ امور قطعاً نقطہ اشتراک "بقبر شریفہ کی حیات عنصری" کے عوارض الیہ میں سے نہیں، ان احتمالات ثلاثہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلاف واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا۔

اصل مبحث حیات النبیؐ

باعتبار تعلق بالبدن — حیات جسمانی
باعتبار تعلق بالعالم — حیات برزخی
باعتبار تعلق بالرزق — حیات روعانی

مشتک مفاد حیات جسمانی برزخی ہے۔

(دولال اعتبارات لبطل الحکمة)

حیات جسمانی

زندہ اُسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخولِ روح سے، خواہ اتصالِ روح سے۔ فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ روح جہاں بھی ہوگی، زندہ ہی ہوگی پس کسی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی روح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں اور نہ اُسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے، اُس کا محل جسم ہی ہے۔ شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

① وَلَا تَقُولُوا الْمَن يَقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ۔

(پ البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور تم اُنہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، مَرُوے نہ کہو، بلکہ وہ

زندہ ہیں، لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں اَحیاء اُنہی کو فرمایا، جو مَن یقتل کے ماتحت آتے تھے اور ظاہر ہے قتل کا محل

جسم ہے نہ کہ روح — پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح — اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مُردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی، تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جسمی طور پر زندہ ہیں؟

جو اباعرض ہے کہ اسی لیے تو الشرب الغزت نے ارشاد فرما دیا تھا — ولكن لا تشعرون۔ لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا — اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسمی حیات ہے

تقاضی شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء أنهم أحياء يرزقون
وان الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء المرسلين به

ترجمہ: نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا ہو) پس انبیائے مرسلین کی حیات اظہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔

② واذا قال ابراهيم رب ارنى كيف تحي الموتى۔

(پ ۱۱ البقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے کہا: اے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ کس طرح مُردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ ”موتی“ کہا گیا ہے اور ظاہر ہے روح ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور ”موتی“ اجسام ہی کو کہا گیا ہے پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

③ فاماته الله مائة عام۔ (پ البقرہ ع ۲۵ آیت ۲۵۹)

ترجمہ۔ حضرت عزیزؑ کو سو سال تک موت سے رکھا

اس میں بھی امات کا محل جسم ہی ہے نہ کہ روح۔ حضرت عزیزؑ کی روح پر تو موت قطعاً نہ آئی تھی۔ پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ روح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

④ اَفِیْ هٰذِهِمۡ — میں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

ان حقائق سے واضح ہے حیات ہوتی ہی جسمانی ہے۔ اگر روح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیاتِ روحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے، اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن ربیب اپنے مرثیے میں کہتا ہے۔

ولما تراءت عند مرو منیتی

وحلّ بہا جسمی وحانت وفاتی

ترجمہ۔ اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم بنا اور میری وفات کی گھڑی آپہنچی۔

لے پیش نظر ہے کہ جس طرح جُملہ بنی آدم پر فعلِ امات محض ایک آئی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے۔ بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیزؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمائے کیونکہ آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جانا تھا۔ پس جب موت سابقہ سے استحالِ دارین کا تحقق نہ تھا تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں مائة عام کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر فعلِ امات کے بعد معاملات برزخ جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے۔ پس اسے ایک ضابطہ بنانا اور موت انبیاء کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا کس قدر کھلی خطا ہے۔

حیاتِ برزخیہ

نہایت افسوس ہے کہ انبیاء کرامؑ کی حیاتِ عنصری جسمانی کے انکار کو حیاتِ برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیاتِ برزخیہ میں علاقہِ لذتیت کا نہیں، ظرفیت کا ہے۔ اور حیاتِ برزخی سے مراد حیات فی البرزخ ہے، نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالمِ برزخ میں حیاتِ جسمانی حاصل نہیں۔

پس جن بزرگوں نے حیاتِ برزخی کی تصریح کی ہے، ان کی مراد روضۂ تنورہ کی حیاتِ عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیاتِ روحانی کے الفاظ استعمال کیے، ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اندری صورت حیاتِ روحانی یا حیاتِ برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیاتِ جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المراد یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ثانیہ کی ان جہتِ دِ برزخی، روحانی (معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محلِ بحث بنانا اصل موضوع کو الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوع تحقیق صرف حیاتِ جسمانی ہے اور وہی محلِ نزاع بنی ہوئی ہے۔ پس اصل بحث یہ ہے کہ :-

”سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسدِ اطہر محض بے جس و شعور پڑا ہے“ (معاذ اللہ)

روح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید نور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارفِ باریؑ یہاں تین چیزیں ہیں :-

- ① وہ جو اہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدان مادّیہ۔
 ② وہ جو اہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے، جنہیں صوفیاء ”اجسام مثالیہ“ کہتے ہیں۔
 ③ وہ جو اہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں، جن کو صوفیاء ”ارواح“ یا حکماء ”جو اہر مجرّدہ“ کے نام سے پکارتے ہیں۔

مجبور اہل شرع جس کو رُوح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ”بدن مثالی“ سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ رُوح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے ہے اور اس عبادی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکلیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری نہیں ہونے پاتی۔ گویا حضرت علی مرتضیٰؑ کے قول کے مطابق، جو بغویؒ نے اللہ توفیٰ الا نفس حین موتہا کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت رُوح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔
 حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

الحیوة فی اللغة شیء مفائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقة وقد
 زعم بعض الناس انہ نفس الحیوة ولس كذلك

ترجمہ: حیات اور رُوح لغت کی رو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں حیات رُوح کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے بعض عام لوگوں کا گمان ہے، کہ رُوح ہی نفس حیات ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں :-

سیاسے از اشاعرہ و خفیۃ در اعادۃ روح تردد کردہ اند و تلازم روح و حیات
را منع نموده۔

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور خفیۃ (حیات فی القبر کے لیے) اعادۃ روح کے
باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح
کے تلازم کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیات جسمانی کے لیے اعادۃ روح ضروری نہیں، محض تعلق روح سے بھی وہاں
حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ ”روح مفارقت بدن کے بعد بھی جزئیات
کا ادراک کر سکتی ہے۔“ فرماتے ہیں:-

فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔

ترجمہ: یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی چاہیے کہ نفس انسانی بدن سے جدا ہونے کے باوجود
ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس بدن پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع ”اعادۃ روح“ بھی نہیں، بلکہ ”ثبوت حیات
بعد الوفا“ سید الکائنات ہے اور اسی موضوع پر ہم کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں۔ عودِ روح کی
بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیات شہداء کا بیان بھی صرف اس لیے ہے کہ ان
کی حیات جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیات ثابت کرنے کے لیے ایک ذینہ کے درجہ میں ہے
اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدالالت التزامی ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم اس باب
کو شروع کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ ازمۃ التحقيق۔

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے تعلق بایں قدر کہ عذابِ قبر یا اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک روحانی زندگی ہے جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃً ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم :-

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا۔ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حیاتِ شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وصلے حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارتہً مذکور ہے حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالت ثابت ہو رہی ہے حیاتِ انبیاء کی بحث ہم انشاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوع سخن حیاتِ شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارتہً النص سے مذکور ہے جس کا انکار کفر ہے اس کا سمجھ میں نہ آنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی

مثال میں آنا اس کے شعور میں آنے پر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہو گا اگر ہم حیاتِ شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفسِ حیات پر کچھ گزارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔
ابن عبد الہادیؒ (۴۴، ۴۵) لکھتے ہیں:-

والحياة جنس تحتها انواع وكذلك الموت فاشبت بعض انواع الحياة
لايزيل اسم الموت كالحياة البرزخية واشبت بعض انواع الموت
لا ينافي الحياة كما في الحديث الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم
انه كان اذا استيقظ من النوم قال الحمد لله الذي احيلنا بعد املتنا
والبيه المنشور

ترجمہ: حیات ایک جنس جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں سو کسی ایک قسم کی حیات کا اور مرد موت کے منافی نہیں جیسا کہ حیاتِ برزخی میں ہوتا ہے اور کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ سب حمد و ثنا اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف اٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گھاٹی نہیں جس پر پہلے کوئی نہ آیا ہو ہمارے دوست ہمیں بے جا طعنہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں۔
○ — ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے کہ عذابِ قبر اور اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے قدرے تعلق بھی ہے۔

② — ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں ہونے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ و تنمیه ہے۔ نہ اس کے لیے پانی اور ہوا لڑھی ہیں۔ یہ اعادہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پر جسمانی زندگی محسوس کریں۔

③ — ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرف تعلق سے قائم ہوتی ہے۔ اس میں آب و ہوا کے خارجی اثرات نشو و نما اور مادی خوراک درکار ہوتی ہیں جیسی کہ ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔

④ — ایک زندگی روح اور بدن عنصری کے اتصال سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف اتنا ہے کہ پورا بدن نرم و نازک اور محفوظ رہے۔ انہیں اس عالم کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالم غیب کے افعال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ اس جہان کے زائرین کا سلام سنادیتے ہیں۔ یہ انبیاء کرام کی حیات برزخی ہے۔

⑤ — چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالم آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں اور پھر یہ گے اور اہل جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے اپنی اپنی برات کا رزق ہوگا۔

زندگی کے یہ مختلف محال ہم نے اس لیے ذکر کر دیئے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حقیقتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال: قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے کیا یہ تعبیر کہیں سلف نے بھی اختیار کی ہے کہ وہاں مختلف انواع حیات کے الفاظ ملیں یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے۔

جواب : ہاں آپ شرح العقائد اٹھا کر دیکھیں علامہ نقی زانیؒ (۹۲ھ) لکھتے ہیں

ويعجزان يخلق الله تعالى في جميع اجزاء البدن او في بعضها نوعا من الحياة
قدر ما يدرك العذاب ولذة النعيم^۱

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے
میں زندگی کی کوئی ایسی نوع قائم کر دے اسے عذاب کی تکلیف یا آرام
کی لذت کا ادراک ہوتا رہے۔

ما فظ ابن قیمؒ (۵۱ھ) برزخ میں روح لوٹنے کے ذیل میں لکھتے ہیں :-
لان ذلك الرد نوع اخر غير الممهود^۲

ترجمہ۔ یہ روح کا بدن کی طرف لوٹنا روح و بدن کے تعلق کی اور نوع ہے جو اس دنیا و اعلق سے مختلف ہے
اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :-

ان اهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حياة في القبر^۳

ترجمہ۔ سب اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک خاص
طرح کی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

ما فظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اس نوع حیات کو ادراک سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس
کی اپنی تخلیق ہے۔

ان الله تعالى يخلق فيه ادراكا بحيث يسمع ويعلم ويلذ ويألم^۴

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت میں ایسا ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ سنتا بھی ہے
سمجھ بھی لیتا ہے آرام اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ اکوسیؒ نے روح المعانی میں کہی ہے^۵

یہی بات علامہ ابن عبد الہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں۔

نوع حیاة برزخیہ۔

ترجمہ: حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اسم موت کلیۃً اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے خلق الموت والحیاء (۲۹: الملک) قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی شے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوة جنس تحتہ انواع وکذا لکھنا

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات کی سی موت نہیں سمجھتے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔

قرآن کریم میں حضورؐ کے میت ہونے کو اوروں کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت میت ہونے کے ان میتوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ (پ۲ الزمر) یہ نہیں کہا اِنَّكَ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ۔ اس سے پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمیع وجوہ سے اوروں کی موت جیسی ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ایسی موت ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت حس اور شعور کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے۔

امام البحرین (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہداء کی موت بھی عام اموات سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منقنی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق

حضور کے اہلک حضور کی ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبر حضور کی نیابت میں ان میں تصرف کرتے تھے۔ صدیق اکبر جانتے تھے کہ حضور کا ملک حضور کے اہلک پر باقی ہے جیسا کہ امام اکبرین نے کہا ہے۔

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبریٰ جلد ۱، ص ۶۴ پر یہ باب باندھا ہے۔

باب کان مالہ بعد موتہ قائماً علی فقہ و ملکہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مستمر تھی اس کا حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ کی موت روح مبارک کی مفارقت کے باوجود محض ساثر حیات ہو منزل حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبر، امام بیہقی، امام اکبرین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تفرقہ نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پر ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ ابو منصور البغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاتہ۔

ترجمہ۔ ہمارے تحقیقین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔ حضور کی وفات جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی ضروری نہیں کہ ہم اس کی کہنہ پائیں ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی تفرقہ ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسب حال تھی۔

ہم انشاء آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیاتِ شہداء ہے۔ اس کے بعد حیاتِ انبیاء کی بحث آئے گی۔ جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کچھ موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقيق۔ یہ اثباتِ حیاتِ شہداء حیاتِ انبیاء کے لیے بمنزلہ تمہید سمجھیے۔

حیاتِ شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

ولا تقولوا لمن يقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء ولكن لا تشعرون۔

(پ: ۲: البقرہ ۱۰۷ ع: ۱۹۔ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں۔ نہیں وہ تو زندے ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم
يوزقون ۝ فرحين بما آتاهم الله من فضله ويستبشرون
بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم الا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۝
يستبشرون بنعمة من الله وفضل وان الله لا يضيع اجر

المومنين ۝ (پ: آل عمران ۱۰۷ ع: ۱۴۔ آیت ۱۶۹)

ترجمہ۔ اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس کھلتے پیتے۔ خوشی کرتے ہیں اس پر

۱۔ پچھلی آیت اس پر ختم ہوئی ان اللہ مع الصابرين یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے۔ اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔ صحابہؓ کے سامنے بدر اور احد کے نقشے تھے۔ شہیدوں کی یادیں تھیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مُردے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو کہ وہ مُردے ہیں ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب کیسے کہا۔ ماماتوا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے۔ کیا کل نفس ذائقۃ الموت سے وہ مستثنیٰ ہیں؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہنا۔ ماماتوا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا ماقتلوا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں یعنی اب وہ مُردے ہیں ایسا نہ کہنا نہ سمجھنا۔ بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان کا کفن دفن برحق۔ لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کی وہ زندگی حقیقی ہے اور زندگی کا پُر الطف انہیں حاصل ہے۔

ماماتوا جملہ فعلیہ ہے تمہیں یہ کہنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہہ قتلوا (وہ مارے گئے) تم کیا یہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہہ دیا ہے ہاں ہم اموات۔ یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں

روکا گیا۔ اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں۔ وہ مردے نہیں زندہ ہیں۔

ان آیات میں بَلْ اضرابیہ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے۔ یہاں بَلْ قُتِلُوا کا ابطال نہیں کر رہا۔ قُتِلُوا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ہم اموات کہنے اور سمجھنے کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا آنا بھی برحق اور لگے جہان میں حیاتِ جہانی پانا بھی برحق اور ان آیت میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قُتِلُوا کا مورد بنے تھے۔ اختلافِ زمان سے دوسری بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں بل کا اضراب ہم اموات پر ہے اور امر واقع اور عقیدہ صادقہ یہ ہے کہ ہم احیاء (وہ زندے ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے قد افلح من تنزیٰ میں جس فلاح کی خبر دی گئی ہے تم اسے پانہ سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہاں بل اضرابیہ کے ساتھ بل تو ثرون الحیوة الدنیا فرمایا۔ اس نے تمہارے فائز فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی یہ قصرِ قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر بند کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مگر وہ کہنا تو درکنار تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا۔ یہاں اجسام ہی قتل کا مورد تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کیا گیا۔ یہ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لا تشعرون کہ تم شعور نہیں رکھتے، کہہ کر اس تذنب کو رفع کر دیا گیا۔

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ ما قتلوه یقیناً بل دفعہ اللہ الیہ۔ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا۔ بلکہ جس بدن کے وہ مورد قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کے مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر واحد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے۔ اپنی شہداء کے بارے میں اس کا ابطال کیا گیا کہ وہ مردے نہیں زندے ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا۔ اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا؟ جسم — زخمی کون ہوا؟ جسم — تلواریں اور تیرے کن پر چلے؟ جسموں پر — نہ روح زخمی ہوئی۔ نہ کسی جسد مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ اپنی اجسام کی خبر ہے جو میدان جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا۔ شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل بہت ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسد مثالی مرا تھا۔ سو فعل قتل جس سے متعلق ہوا حالت حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدہ موت پورا ہوا۔ لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اس جہان میں میسر ہیں۔ بل احياء نے ہم اموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے۔

اگر صرف روح کی زندگی مراد ہوتی تو لا تشعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مردے ہیں۔ یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آ رہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا۔ لا تشعرون کہہ کر ختم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے ہالا تھی۔ اس نارسائی سے جو بے چینی تھی اسے لا تشعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔

فرمایا یوزقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسد مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے۔

جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہو گئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسم سے نہیں۔ جسم مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

فرحین بما آتاهم اللہ من فضله۔ خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں۔ یہ احساسات روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرح و اندول کی صفات میں سے ہے مردوں کے حالات میں سے نہیں۔

یستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم۔ اس بات کی خوشی کہ ان کے مجاہد بھی انہیں آملیں گے ان کے چہروں میں محسوس ہو رہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بشہ میں دچہرے میں محسوس کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھال اور چہرے انہی ابدان کے ہیں، ابدان مثالیہ کے نہیں۔ دوزخ کی آگ کھالوں کو جھلس دے گی۔ لواءۃ للبشر (پاؤں کے لئے) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

وجوہ یومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة۔ (نپ: عبس۔ آیت ۳۹)
سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یستبشرون کا فاعل ابدان ہیں۔ الذین لم یلحقوا بہم سے بھی وہ پورے انسان ہیں جو انہیں آملیں گے۔ یہاں ضمیر ہم کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ورنہ روح کے لیے تو قرب و بعد زمانی کوئی چیز نہیں۔

سوال

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدنوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالم برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں اس حیات حسی کا مشاہدہ نہ کر سکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالم برزخ میں فائز الحیات ہوئے لیکن ان کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

اجواب

اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ سیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال و جواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کالمین کے لیے یہ اعادہ اشرف ہے اعادہ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها حارت کالموج المکنون لا
یہزمها ارادة متجددة وداعیه ساعده ولكن النوس اللتی هی
دوتھا تلتصق بالہمة نوراً وھیئة مناسبة للارواح لہ

ترجمہ۔ کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج کی طرح ہو جاتی ہیں جوڑ کی ہو۔ انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ لیکن سچے طبقے والے نفوس اپنی ہمت سے ان سے ملحق ہو کر نور اور ایک ہیئت مناسب پیدا کر لیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے سچے والے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کالمین کے ہوں تو وہ ارواح عالیہ سے اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے۔ جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں :-

وہی المکنی عنہ بقولہ علیہ السلام ما من احد یسلم علی الاسد
اللہ علی روحی فارح علیہ السلام وقد شاہدت ذلک ما لا
احصى فی معادرتی المدینہ سکنۃ الف ومائۃ واربع واربعین لہ

ترجمہ۔ اور اسی کی طرف کنایہ ہے حضور کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم بچہ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اُدھر لوٹا چکے ہوتے ہیں سو میں بھی اس پر سلام لوٹاتا ہوں ۲۴۔ میں جب مدینہ منورہ پہنچا ہوا تھا تو میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحب کا مسلک قبر مبارک کے جسدِ اطہر کے بارے میں کیا ہے؟ آپ جب روضہ نبویؐ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ — کیا روح انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسدِ اطہر سے ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسدِ اطہر کی نشانِ عالمِ برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالمِ برزخ میں جسدِ اطہر کی شان کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج عالمِ برزخ کی ہی ایک سیر تھی اس رات آپ کے جسدِ اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال و صورت میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سیرِ برزخی میں اپنے اصل جسدِ اطہر کے ساتھ تھے اور یہ وہاں نہیں بیداری کا واقعہ تھا۔ جسدِ اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں اچکا تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ ان کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

کل ذلك بجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في موطن هو
برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامها فظهر على الجسد احكام الروح ۲۵

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر اپنے جہد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے باہر ایک برزخی درجہ ہے اور یہ دونوں احکام کو جامع ہے اس وقت جہد پر روح کے احکام چل رہے تھے۔ آپ کی سیر معراج بتاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے لطف مقام پر آچکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی سیر سے گزارے گئے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ منورہ آگئے اور اس پر اتمام نعمت کی لبت پانگئے (ماکان موعوداً فی قولہ تعالیٰ ویتونعمتہ علیک) تو اب یہ جہد اطہر کس شان اور لطافت پر ہوگا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہم یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ وہ جہد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ اب انک میت و انفس میتوں کے وعدہ کو پورا کر کے اس مقام پر آگیا تھا کہ اب تاقیامت اس روح مقدمہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے احکام طاری تھے۔ وہ جہد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مکی زندگی میں ہی جلا رتام بخش دی تھی وہ اب تاقیامت قبر میں بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم — کیا یہ عقیدہ انحطاط آیت وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ سے نصاً متصادم نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے سلسلہ کے مشاہدات میں روضۃ النور کی حاضری میں یہ جملہ دیکھ آئے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحت عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

مہتی داستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

حق یہ ہے کہ کالمین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں حضورؐ کی رویت بصری اور قوت سمعی صحابہؓ کی سی نہ تھی۔ آپ روح الامین کو آیا

دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سُنتے آپ کی نگاہ بھی برزخ کے پردوں کو چیر کر دور کے نقشے دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سُن لیتے جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس وادی کے سیاحوں کے اس بیان کو بھی ہمان لیجئے کہ کالمین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیتہً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض اُن پر بھی اترتا ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں :-

ہاں تا مرغ از نقش آید بر دہ
تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبون

ترجمہ۔ انتظار کہ یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے
کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں اگر سات آسمانوں تک جاسکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح الارواح کا اشراق و اشراق صرف اس حجب اطہر کے لیے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؛ وہاں فرشتے بھی حاضر دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے زائرین کا تانا بھی ہر آن اور ہر لمحہ بندھتا ہے؛ یا اس بدن اطہر میں وہ اسخذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو۔

آئیے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجئے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں :-

یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے۔
یہ اس لیے کہ دنیوی حیات کے حجابات اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی
اور اذ قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجہ سے اس سے قوی تر ہے۔

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پالیتے ہیں جسے وہ حساً محسوس
کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے اس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے
کا ملین کی ارواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخی ادراک کا ذکر ضمناً آگیا ہے۔ اصل موضوع
ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے۔ اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوت متحدہ بھی ملتی ہے۔ روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے
وہ کسی دوسرے جسم میں بطریق حلول نہیں اُترتی یہ تناہج ہے (جس کی اسلام میں کوئی گنجائش
نہیں) یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس
تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تناہج کا کوئی مشابہ نہیں۔
شہداء کی روہیں پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں۔ حضرت
قتادہ رضی اللہ عنہ (۱۱۸ ھ) کہتے ہیں:-

بلغنا ان ارواح الشهداء في صور طير بيض تاكل من ثمار الجنة۔

ترجمہ ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی روہیں سفید پرندوں کی شکل اختیار
کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے۔
ان ارواح الشهداء في طير خضر تعلق من ثمار الجنة۔

ترجمہ بے شک شہیدوں کی روہیں سبز رنگ پرندوں میں اُترتی ہیں اور
جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

ان نسمة المؤمن طائر في شجرة الجنة حتى يبعثه الله الى جده يوم القيمة^۱۔
 ترجمہ۔ مومن کی روح باغ خبت میں ایک پرندے کی صورت میں رہتی ہے یہاں
 تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسد میں قیامت کے دن (کاملتہ) لوٹا دے۔
 روح الامین بھی وحیہ کلبی کی صورت میں متجسد ہوئے۔ پھر اگر کاملین کی روحیں بھی کسی اور
 صورت میں متجسد کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔
 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وان شئت قلت بتمثل الروح نفسها صورة لان الارواح في غاية اللطافة
 وفيها قوت التجسد كما يشعر به ظهور الروح الامين عليه السلام بصورة
 وحیہ الکلبیؑ

ترجمہ۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح خود پرندے کی صورت میں متمثل ہو گئی
 کیونکہ ارواح میں انتہائی لطافت ہوتی ہے اور ان میں قوت تجسد بھی ہے
 حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا
 اس کا پتہ دیتا ہے۔

روح کے اس کمال لطافت اور تجسد صورت کے باوجود اس کا تعلق کسی بدن مثالی
 سے ہو یا قبر کے بدن عنصری سے ہو یا دونوں سے ہو تو روح کے اس اشراف کے لیے کوئی دلیل
 منع شرعیت میں وارد ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

لا مانع من تعلقا ببدن برزخی معانئ لهذه البدن الکثیف^۲۔

ترجمہ۔ روح کا تعلق کسی اور برزخی بدن سے بھی ہو جو اس بدن کثیف کے
 علاوہ ہو شرعیت میں کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع نہیں اور علیین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق کسی برزخی

بدن سے ہو سکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اثر انداز سمجھی جاسکتی ہے تو قبر کے بدن عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو ۱۱۱۱ھ کو روضہ نبوی پر بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پر اگر کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سویا رکھئے روح کا ملین کے اس درجہ لطافت اور تجسّد صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ ارواح شہداء کو جو بدن عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالم دنیا) میں اپنے ابدان عنصریہ میں لوٹنے کی گزارش تھی۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ میدان جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ اُن کی تمنا عالم برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ تھی۔ عالم برزخ میں تو اُن کے وہ بدن از روئے نص قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دار العمل نہیں دارالبحر ہے۔ دارالعمل صرف یہ دنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالم دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالم برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالم دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔ حدیث میں یہاں صریح طور پر دنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدان عنصریہ سے پہنچے ہوئے ہوں گے یہی تمنا ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ما احد يدخل الجنة يحب ان يرجع الى الدنيا وله ما على الارض من شيء

الا الشهيد يتمنى ان يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات

ترجمہ۔ کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں

پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر، مگر شہید وہ تمنا کرتا ہے کہ ایک دفعہ

پھر وہ دنیا کو جائے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے۔
 ارواح شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے
 کی روایات مختلف ہیں۔ پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجسد ہوتی ہیں یا حواصل
 طیور میں اس طرح اترتی ہیں جیسے سوار سواری لے لے۔ الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً اسی
 اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا
 کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود
 کی روایت پیش کی ہے۔ امام نووی نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر باتیں
 کی وہیں رہتی ہے۔

قال القاضي قال بعض المتكلمين على هذا الاشبه صحة قول من

قال طيرا وصورة طيرا واكثر ما جاءت به الرواية.....

واستبعد بعضهم هذا ولم ينكره اخرون وليس مافيه ينكر ولا فرق

بين الامر بين رواية طيرا وجوف طيرا صحيح منقوله

ترجمہ۔ قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی

ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آئے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے

اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور دوسروں نے اس کا انکار نہیں کیا اور

اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہو۔ اور دونوں اقوال میں

کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جا کی روایت زیادہ صحیح ہے

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ

سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی اُسے آیت ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله

کی تفسیر قرار نہیں دیتا۔ بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں ملتا۔ پھر ان روایات میں

کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ آخرت میں ارواح شہداء کو ان پرندوں سے کیسے رہائی ملے گی۔ جبکہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں جائیں گے جس کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبایل میں گئے۔ اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحوں ارواح مجردہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں۔ لیکن ان ارواح متجسدہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنقریب بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے۔ سوائے حیات شہداء کی تفسیر قرار دینا یہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس آیت ولکن لا تشعرون کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

لا مانع من تعلّمها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الکثیف۔

ترجمہ: روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنقریب بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں۔

مغائر لهذا البدن الکثیف بدن برزخی کی تشریح ہے۔ اس میں اس بدن عنقریب سے تعلق کی نفی کا دعویٰ نہیں ہے۔ جو علماء اسے بدن عنقریب سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں۔

ان میں تعلق روح بالجسم العنقریب کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صریحاً مذکور ہے۔ وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغائر لهذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدن عنقریب سے تعلق کی نفی نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ فوا حسرتاً علی ضیعة العلم۔

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ ان کی زندگی ہے۔

قرآن کریم نے جس پر عظمت پیرا اور پشکوہ الفاظ میں شہداء کا بعد قتل زندہ ہونا

بیان کیا ہے اور اس حیات کو اتنا لطیف اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ اس تک پہنچ نہیں سکتے (ولکن لا تشعرون) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں بس یہی ان کی زندگی ہے۔ یہ بات غور طلب ہے۔ کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتائیے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بیشک فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں۔ یہ جہنم میں تڑپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہیے۔ اگر نہیں تو ہمیں ولکن لا تشعرون کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہیے۔

یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرام لا تشعرون پر قانع نہ رہے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضورؐ نے بھی جواب میں آیت ولکن لا تشعرون نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا۔ پھر یہاں آپؐ نے آیت ولکن لا تشعرون کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواحِ شہداء کو سبز پرندوں میں اتار دیا جاتا ہے اور ارواحِ کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں — فرق ہے تو یہ کہ —

① سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔

② سبز پرندے سیر میں چلتے پھرتے ہیں اور سیاہ تڑپتے پھرتے ہیں۔

③ سبز پرندوں کی روایات ادبچی کتابوں میں اور سیاہ کی سنجلی کتابوں میں۔

یہ سب فروق سہی مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے کیا زندگی

زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی نوع کی ہے۔ جنت اور جہنم کی تقسیم تو ویسے ہی مومنین اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے چلنا پھرنا اور تڑپنا یہ نعیم و عذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے۔ ہاں وہ حیات جو صحابہؓ کے شعور سے بھی بالا ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟ آپ نے تو اسے حیاتِ شہداء کی کیفیت اور لا تشعرون کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ارشادِ الہی ولكن لا تشعرون کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت النار یعرضون علیہا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:-
آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔^۱

حافظ ابن کثیرؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں:-

فما حصل ذلك للجسد في البرزخ وتامله بسببه فلم يدل عليه الا السنة
في الاحاديث المرضية۔^۲

یعنی: قرآن و حدیث کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔۔۔۔۔ اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیرؒ یہ بات پہلے ص ۳ پر کہہ آئے ہیں۔ ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا:-

۱۔ تفسیر معارف القرآن جلد ۱، ص ۶۱ ۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۲، ص ۸۱

ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلتے دیکھے ہیں جن کے پُروں پر سفیدی تھی۔
اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بھرقلزم)
سے نکلتے ہیں اور بحرِ غربی کے کنارے جاتے ہیں۔ پھر جب تیسرے پہر کا وقت
ہوتا ہے تو ویسے ہی سیاہ پرند آکر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔

اس پر امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے فرمایا:-

ان پرندوں کے حواصل میں آلِ فرعون کی روہیں ہیں جو صبح و شام جہنم پر پیش
کی جاتی ہیں..... یہ آلِ فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے بلکہ
علامہ نسفیؒ (۱۷۱ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں:-

واما ارواح الکفار فی جوف طیر سود تحت الارض السابعةؒ
ترجمہ۔ اور کافروں کی روہیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے
پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سواگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی پرندوں
کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجسد کا بیان ہے اُن کی حیات کی تفصیل
نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا
شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذا و روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح و تقدیس اور اللہ کی
یاد کے سوا کچھ نہیں۔ جنت میں شہداء کی روہیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجسد

ہو کر سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یہ سزا قون بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ میں سزا قون ان کی دلیل حیات کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ القرطبی (۶۱۱ھ) فرماتے ہیں:-

بل احياء دليل على حياتهم وانهم يرزقون ولا يرزق الاحياء.

ترجمہ۔ بل احياء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیات شہداء بنص قرآن ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذاب قبر کو بدن سے متعلق نہیں ملتے وہ بھی ملتے ہیں۔

بل احياء لادلة الكلام عليهما قوله تعالى يرزقون كما يرزقون الاحياء ياكلون

وليشربون وهو تأكيد لكونهم احياء وصف حالهم التي هم عليها.

ترجمہ۔ وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام میں رزقون کی دلالت اسی پر ہے جیسا کہ دوسرے سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس میں کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس کی دوسری ہو۔ ابن رسول صاحبزادہ ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو حضورؐ نے بتلایا کہ ابراہیمؑ کے لیے اگلے جہان میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں میرز قون کی شان شہداء سے خاص نہیں۔

عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراهیم قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان له مرضعاً فی الجنة۔^۱

ترجمہ: حضرت براء کہتے ہیں جب حضورؐ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔
دنیا میں ابراہیم کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اُس عالم کا تھا جو
ضروری نہیں کہ اس دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال

اگلے جہاں کے رزق سے اگلے جہان والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن
یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیاتِ جسمانی سے فائز الحیات ہیں وہ اُس جہان کے رزق
سے کیسی سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

اجواب

کیا آپ نے یہ مطالعہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی
غیبی رزق سے مستمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے منہ سے کھانے کی ضرورت
نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صوم وصال (روزے جوڑ کر رکھے) تو بعض
صحابہؓ نے بھی ایسا کرنا چاہا حضورؐ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھول دی :-
لست کا حدکم انی یطعمہ ربی ولسیقینی۔^۲

ترجمہ میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے
حضورؐ کا یہاں کا جبہ اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری محسوس کرتا تھا۔ سو شہداء

بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسب حال رزق پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان دنیوی ابدان کا اس عالم غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ سب اہل حق تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض اللہ رب العزت نے اور اس کے رسول برحق نے جو کچھ فرمادیا اس پر بے چوں و چرا ایمان لائیں۔

آیت حیاتِ شہداء کے تقاضے

آیت حیاتِ شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی گئی ہے ولکن لا تشعرون۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیاتِ شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لاسکتے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لیے نہیں؟ یہ کرم فرما کہتے ہیں کہ یہ حصہ آیت اسی وقت تک کے لیے تھا جب تک حضورؐ نے ارواحِ شہداء کے حوصلہ طیور میں آنے اور جنت میں داخلہ لینے کی بات نہ فرمائی تھی۔ جب آپؐ نے امت کو حیاتِ شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لا تشعرون منسوخ ہو گئی۔ استغفر اللہ العظیم۔

اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہوگی۔ اُن کی بھی حیاتِ روحانی اور ان کی بھی حیاتِ روحانی — آیت حیاتِ شہداء میں جو ان کی جسمانی حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہو گیا — اس سے زیادہ اس آیت کی تحریف اور کیا ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ہم قادیانیوں کو بار بار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (اذا قتلنا المسيح عیسیٰ ابن مریم۔ پٹ النساء ع ۲۲) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بل دفعہ اللہ الیہ میں بل اضرابیہ ہے۔ یہود کا جس چیز کے قتل کا

دعوت ہے۔ اللہ رب العزت کا اسی کے رفع کا دعویٰ ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ لمن یقتل فی سبیل اللہ میں جو ذریعہ قتل آئے انہی بارے میں بل اضرابیہ البالیہ وارد ہے کہ وہ اموات نہیں۔ انہیں اموات نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لا تشعرون کے تحت قبول کر لو۔ ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تفسیر بنا رکھی ہے وہ بل اضرابیہ پر نظر رکھنے والوں اور لا تشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لیے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ۔

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی روئیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آ سکتی“

جب وہ پرندوں کی شکل میں آگئے تو سمجھ تو آ گئی۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا بھی تم شعور نہیں رکھتے یا یہ اور شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں — کچھ تو سمجھائے کہ ان میں ایک لا تشعرون کے تحت ہیں اور دوسرے شعور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

کچھ تو کہتے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت پکار پکار کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان مقتول ہوئے انہیں مردے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بالا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

ارواح کا مقدر علیین میں مان کر کیا تم تعلق روح ابدانِ مقتولہ کی زندگی نہیں مان سکتے جو یہاں کی آنکھوں سے تو پردے میں ہے لیکن لا تشعرون کے تحت ہمارے ایمان میں ہے۔ حدیث طبرہ کی بے شک تصدیق کرو لیکن ابدانِ شہداء کو ہرگز مُردہ نہ کہو۔ ان میں ایسی زندگی ہے جو تم سے پردے میں ہے۔ اور اس جہت سے وہ زندہ ہیں۔

قرآن کریم کے ان ظاہر معنوں کو کسی خبر واحد سے جو دلالت بھی مضطرب ہو پھیر دینا یہ علم کی کون سی خدمت ہے اور عوام میں اس خبر واحد کو متواتر اور قطعی الدلالت بنانا اس سے بڑھ کر عوام سے فریب کاری کیلئے ہے؟ جو مفسرین آیت ولا تذروا ذرہا اخریٰ کو قبر سے متعلق قرار دیں ان کے سوا کون ہے جو برزخ میں شہداء کی حیاتِ جسمانی کا انکار کر سکے۔ ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے لا تذروا ذرہا اخریٰ کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

اب ہم ایسی تفسیرات کو کس طرح تسلیم کر لیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے کلام لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے مقابلہ میں ان کے ابدانِ مقتولہ کو اموات ہی کہنا ہے تو جسے قرآن کے انکار کی یہ روش پسند ہو وہ تسلیم کرے روح کے کو اَلْفُ مَن کہ ابدانِ مقتولہ کی زندگی جو نفسِ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار ہمیں تو گوارا نہیں۔

بل احياء

حياة الشهداء ثابتة في الآيات والأحاديث وقد اختلفوا فيها وذهب كثير من السلف الى انها حياة حقيقية بالروح والجسد ولكن لا تدركها ولا نعلم حقيقتها ولا نهما من احوال البرزخ التي لا يطلع عليها۔

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے، اور (کرامیہ جیسے) لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ و الجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیاتِ حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے اور نہ ہم اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ برنخ کے احوال میں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

ان الشهداء بعد موتهم وقتلہما احياء عند ربهم يرزقون فرحين
وهذه صفة الاحیاء فی الدنیا و اذا کان هذا فی الشهداء کان الانبیاء
بذلك احق واولیٰ به

ترجمہ: بیشک شہداء اپنی موت اور قتل پہنچنے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعتِ اہلحدیث کے بزرگ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

معنی لایۃ عند الجمہور انہما احياء حیاة محققة ثم اختلفوا فمنہم
من یقول انہما ترد الیہما ارواحہم فی قبورہم فیتعمون وقال مجاہد
یرزقون من ثمر الجنة وذهب من عد الجمہور الی انہما حیاہ مجازیة
والصحيح الاول والمراد بالرزق المعروف فی العادات علی ما ذهب
الیہ الجمہور

ترجمہ: اور آیت حیات شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیاتِ حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی رو میں قبروں میں ان کی

طرف ٹوٹا جاتی ہیں اور وہ وہاں اور اک نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۱۸ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور اہل السنۃ والجماعہ کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے مراد وہی رزق ہے جسے عادۃ رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہوا کہ ابدان شہداء میں رو میں لوٹتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا۔ جب حضور نے حیات شہداء کی تفسیر پر ندوں کی سیر سے کر دی ہے۔ اب تم ان بدنوں کو کیوں زیر بحث لا رہے ہو۔ ان بدنوں کے لیے حیات حقیقی کیوں ثابت کر رہے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام ارواح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں انہیں نہ اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم سے۔ قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیات جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات ربیعہ کا بھی وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدان قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔ قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء یرزقون و ان الحیوة فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین
ترجمہ قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسد کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء و مرسلین کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لیے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلید سلف میں ہمارے خلاف تھے اور یہ قاضی تائید سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

یہ غیر معتد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک معتد بزرگ سے بھی سُن لیجئے۔ ان سے شک کئے بغیر آپ چودہویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے۔ علامہ محمود اکوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

واختلف في هذه الحياة وذهب كثير من السلف الى انها حقيقية
بالروح والجسد ولكننا لا ندر كما في هذه النشأة واستد لواسياق
قوله تعالى عند ربهم في رزقون^۱

ترجمہ: اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ سلف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان صلت صالحین نے عند ربهم رزقون سے استدلال کیا ہے۔

علامہ آکوسیؒ نے سلف کا مسک ہم تک پہنچا دیا ہے اور اسے جمہور کا مسک کہلے اس کے بعد اب کیا تردد باقی رہ گیا۔

يرزقون لكونهم احياء..... والقول بان ارواحهم تتعلق بالاغلاك
والكواكب فتلتذ بذلك وتكتسب زيادة كمال قول هابط الى الثرى
ولا اظن القائل به قرع سمعه الروايات الصحيحة والاخبار الصريحة
بل لم يذق طعم الشريعة الفراء ولا تراعى له منهج
المحجة وخبر القناديل لا ينور كلامه ولا يزيل ظلامه فلمرى
ان حال الشهداء وحياتهم وراى ذلك^۲

شہداء کی حیات اور رزق کلم روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کے ارواح آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں

اور کمال بڑھاتے ہیں۔ یہ اپنی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہو سکتا ہے جن کے کانوں میں صحیح اور صریح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی، بلکہ ایسے لوگ شریعتِ غرّٰ کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو محبتِ بیعت کی راہ نہیں دکھلائی گئی۔ اللہ کی قسم شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالا و برتر ہے۔ — پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

ان الایۃ دلت علی عرض الادواح علی النار غدوا و عشیا فی البرزخ و لیس فیہ دلالة علی اتصال تالہما بالجہاد ہا فی البرزخ اذ قد یكون ذلک مختصا بالبرزخ فاما حصول ذلک للحدی فی البرزخ و تالہ فلم یدل علیہ الا السنۃ فی الاحادیث للرضیۃ الا فی ذکرہا بلہ شہداء کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (یہ سبز یا سفید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس تجسد کو شہداء کے دنیوی اجساد سے اس قدر اقبال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کر رکھی ہے یہ شہداء کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہداء کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاتِ جماعی حاصل ہے۔ تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لیے برزخ کے پردے اٹھا دیں، عارفین نے جب کبھی شہداء یا انبیاء کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا وہ کشف کی آنکھوں سے دیکھا ورنہ وہ دنیا اس دنیا سے پردے میں ہے۔

پردہ اٹھانے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں، نعیم صالحین اور عذاب مجرمین

دولوں پر دے میں ہیں۔ حضرت سے پردے اٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گھرے عذاب میں پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس گزے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور اس دن وہ ہمیشہ کی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فرحین بما آتاهم من فضلہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہی نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی نکبت اور تکلیف میں ہوں گے۔

الجواب: آیت حیات شہداء کا جملہ ولکن لا تشعرون (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیوں اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے۔ ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آئے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہوگی۔ یہاں ہمیں شہداء کی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے ولکن لا تشعرون۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے باہن ان کا برزخ ہے اور اسی برزخ میں وہ حیات جسدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابو بکر جصاص رازی (۴۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

فيه اخبار باحياء الله تعالى الشهداء بعد موتهم ولا يجوز ان يكون المراد انهم سيحيون يوم القيمة لانه لو كان هذا مراده لما قال ولكن لا تشعرون لان قوله ولكن تشعرون اخبار بفقد علمنا بحياتهم بعد الموت ولو كان المراد الحياة يوم القيمة لكان المومنون قد شعروا به وعرفوا قبل ذلك فثبت ان المراد الحياة الحادثة بعد موتهم قبل

يوم القيمة واذا جازان يكون المؤمنون قد احيوا فحق قبورهم قبل
يوم القيمة وهم المنعمون جازان يحيى الكفار فحق قبورهم فيعذبون
وهذا يبطل قول من ينكر عذاب القبر

ترجمہ۔ اس آیت میں شہداء کے مارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد
قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہو ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ کہتے بلکہ لا تشعرون

کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے
اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو اس دن ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے۔ اور
پہچان لیں گے پھر لا تشعرون کیسا؟

سوربات یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارا جانے کے
بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور جب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی
ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ
کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے۔ اس سے معتزلہ کا عقیدہ انکار عذاب قبر باطل ٹھہرتا
ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب قبر کوئی شے نہیں۔ نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا ماقبل سے مُباد اور مابعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدہ برزخ
کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کھلی نفی ہے۔ انسان انبیاء ہوں یا شہداء موت کا پہل عبور کر کے
ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی
کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہو تو اسے جسمانی حیات بھی کہا جاتا ہے گو یہ ہمارے شعور
اور ادراک سے بالا ہو حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کھلی حیات ہوگی۔

برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعد (عالم آخرت کی کھلی زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالم برزخ میں مردے نہیں کہا جاسکتا۔

انبیاء کرام کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔ انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احیاء ہیں — مردے ہوئے نہیں زندہ نہیں — ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پر ہے جس منہاج پر ہم نے حیات شہداء پر استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔ اب دونوں اموات نہیں احیاء ہیں۔ ان دنوں ان کے میت ہونے کا فیصلہ درست نہیں حالاً ان کے احیاء ہونے کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی۔ ایسا ہوتا تو یوں فرماتے۔ وَلَا تَقُولُوا الْمَن يَمُوتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّهُم مَّاتُوا لَكِنِ الْيَا نَہْ کہا۔ بلکہ فرمایا انہیں اموات (مردے) نہ کہو انہیں مُردے نہ سمجھو۔ اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل (موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش رکھی ہے۔

عالم برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی۔ اس کا فیصلہ مِن بَعْتِل کو دیکھ کر کریں زندگی کا حکم اسی پر ہے جس پر فعل قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔ قرآن کریم نے اسی کے مُردہ ہونے کا ابطال کیا اور اس کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

بل اضرابیہ البالیہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے مابعد کا اثبات کرتا ہے یہاں بل سے شہداء کے مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔ سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہے اور وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں۔ گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ ولکن لا تشعرون اس پر قرآنی شہادت ہے۔

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، حسن بصریؒ اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعین کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متحد ہیں اور پھر ابدان پر سایہ فگن ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں اُتری ہوئی ہیں۔ صورتِ حال جو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔ علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۱ھ) لکھتے ہیں:-

ولا يعجز الله تعالى ان يحل به حياة تكوين سبب الحس والادراك وان كنا
نراه رمة مطروحة على الارض لا يتصرف ولا يرى فيه شئ من علامات الحياة
فقد جاء في الحديث ان المؤمن يسمع له صدى بصوه ويقال له ثم فومته العرس
مع انا لا نشاهد ذلك اذ البرزخ برزخ اخر بمعزل عن اذهاننا
وادراك قوانا.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہداء کے دنیوی اجسام میں زندگی اُتار دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سڑا دیکھیں اور حیات کے اثرات ان میں نہ دیکھ پائیں۔ اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے پوری طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے لیے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں لہن

کی نیند کی طرح سو جاؤ۔ حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخ اور عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے۔
پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:-

والذی یملئ القلب الیہ ان لہما تیک الابدان شہامتا ما صویا ہذہ الابدان وان المرات مختلفۃ
الاجزاء متفاوتۃ۔ اذ فرق بین العالمین شتان مابین البرخین۔ ویمکن حمل احادیث الطیر علی
تشبیہ ہذہ الابدان الغضۃ الطریۃ بسرۃ حرمۃ ما و خہا ہما حیث شاعت بالطیر الخضر
ترجمہ۔ اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی
ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے۔ اگرچہ دونوں
کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لیے کہ دونوں جہانوں میں
فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیات جہانی
کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ قرآن کریم اس عطا کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور زندہ صرف
شہداء کو کہا گیا ہے۔ سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جہانی زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اس رزق
کو عند ربہم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لیے آتا ہے۔ سو جب رزق روحانی ہے تو ان کی
زندگی بھی روحانی ہوگی۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَسَوْفَ نَرْزُقُكُمْ اللَّهُ ذَقًّا

حسنًا۔ (پاک: الحج ع ۸ آیت ۵۸)

ترجمہ۔ اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ

انہیں خاص رزق حسن عطا فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزق حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جاتا زندگی کی دلیل ہے تو چاہیے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

اجواب

اس آیت میں اوصاف (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لیے اس آیت میں وعدہ رزق ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں قتل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فضالہ بن عبید (۵۷ھ) نے دیکھا کہ لوگ قتل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا۔

فاما من قتل فی سبیل اللہ ... فانہ حی عند ربہ یرزق واما من توفی فی سبیل اللہ من مہاجر لو غن مہاجر فقد تضمنت ہذہ الایۃ الکرمیۃ مع الاحادیث الصحیحۃ اجراء الرزق علیہ لہ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں۔ عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجبر شہادت مآجور ہیں اور حیات جسمانی اور رزق حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب کی قرآن پاک پر مآثر الشریعہ نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

① — حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں :-

جو اللہ کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ اس کے گھوڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی تکلیف آگئی وہ شہید ہے۔

② — حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ ھ) روایت کرتے ہیں :-

میں نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقام شہادت چاہا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لیے مرتبہ شہادت ہے۔

③ — حضرت عمرؓ نے اثنائے خطبہ میں فرمایا :-

لوگو! ایسا کہو جیسا حضورؐ فرما گئے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ جنت میں ہے۔

④ — سہیل بن حنیف اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں :-

جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بہتر پر فوت ہوئے۔

مولانا اسماعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عند ربہم یرزقون کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے۔ حضرت مریمؑ کے پاس جب بیت المقدس میں خلاف موسم پھل آتے تو حضرت زکریاؑ علیہ السلام اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریمؑ نے بتایا۔ ہومن عند اللہ (پ آں عمران ع ۴) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا۔ حضرت مریمؑ کا جسد دنیوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب دنیوی۔ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پر خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

خدا کی قدرت سے اسی طرح مجھے یہ چیزیں پہنچانی جاتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا:-

فابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ (نپ العنکبوت آیت ۱۱)

ترجمہ: تم اللہ کے ہاں سے رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربہم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ افسوس مولانا محمد اسماعیل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے

حیاتِ شہداء کے شواہد

①۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں اُحد کے دن میرے والد نے مجھے کہا: شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضورؐ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیدا نہیں میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے۔ اُس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے میں نے نہ چاہا کہ میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہو۔ میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا۔ تاکہ آپ کو علیحدہ دفن کر دوں۔

فكان أول قتيل دفنت معه أخرفي قبره ثم لم تطب نفسي أن أتركه مع أخرفاستخرجته

بعد ستة أشهر فاذا هو كيوم وضعته هنية غيرا ذله

ترجمہ: آپ جنگ اُحد کے پہلے شہید تھے میں نے آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر

دیا پھر مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ رکھوں میں نے پھر چھ ماہ کے بعد آپ کے

وہاں نکالا آپ اسی حال میں جیسا کہ میں نے آپ کو دفن کیا تھا صراحتاً ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمرو انصاریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو

بن الجحج دفنائے گئے تھے۔

②۔ تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہرِ کھنصر کھودی گئی۔ اس کھدائی میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا جسدِ ملا وہ اسی طرح محتاجِ طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ پہلے انگلی پر لگ گیا تو خون بہنے لگا۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

وما وجد فی صدر هذه الامة من شهداء احد وعین هم علی هذه الصورة ولم يتغير وابدال دهور الطويلة لحزة بن عبد المطلب فانه وجد حین حفر معاویة العین صحیحاً لم يتغير اصابته الناس اصبعه فدمیت۔

ترجمہ۔ اور اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے لیے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے دور میں ایک نہر کھودی تو انہیں حضرت حمزہؓ کو اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا پہلے آپ کی انگلی پر لگ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔

③۔ حضرت عمرو بن الجموحؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ الفدویؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کیے گئے۔

فوجد المیت غیراً کانما مات بالامس وكان احدهما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وهو كذلك فارسلت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت كما كانت۔

ترجمہ۔ وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فرت پہلے ہی ان میں سے ایک احد کو زخمی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن

کر دیا گیا میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ وہیں جا لگا جہاں کہ پیسے تھا۔
 (۴) حضرت عمرؓ کے زمانے میں بخران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبداللہ بن تاملر کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے:-
 فاذا اخرت يده عنها تنبث دما واذا ارسلت يده سدها عليها
 فلمسكت دما۔^۱

ترجمہ: جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹاتا تو اس زخم سے خون پھوٹ پڑتا اور جب میں آپ کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا تو وہ وہیں جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔
 (۵) ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضورؐ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔
 (۶) حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب نہر نظامہ کھودی گئی اور درمیان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تروتازہ ہیں اور بال بٹھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبود پھیل گئی۔^۲

(۷) حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے۔ دریازمین کاٹتا ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی کیا۔ پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی۔ ایک صاحب الطاف حسین جوان جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے:-

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵ و تفسیر فائز جلد ۱ ص ۲۲۸ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۶

۳۔ وفاء الوفاء جلد ۳ ص ۹۳۹

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور غلج کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ
برپا کر رکھا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال
گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک
صاحب کی وارثی سفید مٹی اور ایک کی سیاہ۔

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں اسی طرح منقول
ہے اور اس کا عنوان ہے:-

ناقابل انکار صداقت

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے بہر میل کے فاصلے پر ہے، زمانہ قدیم میں جس کا نام ”مدائن“ تھا۔
جہاں اکثر صحابہ کرامؓ گورنری کے عہدے پر فائز رہے یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ
مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمانؐ کے دو صحابہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ
اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسولؐ کے مزارات پہلے سلمان پاک
سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔

ہوایہ کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو
موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس
لیے کہ میرے مزار میں پانی اور جابرؓ کے مزار میں مٹی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پروائی یا انہماک امپراطوریت
کے باعث ٹھہل گیا، تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت
فرما کر کہا۔ ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ
مہتابا کام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فوری بندوبست کراؤ۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح مفتی اعظم نوری السعید پاشا ذریعہ اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے

ٹے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے کہا، میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔

آخر کافی غور و مشورے کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور لاشوں کو منتقل کرنے کا فتوے دے دیا تو یہ فتوے امیر شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہران دونوں اصحاب رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہونا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر سبلی کی طرح پھیل گئی۔ راسٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا سے مسلمان حج کے لیے حرمین شریفین (مکہ مدینہ) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلجاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے شاہ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی جنازوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز بڑھا دی جائے۔

چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں اہل مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک پہنچنے نہ پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آگیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پاک میں جمع ہو گئے۔ دو شنبہ کے دن، بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفۃ الیمانیؓ کے مزار میں کچھ پانی آچکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔

حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر، عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ البجلیؓ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر پر خود بخود آگئی۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہنرمیں شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی نعش مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن، حتیٰ کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟

بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا، اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے یہ منظور دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اعتیاد ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لایعنی مفتی اعظم! ہاتھ ڈھانکے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کید کمال کیا کیا بلکہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقانِ دید پراسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر عین مزارات

کے اوپر دو سو فٹ بلند فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا سکریں لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ کھمبوں کے چاروں طرف بھی پھت سے ملحق چار سکریں لگا دیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھننے کے وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس ہٹر بونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کارروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی حیرت کے اپنے جہل و گمراہی پر افسرہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لیے آتے تھے اور مطمئن شاداں و قمرماں واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ ”چشم دید واقعہ“ کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا کے اخباروں نے جلی عنوانات سے تشہیر کی ہے اور اس کے ہر جگہ چپے رہے ہیں۔ یہ مزارات گناہم افراد کے بھی نہ تھے۔ یہ نبی اسرا الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور و معروف صحابہؓ کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جواب بھی مرجع غلائق بنے ہوئے ہیں۔

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم و عقل قیاس اور سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل و ہوش جس کے دل میں خدا ہی بھی شائبہ حق و انصاف ہے اس کا انکار کر سکتا ہے کہ ان اصحاب رسول کو یہ حیات برزخی جس نسبت سے حاصل ہوئی وہ مکین گنبد خضریٰ بھی اسی جسد اطہر سے حیات برزخی رکھتے ہیں۔

یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ یہی وہ جو یہاں محسوس و مشاہد ہیں یا کہیں عالم غیب میں تھیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں اور ان کے اجساد مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی، کیا وہ انہی گڑھوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین میں کھودے گئے اور انہی میں یہ اجساد کریمہ اس شان سے سالم اور محفوظ رہے۔ ان میں آثار حیات اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لا تشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات بزرخی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی یہ حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔

جو لوگ صحابہؓ پر بستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جانتے وہ اپنے ان ابدان کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے جلتے ہیں اور انہیں ان کے ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔

امول قمر کی مشہور کتاب مسلم الثبوت کی شرح فرائح الرحمت جو قم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:-

انهم يمثل هذه الاقاريل خروا عن ربيعة الاسلام ولذا راہم بعض اهل رضوان الله

تعالیٰ علیہم اجمعین علی صورة الخنازیر كما هو مشروح فی الفتوحات المکیة للشیخ الاکبر

وارد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بل حکم بعض اهل الله تعالیٰ رضوان الله

علیہم انهم یحشرون علی صورة الخنازیر

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور

انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آخرت میں خنزیریوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

حیاتِ انبیاء کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آپہنچے

الحمد لله وسلاماً علی عبادہ الذین اصطفیٰ اصابعد :-

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کل روئے زمین اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان کاغذ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

اس دن جب سب مردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا ان کا طویل بے ہوشی سے افادہ ہوگا بصورتِ ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے۔ جواب اس نغمہ ثانیہ سے ہوش میں آگئے۔ اس بات کی تحقیق کے لیے ہمیں قیامت کی خبروں میں لفظ افادہ کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے :-

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء الله
ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون ۝ واشرقت الارض بنور ربہا
ووضع الکتاب وحیٰ بالنبیین والشہداء وقضیٰ بینہم بالحق وهم
لا یظلمون ۝ (پ ۱۴: الزمر ع ۷، آیت ۶۸)

ترجمہ۔ اور پھونکا جائے گا صور۔ پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے دوسری بار تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

جگہ گامٹھے گی اور لایا جائے گا بنیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہوگا لوگوں میں انصاف سے۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہرجی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کہتے رہے۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفعِ صوَر ہوگا۔ پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اُڑ جائیں گے پھر زندے تو مُردے ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے اُن کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفع ہوگا جس سے مُردوں کی ارواح اُبدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بے ہوشوں کو افادہ ہوگا اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کئے جائیں گے۔۔۔۔۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور پر کیفیت سے محشر کی زمین چمک اُٹھے گی حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔

عربی میں صعق کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

صعق الرجل اذا غشي عليه وصعق الرجل اذا مات۔

صوَر پھونکا جانے پر جو صعق ہوگا وہ موجود زندوں کے لیے پیغامِ موت ہوگا اور جو پہلے مر چکے ہیں اور بعد الوفا ت زندہ تھے ان کے لیے یہ صعق غشی کا ہوگا وہ یہ آواز سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں جو پہلے مر چکے ہیں وہ تو زیرِ زمیں تھے ہی۔ جوابِ مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ چار مقرب فرشتے یا حملہ العرش پر شاید اس نفع کا اثر نہ ہو اور وہ الامن شاء الله کا استثناء پالیں لیکن جو طبقہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حیات بعد الوفا پا چکا اس پر اس صعق کا اثر بے ہوشی کا ہوگا

— نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہوگا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو موت کی آغوش میں گئے تھے۔ وہ سب زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آجائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیسا ہے؟ مقام حیات ہے ہو تو وہ بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہوں تو زندہ کئے جائیں گے۔ مُردوں پر تو واذا النفوس ذر حبت کا عمل ہوگا اور بے ہوشی والے تو پہلے ہی روح و بدن کے ساتھ ہیں۔ ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے۔

انبیاء کرام اس دن بیہوشی سے اٹھیں گے۔ وہ موت سے حیات میں نہیں بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اُن کا بزرخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پردے کی نہیں کھلی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابوبہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تخيروني على موسى فان الناس يصعقون فاكون اول من يفيق فاذا

موسى باطش بجانب العرش فلا ادري اكان فيمن صعق فافاق قبلي

او كان ممن استثنى الله عز وجل له

ترجمہ: تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا جسے بیہوشی سے افاقہ ہوگا تو میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ کچلے کھڑے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہوئیوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا بیہوش ہی نہ ہوئے تھے، ان میں تھے جنہیں اللہ عز وجل نے اسی آزمائش سے استثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا بیہوشی سے افاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا، ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

اني اول من يرفع رأسه بعد النفخة الاخيرة. ۱۷

ترجمہ: میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا۔ کتنا ہوگا، اس میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے اور اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے:-

ثم نفخ فيه اخری فاذا هم قيام ينظرون ۵ (پ ۲۴: الزمر: ع ۷ آیت ۶۸)
ترجمہ: پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور آخرت میں فرق ہے۔ برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں اور آخرت میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

صحیح احادیث میں لفظ افاقہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام کے لیے نفخہ ثانیہ ہر لفظ افاق من قبلی اور اول من یئق کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس عالم کے اعتبار سے وہاں ان کی نیند ایک ہمیشی کی سی ہوگی جو نفخہ ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب ایک کھلی زندگی میں آجائیں گے۔ یہ دوسرے نفخہ پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے — حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :-

فان الناس یصعقون یوم القیامة فاکون من تنشق عنه الارض فاذا انا ہوسی اخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری کان فین صعق ام حسب بصقة الاولى۔

ترجمہ: سو سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن (صور) پھونکا جانے سے، مرجائیں گے۔ اس کے بعد میں پہلا ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی (کھلے گی اور میں نکلوں گا) کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے

کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بہشتی کافی ہوگئی۔ جو انہیں پہلے (کوہ طور پر) پیش آچکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفخہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفخہ قیامت کا بگل ہوگا اور دنیا کے سب انسان مر جائیں گے پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذرات منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفخہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی ذبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔

عافظ ابن کثیر دمشقیؒ لکھتے ہیں:-

ترجمہ نفخہ اولیٰ وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اور دوسرے نفخہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔

رہا انبیاء کرام کا معاملہ وہ پہلے نفخہ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے۔ اچانک عرش پر نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پچڑے نظر آئیں گے معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفخہ پر قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صورت حال کیا بتا رہی ہے؟ اوروں کا موت سے حیلہ۔ میں آنا اور انبیاء علیہم السلام کا بہشتی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل بنی نوع انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا اور بت آپؐ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی — آپؐ فرماتے ہیں :-

يُخْرِجُ الدَّجَالَ فِي أَمْتِي فَيُجْلِبُ فِيهِمْ عَارِجِينَ فَيُبْعَثُ اللَّهُ عَنْ وَجْهِ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ..... فَيُظْهِرُ فِيهِلِكَ ثُمَّ يُلْبِثُ النَّاسَ بَعْدَهُ سَنِينَ سَبْعًا لَيْسَ بَيْنَ الْاَشْيَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قَبْلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مَثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْإِيمَانِ الْاَقْبَضَتَهُ..... وَيَبْقَى شَرَارُ النَّاسِ فِي خَفَةِ طَيْرٍ وَاحِلَامِ السَّبَاعِ..... وَهِيَ فِي ذَلِكَ دَارَةٌ اسْرَاقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يَنْفُخُ فِي الصُّورِ فَلَا سَمْعَ لَهُ أَحَدٌ إِلَّا صَغَى لَهُ بِهِ

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کریں گے پھر شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہو گا وہ اس کے جھونکے سے مرجائے گا صرف اہل شرہ جانبیں گے طیور کی طرح ان میں توہم، نفور اور اضطراب ہو گا فسق و فجور کے دلدادہ اور فساد پر آمادہ ہوں گے خیالات ان کے بُرے ہوں گے اور حالات بے وقار ہوں گے عقلیں ناقص ہوں گی اور علم و علم سے خالی ہوں گے۔ قلتِ رحم، ہلاک، اتلافِ غضب اور وحشت ان کی زندگی ہو گی۔ نہ نیکی کو نیکی جانیں گی نہ بُرائی کو بُرائی مانیں گے۔ شیطان کے اُگسانے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے رزق ان کا وسیع ہو گا۔ صاحبِ مال اور صاحبِ حیثیت ہوں گے ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور پھونکا جائے گا۔

ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ فَتَنْتَبِ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ أُخْرَى فَاذْهَبُوا قِيَامٌ يَنْتَظِرُونَ قَالَ ثُمَّ يَقَالُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوا الْخُبْرَ وَبُكْرَ وَقُفُّوهُمْ

انہم مسئلہ لون۔

پہلے نفخہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مرجائے گا کوئی زندہ باقی نہ رہے
 گا سب مرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبیم کی طرح بارش برسانے گا جس سے اجسام
 اگل آئیں گے۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا اور سب اٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت
 سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ اوجسما
 قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہوگا۔ اصل
 قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ پر قائم ہوگی۔
 قرآن کریم کہتا ہے:-

ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم تیار ینظرون ہ (پ ۲۴: الزمر)
 ترجمہ۔ پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے
 کو دیکھتے۔

اس صورت حال میں انبیاء کرام کا اپنی قبروں سے اُٹنا بیہوشی سے افاقے کی صورت میں ہو
 گا۔ موت سے حیات کی صورت میں نہ ہوگا جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے
 سے زندہ ہیں جو نفخہ اولیٰ سے صرف بیہوشی میں جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے وہ ہوش میں
 آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۶۰۰ھ) فرماتے ہیں:-

وهذا من اشکل الاحادیث لان موسیٰ قدمات فکیف تدرکہ الصعقۃ
 انما تصعق الاحیاء ۛ

ترجمہ۔ یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے
 ہیں صور پھونکا جانا ان پر کیا اثر کرے گا (وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں) صور پھونکا

ۛ قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے۔ بدن پھر سے بن جائیں گے

جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مریں گے (نہ کہ وہ جو پہلے سے بزرخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)۔

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاضؒ (۴۴۵ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں:-
 قال القاضي فيحتمل ان هذه الصعقة صعقة فزع بعد البعث حين
 تنشق السموات والارض فتنتظم حينئذ الآيات والاحاديث و
 يؤيد قوله صلى الله عليه وسلم فافاق لانه انما يقال افاق من
 الغشي واما الموت فيقال بعث منه وصعقة الطور لم يكن موتا و
 اما قوله صلى الله عليه وسلم فلا ادري افاق قبلي فيحتمل انه
 صلى الله عليه وسلم قاله قبل ان يعلم انه اول من تنشق عنه الارض
 ان كان هذا اللفظ على ظاهره وان نبينا صلى الله عليه وسلم اول
 شخص تنشق عنه الارض على الاطلاق

ترجمہ ہو سکتا ہے صعقة سے مراد جب آسمان اور زمین مچھٹ چکے ہوں گے
 صعقة فزع مراد ہو اس کے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضورؐ کا ارشاد
 بھی اس کی تائید کرتا ہے جب آپؐ نے کہا کہ موسیٰ افاقہ میں آئے تو یہ اسے ہی
 کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے۔ موت سے جو اٹھایا جائے
 اسے بعث کہتے ہیں طور کی بہشتی موت نہ تھی اور حضورؐ کا یہ کہنا میں نہیں
 جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش آئے ہو سکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو
 جب آپؐ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپؐ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نفعہ اولیٰ جس سے ہر ایک زندہ (بانتھنا ومن شام منہ) مریں
 جائے گا اس وقت انبیاء کرامؑ کس حال میں ہوں گے؟ وہ اس وقت نہ مریں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

ان الذين يصعقون هم الاحياء واما الموتي فهم في الاستثناء في قوله
تعالى الا من شاء الله..... ولا يعارض ما ورد في هذا الحديث ان
موسى ممن استثنى الله لان الانبياء احياء عند الله وان كانوا في صورة
الاموات بالنسبة الى اهل الدنيا وقد ثبت ذلك للشهداء ولا شك
ان الانبياء اعلى رتبة من الشهداء ورد النص صريح بان الشهداء ممن
استثنى الله به

ترجمہ جو لوگ زندہ ہیں پہلے صعقہ میں مریں گے اور جو پہلے سے مرے ہیں وہ
آلما من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں..... اور یہ بات اس حدیث کے
خلاف نہیں جس میں موسیٰ ان میں شمار ہیں جو استثنیٰ کئے گئے کیونکہ انبیاء
سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت
میں ہیں اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء کو بلا شک شہداء سے کئی درجہ
اعلیٰ ہیں اور ان کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام آلما من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت
شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔

سومنفذہ اولیٰ میں موت صرف زندوں کے لیے ہے اور جو پہلے سے مُردہ ہیں وہ اس
صعقہ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو عام اہل
دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں ہیں تاہم (حقیقتہً وہ اموات میں نہیں ہیں) جب شہداء
کے لیے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی اُوپر کے درجے میں ہیں۔

انبیاء کرام صعقہ اولیٰ سے مستثنیٰ ہیں اور وہ نفخہ ثانیہ میں اٹھیں گے۔ اس وقت اُن

پر اس صفت سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہوگی۔ یہ صفت ان کے لیے صفت فزع ہے جس سے سب سے پہلے آپ کو افاقہ ہوگا۔ جو مردہ ہیں وہ اس صفت ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم السلام جو پہلے اپنی قبروں میں زندہ رہے ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صفت سے گھبراہٹ میں ہوں گے۔ پھر سب انسان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی افاقہ میں آجائیں گے اور پھر سب خدا کی طرف چل دیں گے۔

حیات انبیاء کی یہ ایک کھلی جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے مین مطابق ہے جس میں حضور نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ وہاں مصروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور عقیدہ حیات النبی

قرآن کریم کا یہ کھلا عنوان آپ کے سامنے ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو۔ علماء کرام نے اس حیات شہداء سے بدلاتہ النص حیات انبیاء بھی ثابت کی ہے۔ ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لیے نہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے۔ پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو۔ اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں۔ ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل ہم احياء ولكن لا تشعرون۔ اس سے بطور دلالتہ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زاد ہم اللہ شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔ دلالتہ النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس سے بطور اولیٰ سمجھ میں آئے۔ اس دور میں (پہلے دور میں) اس کے ساتھ اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس یہ

۱۔ مسالک العلماء ص ۱۹ معلوم نہیں قاضی صاحب نے بل ہم احياء کے الفاظ قرآن میں کہاں دیکھے ہیں۔

قاضی صاحب کی بس یہاں آکر رُک رہی ہے کاش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس یہیں پر روک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہد بن کر قرآن کریم سے نئے سرے سے اتنباط کرنا شروع کر دیا اپنے مقلد ہونے کو بھول گئے اور دعویٰ کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفاۃ زندگی کی نفی قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے (استغفر اللہ العظیم) قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبارت میں پانچ باتوں کا گھلا اقرار ہے۔

- ① حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔
- ② قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔
- ③ جس طرح شہداء بعد الوفات زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفات بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔
- ④ جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لیے زادہم شرفاً کی دُعا ہے۔
- ⑤ جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہ کی تھی۔

ہمیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلہ میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیاتِ انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں۔

① واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا۔ (پ، الزخرف آیت ۴۵)

② ولقد اتيانا من سى الكتاب فلا تكن فى مریة من لقائہ۔

(پ، الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صورت میں احادیث صریحہ کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کر سکیں گی؟ صحابہ کا اس صورت میں علمی پیمانہ کیا تھا؟ وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش، ہمارے نادان دوست اس مسئلے کو سمجھتے ہوتے۔

پھر اتنی ہی بات نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شہادتِ حیات شہداء کے عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارت النّص ہے جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔
اب آئیے دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے شہادت پائی۔ میں خیبر کے دن ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک لیا۔
روکنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضور سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں میں آپ کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اللہ کے رسول غائب اگر رہتے ہیں۔ ارادہ خداوندی ہوا کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک لیا گیا جب آپ جملہ فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب غارِ ثور میں سانپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اڑی کو ڈسنا تو اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا۔ حضور آپ کو اللہ کی طرف سے ان اللہ معنا کا وعدہ حفاظت دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضور کی معیت رہی سانپ کے زہر کا اثر نہ کار ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیاتِ شہداء کے ایوان میں داخل ہو گئے۔
علامہ شعبی (۱۰۳ھ) قسم کھا کر کہتے ہیں حضرت ابوبکر زہر سے مختصر عمر قتل سے شہید ہوئے۔

آنحضرت کا مرتبہ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہیں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت جاحش ایک بھنی ہوئی بکری جس میں اس زہر ملا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی آپ نے چھکے سہی اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن آخر میں یہ اثر پھر عود کر آیا۔ آپ مرضِ الفات میں فرماتے تھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ سو آپ کا مرتبہ شہادت برحق ہے۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابدان جن پر کفار قتل وارد کرنے کے مدعی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا۔ صرف روح کا تجدد بنز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجدد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ حیات انبیا میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء حالاً اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیۃ اموات غیر احیاء انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جاسکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ہمارے کرم فرما اوپر بس کر چکے ہیں۔ ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں ان کی بس یہاں رکی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور

نہیں اور بس۔

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

عزیزان من! حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے

ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

بنزگان من! جب حیات النبی میں کوئی نزاع نہیں یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق

طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کبھی کچھ کہا ہے؟

کم از کم اتنا ہی ہمیں بتادیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے؟

آپ نے عقیدہ حیات النبی کا اقرار جن واضح گاف لفظوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں۔

مسئلہ حیات النبی کا تعارف

آنحضرتؐ بوجہ شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النفس کی رو سے زندہ ہیں اور بطور نبی اور رسول بھی آپ قرآن کی دلالت النفس سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا عجیب ہے کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں۔ انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں۔

جب ہمارا اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں یہ مسئلہ صراحت سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالت النفس سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث صریحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء کو اسی طرح احیاء کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہداء کو احیاء کہلے ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تضعیف ہونی چاہیے یا ان احادیث سے قرآن کی تائید ہونی چاہیے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے وہ جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

حيات بعد الوفات لسيد الكائنات

الباب الاول وفيه خمسة فصول

حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علي عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا على من الصلوة فان صلواتكم معروضة على قال قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت قال يقولون بليت فقال ان الله عز وجل حرم على الارض الاجساد الانبياء.

سنن ابي داود جلد ١٥ ص ٢١٢، سنن نسائي جلد ١٥ ص ١٥٢، سنن ابن ماجه ص ٤٤ ص ١١٩
سنن دارمي ص ١٩٥، مستدرک، حاکم جلد ١ ص ٢٤٥، جلد ٣ ص ٥٢، مسند امام احمد جلد ٣
سنن کبریٰ بیہقی جلد ٢ ص ٢٢٨، الطبرانی کما فی نیل الاوطار جلد ٣ ص ٢١١، ص ٢١٢ و احمد کما
فی التفسیر لابن کثیر جلد ٣ ص ٥١٤، وابن خزیمہ وابن حبان و سعید بن منصور فی سننہ و
وابن ابی شیبہ فی مصنفہ کما فی شرح العلامة البرسندی ص ٨٥ مصر المصنف جلد ٣
دلائل النبوت، لابن نعیم ص ٢٩٦ مصر

له قال ابن حبان في صحيحة حدثنا ابن جزيمة حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علي حدثنا
عبد الرحمن بن يزيد بن جابر فصرح بالتماع منه (جلاء الاقدام للحافظ ابن القيم ص ٢٢ طبع امرتسر)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام دلوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن اُن کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی قیامت کی بے ہوشی ہوگی پس جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جہوں کو مٹی بنائے۔

① — صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا دراصل آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا۔
فان صلوتکم معروضۃ علیّ۔

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے، اس زندگی میں آپ پر صلوٰۃ و سلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اس پر یہ سوال یہ پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا رہے گا۔ آنحضرتؐ کا ارشاد فان صلوتکم معروضۃ علیّ جملہ اسمیہ میں ہے۔ صحابہؓ نے جب اس استمرار پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا، تو آپ نے ہر دو میں فرق کرنے کے بجائے ایک اصولی بات بتادی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔ آپؐ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا۔

ارشاد ہوا۔

”زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔“

گویا آپ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلوٰۃ و سلام کو برابر دکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام روح مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرض صلوٰۃ و سلام روح الجسد پر پورے ادراک و شعور سے ہو رہا ہے، ورنہ بنائے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے“ صرف ادمت (آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلوٰۃ علیک کے جواب میں ہے۔ یعنی ارشاد نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اصل سوال یہ تھا۔

کیف تعرض صلوٰۃ علیک و قد ادمت۔

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ اجسادِ مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے حس و شعور پڑے ہیں۔ بلکہ منشاء رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے۔ اگر اجسادِ محفوظہ پر صلوٰۃ و سلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوٰۃ و سلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا۔ تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال و جواب کا اقتضایہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محض بے حس و شعور اگر ”ما محفوظ نہ ہو“ اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے۔

③ — صحابہ کرامؓ کے سوال میں ”ادمت“ اور اس کے جواب میں ”اجساد الانبیاء“ کے اطلاقات قطعاً اور یقیناً اس دنیا والے جسدِ عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اس شبہ کی قطعاً

گنجائش نہیں کہ شاید اجساد مثالیہ مراد ہوں پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوٰۃ و سلام روضہ منورہ کے اسی جسدِ عنقریب پر پیش ہو رہا ہے جس پر درودِ موت ہوا تھا اور جسے صحابہؓ نے دفن کیا تھا جسدِ اطہر وہاں مع الروح ہے، تو عرضِ صلوٰۃ و سلام کا محل بنا ہوا ہے مجھ سے بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر اس کا کچھ امکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرضِ صلوٰۃ و سلام ہو سکے تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

كيف تعرض صلوٰتنا عليك وامت.

اور اگر بے جان بدن پر ہی یہ عرضِ صلوٰۃ و سلام ہے، تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذراتِ بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے۔ پھر اتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے۔ فتوٰ فان ذلك من مدارك الاذكياء۔
مولانا محمد بشیر قنوجی تفہیم المسائل فارسی ص ۸۵ پر اس حدیث خفیہ اجساد سے اسی طرح استدلال فرما رہے ہیں۔

کشف

بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لیے کہے یا سنے جاتے ہیں، تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے جا صے ذوقِ طبع کا سامان ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہا، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی علمی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں۔ جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فسادِ تاویل کی انتہائی مثال ہے۔ چونکہ اُسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گرائی ہوتی ہے، اس لیے اسے لطیفہ کے بجائے کشف کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریر کے سلسلہ میں ضلع کیمبل پور جانا ہوا، وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئیداد بعض لوگوں سے سُنانے کا اتفاق ہوا۔ ایک عالم نے اس حدیث پر بحث

کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبر میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوتِ صادقہ کی علامت ہے۔ سچے مدعی نبوت اور اور تھوٹے مدعی نبوت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو، تھوٹے مدعی کی لاش گل ٹھڑ کہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی اور سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمایا کہ ”مزمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے“ سچے اور تھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لیے تھا۔ (معاذ اللہ) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قبروں کو کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے، اس کے سوا ان کی صداقت کا کوئی نشان نہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اگر یہ بیان دلفکارِ صحیح ہے تو غور کیجئے کہ کس طرح منشائے نبوت کو مسخ کرنے کی کس طرح بے باک کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوت کو سیاق و سباق سے بے نیاز کرنے اور اُسے ایسا معنی پہنانے پر، جو آج تک کسی شارح حدیث کو نہیں سونپھے، حیرت در حیرت ہوتی ہے۔

اَلَا يٰۤاَقُوْمًا اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ فَاَنَا

مُحَاسِبٌ فِى الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكَ

اگرچہ یہ ارشادِ نبوت اجسادِ انبیاء کی محفوظیت — ایسی محفوظیت کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے — اور ایسا صلوٰۃ و سلام پیش ہونا جیسا کہ قبل الوفات ہوتا تھا یعنی روح و جسد کے مجموع پر — پر دلیلِ ناطق اور شاہدِ صادق ہے — تاہم تائیدِ مزید کے لیے یہ بھی سنیئے۔

تائیدِ مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت اَبُو الدرداء سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضورِ اندر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَبِتِى اللّٰهُ حَتّٰى يَرْتَقِ بِلٰہِ

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جہموں کو مٹی بنائے
پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے۔

لیجئے، جو مضمون حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا۔
فان صلوتکم معروضۃ علی۔۔۔ بنائے سوال کیف تعرض صلوتنا
علیک و قد ارمیت۔

ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔۔۔ جواب برائے صورت عرض
صلوة و سلام بعد الوفات۔

نتیجہ۔۔۔ بعد الوفات حیات جسمانی

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظ نبوت بن کر سامنے آگیا۔
فنبی اللہ حتی یرزق۔۔۔ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔
اس جزو کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے
کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادعاء اور حکم ادراج کہاں تک صحیح ہے۔ یہ اس کی تفصیل کا موقع
نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجسادِ مطہرہ کے محفوظ ہونے اور ان پر صلوة و سلام
کے پیش ہوتے رہنے سے، حیاتِ البنی کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت
میں بعینہ جزو حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی حدیث کی اپنی تفسیر اور ادراج ہے تو
بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیثِ نخطِ اجساد کا اس کے پورے سیاق و سباق کے ساتھ
جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں
مقامِ تعجب ہے کہ اجسادِ الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فنبی اللہ حتی ینرزق کا مطلب یوں
بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے۔ حیاتِ جسمی کا اس سے کوئی تعلق نہیں
علمی دنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔

والبغی یصرع اہلہ والظلم مرقعہ الوخیم
حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ روایت ایک اور سلسلہ اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔

رجال اسناد روایت ابی الدرداءؓ

- ① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ — قلت رجالہ ثقات (تہذیب جلد ۳ ص ۴۹۸)
- ② ابن حنفی حاشیہ عزیزی شرح جامع صغیر — رجالہ ثقات (السراج المنیر جلد ۱ ص ۲۹ مصر)
- ③ ملا علی قاریؒ — باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرہ
بالفاظ مختلفہ (مرقات جلد ۳ ص ۲۲۲)
- ④ قال الدمیری رجالہ ثقات. (فیض القدر للناوی جلد ۲ ص ۸۷)
- ⑤ رواہ ابن ماجہ. رجال ثقات (ذرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۶)
- ⑥ قال المنذری. اسنادہ جید (ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۱۹۷)
- ⑦ علامہ سہروردیؒ — رواہ ابن ماجہ باسناد جید. (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)
- ⑧ قاضی شروکانیؒ — اخرج ابن ماجہ باسناد جید (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱)
- ⑨ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ — باسناد جید. (عون المعبود جلد ۱ ص ۴۵)
- ⑩ تنقیح الرواۃ ص ۲۵۵ باسناد جید (وترکنا البقايا مخافة التطويل)
تلك عشرةٌ كاملة.

الفصل الاول

وفيه ستة من المباحث

المبحث الاول : احوال رواة حديث اوس بن اوس

پہلا رادی جس پر تمام ائمہ حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علی الجعفی ہے، اس کے بعد عبد الرحمن بن یزید بن جابر، پھر ابوالاشعث صنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوسؓ منہقر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اندریں صورت صرف حسین بن علیؓ، عبد الرحمن اور ابوالاشعث کے منہقر تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔

حسین بن علی — ثقہ عابد۔ (تقریب ص ۳۳، کشف الاستار ص ۲۶)

عبد الرحمن بن یزید

عبد الرحمن بن یزید دو ہیں، ایک عبد الرحمن بن یزید بن تمیم۔ دوسرے عبد الرحمن بن یزید بن جابر ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے، لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے۔ اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں عبد الرحمن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں بعض حضرات نے ان اسانید کو دیکھ کر جہاں صرف عبد الرحمن بن یزید تھا، اُسے ابن تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تضعیف کر دی۔ حالانکہ ابوداؤد اور نسائی

لہ قال ابوداؤد حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين ابن علي (جلد ۱ ص ۱۵۸) قال النسائي اخبرنا اسحق بن منصور قال حدثنا حسين ابن علي (جلد ۱ ص ۱۵۴) قال احمد حدثنا حسين بن علي (ابن كثير جلد ۲ ص ۵۱۴) قال ابن ماجه. حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة حدثنا حسين بن علي (ص ۱۱۶) قال ابن خزيمة حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علي حدثنا عبد الرحمن (جلد ۱ ص ۱۵۸) قال ابن القيم (ص ۱۱۶)

کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ مخواہ غلط فہم کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کی رسائی اصل کتب حدیث تک نہیں ہوتی، ان کی نادانیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ سچے راوی حسین بن علی نے یوں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) صد اور تعصب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے۔

وقد تركتني لا اعي لمحدث

حديثاً وان ناجيته و نجاني

سُنیے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:-

وقوله ان ظن انه ابن جابر وانما هو ابن مقيم وغلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشكبه على حسين هذا بهذا افتده و علمه بهما و سماعه منهما.

ترجمہ بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابن مقیم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہو گئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید اور دونوں عبد الرحمن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سُننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں دیتا۔
رايت الدارقطني قد ذكر ذلك نصاً.

ترجمہ میں نے دیکھا ہے کہ دارقطنی نے اسے بطور نص ذکر کیا ہے۔

عبد الرحمن بن یزید بن جابر نے مکحول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن مانی، ابوالاشعث، صنعانی اور عطاء ثمرسانی سے احادیث سُنیں اور ان سے اُن کے بیٹے عبد اللہ، حسین بن علی السجفی

اور دوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک کے بھی شیخ حدیث تھے۔

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے بعد فقہائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمن اور یزید دونوں ثقہ ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں ”ہو من ثقات الناس“ اُن کے بیٹے ابو بکر نے کہا ہے ”ثقة مامون“ ابو حاتم کہتے ہیں ”صدوق لا بأس به ثقة“

وفات ۱۵۲ھ، عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابن جابر کے اساتذہ میں ابواللیث الصنعانی کا اہم گرامی ذکر ہو چکا۔ یہی استاد اس حدیث حفظ جہاد انبیاء کو روایت کر رہے ہیں۔ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

پیش نظر رہے کہ وہ شخص جسے عبدالرحمن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابن تمیم کے بجائے ابن جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابواسامہ ہے، حسین بن علی نہیں۔ اس پر علل رجال کے ماہر فن دارقطنی نے نص فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راوی حدیث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقات رواتہ اور علل رواتہ پر نظر نہیں رکھتے، از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھتے ہیں۔

ابوالاشعث الصنعانی — شراحیل بن آدم

ثقة من الثانية شهد فتح دمشق ۷۵ھ

۱۔ جلاء الافہام ص ۴ ۲۔ تہذیب جلد ۶ ص ۲۹۸ ۳۔ ایضاً جلد ۶ ص ۲۹۸

۴۔ دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۱۵ ۵۔ تقریب التہذیب ص ۲۲۱

ثقة راوی ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان سے احتجاج کیا ہے عجبی انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں لکھا ہے۔

المبحث الثاني

صرف راویوں کی ہی توثیق اور ان کا باہمی انقال نہیں۔ ائمہ فن جس حدیث کو صحیح قرار دے دیں، ہم راویوں کی بحث میں گئے بغیر بھی ان پر اعتماد کریں گے۔ سہرن میں اس فن کے ائمہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کن کن ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ ہم صرف ۳۲ ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اُسے قبول کرنے والے ائمہ علم کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔

- ۱۔ امام احمد (۲۴۱ھ) ۲۔ امام ابو داؤد (۲۴۵ھ) ۳۔ امام نسائی (۳۰۳ھ) ۴۔ امام
- ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) ۵۔ ابن حبان (۳۵۴ھ) ۶۔ دارقطنی (۳۸۵ھ) ۷۔ امام بیہقی (۴۵۸ھ)
- ۸۔ حاکم (۴۰۵ھ) ۹۔ ابونعیم الاصفہانی (۵۳۰ھ) ۱۰۔ بغوی (۵۱۶ھ) ۱۱۔ نووی (۵۶۶ھ) ۱۲۔
- ابن وحید (۵۰۰ھ) ۱۳۔ علامہ منذری (۶۵۱ھ) ۱۴۔ حافظ عبدالغنی النابلسی (۶۴۲ھ) ۱۵۔ حافظ ابن کثیر
- (۷۴۴ھ) ۱۶۔ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) ۱۷۔ حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ) ۱۸۔ خطیب تبریزی (۷۴۳ھ)
- ۱۹۔ حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) ۲۰۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) ۲۱۔ حافظ عینی (۸۵۵ھ) ۲۲۔ حافظ
- سخاوی (۹۰۲ھ) ۲۳۔ علامہ سبکی (۹۷۱ھ) ۲۴۔ علامہ ابن عبدالبہادی (۹۴۴ھ) ۲۵۔ علامہ طیبی
- ۲۶۔ علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) ۲۷۔ امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) ۲۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۱ھ)
- ۲۹۔ قاضی شروکانی (۱۲۵۰ھ) ۳۰۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) ۳۱۔ شاہ اسماعیل شہید
- (۱۲۹۷ھ) ۳۲۔ حجت الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ) وغیرہم من الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان سب حضرات کی عبارات پیش کرنے کی گنجائش نہیں تاہم بعض عبارات پیش خدمت ہیں:

حوالجات از بعض حوالجات

① شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ

تلخیص المستدرک للعلامة الذهبي «على شرط البخاري»

② حضرت امام نوویؒ

روينا في سنن أبي داود والنسائي وابن ماجه بالاسانيد الصحيحة عن

اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم... الحديث

علامہ منذری نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جنہیں علامہ منذری نے جمع کیا ہے جن سے حدیث بہت قوی ہو

جاتی ہے۔ وللحديث طرق جمعها المنذري في جزء فتقدد الطرق يشد بعضها بعضاً۔

علامہ نابلسی فرماتے ہیں حسن صحيح۔

③ خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

الف: ورد الامر باكثر الصلوة عليه الجمعة من حديث اوس بن

اوس وهو عند احمد وابي داود وصحيحه ابن حبان۔

ب: ورد الامر باكثر منها يوم الجمعة في حديث صحيح كما تقدم۔

ج: عند ابي داود والنسائي وصحيحه ابن خزيمة وغيره عن اوس

بن اوس رفعه۔

تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۲۴۸، جلد ۴ ص ۵۶۲ کتاب الاذکار کتاب الصلوة علی رسول اللہ ص ۴۸

تلخیص البیہ للبخاری ص ۱۱۹ تلخیص الرواة جلد ۱ ص ۲۵۵ تلخیص ترجمان السنن جلد ۱ ص ۲۹

فتح الباری جلد ۱ ص ۲۶۱ کتاب الدعوات ص ۵۵ دہلی فتح الباری ۱ ص ۴۸ کتاب الانبیاء ص ۲۶۱

④ شیخ الاسلام علامہ عینیؒ

الف : صحیح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد
الانبياء علیہم الصلوٰۃ والسلامؑ

ب : وهو اليوم رای والحال انه اليوم (كما وضع لان الارض لا تأکل اجساد
الانبياء علیہم السلامؑ

⑤ حافظ ابن کثیرؒ

قد صحح هذا الحديث ابن جوزیمة وابن حبان والدارقطنی و
النووی فی الاذکارؑ

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیائے کرام
کے جہموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل
صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

⑥ حافظ ابن قیمؒ

ومن تأمل هذا الاسناد لم يشك في صحته لشدة روايته وشهرته
وقبول الائمة حديثهؑ

ترجمہ: اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اُسے اس حدیث کی صحت
میں کوئی شک نہ رہا۔ کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث
نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

قد صحح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبياء
... الى غير ذلك مما يحصل من جملة القطع بان موت الانبياء انما

هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندرکهم وان كانوا موجودين احياء۔^۱

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

④ علامہ ابن عبد الہادی (۴۴۴ھ)

حدیث صحیح لان رواۃ کلمہ مشہورون بالصدق والاملنة والثقة والعدالة ولذلك صححه جماعة من الحفاظ کابی حاتم بن حبان والحقاف عبد الغنی النابلسی وابن دحیہ وغیرہم ولم یات من تکلم فیہ وعلة بحجه یئنه۔^۲
ترجمہ۔ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق و امانت اور عدالت میں مشہور ہیں۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی شخص نے اس حدیث پر کوئی مدلل اعتراض نہیں کیا۔

⑤ امام الحدیث والفقه ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری

قال میرک ورواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصحیحہ وزاد ابن حجر بقولہ وقال صحیح علی شرط البخاری ورواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ قال النووی اسنادہ صحیح وقال المنذری له علة دقيقة^۳
اشار الیہما البخاری نقلہ میرک قال ابن وحیة انه صحیح بنقل العدل

۱۔ کتاب الروح ص ۴۴ ۲۔ الصارم المنکی ص ۱۱ ۳۔ یہ علت غالباً عبدالرحمن بن زید کے ابن تمیم یا ابن جابر ہونے کی وجہ سے ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن بن زید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں جو محل جرح تھا۔ پس سند بالکل بے غبار رہی۔ واجاب الحفاظ عما ذکر فیہ من العلة وراجع له جلاء الافہام ص ۴۵، ص ۴۴

عن العدل ومن قال انه منكرا وغریب بعلة خفية فقد استروح
لان الدار قطنی ردها۔^۱

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو ”منکر“ یا ”غریب و معتل“ کہا ہے، اس نے نہایت
پجربا ت کہی، کیونکہ امام دارقطنی جیسے ماہر فن نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔

⑨ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روز جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوة
شما معروض می گردد بر من۔ ازیں با معلوم می شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی
دنیاوی است نہ بمجرد بقائے ارواح۔^۲

ترجمہ۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کر دو
کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات
اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

⑩ حافظ عبد الغنی النابلسی

قال الحافظ عبد الغنی النابلسی انه حسن صحیح۔^۳

⑪ خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری

ومتا کفر به الفقهاء الحاج۔۔۔ لان فی هذا الکلام تکذیبا
لرسول الله صلی الله علیه وسلم نعوذ بالله من اعتقاد ذلك فانه صحیح
عنه صلی الله علیه وسلم انه قال ان الله عز وجل حرم علی الارض
ان تأکل اجساد الانبیاء رواه ابو داؤد۔^۴

۱۔ مرقات جلد ۲ ص ۲۱ مصر ۱۹۸۵ م درج النبوت جلد ۲ ص ۹۲ ۲۔ ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۶
۳۔ وراجع له الكامل للمبرد جلد ۱ ص ۱۱ بحاشیہ الدکتور زکی مبارک جلد ۱ ص ۱۵۳ ص ۱۵۴
بحاشیہ ابراہیم ۵ خزائن الاسرار ص ۱۹

ترجمہ فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بنا پر حجاج کی تکفیر کی تھی۔ ایک اُن میں سے
اس ارشاد پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء
کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت
ہو چکی ہے اور اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ابن عربی (۵۴۴ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ اُن کے ذہن میں غالباً یہ بات ہوگی
کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمن بن یزید بن تمیم ہے جو ممکنہ الحدیث ہے۔ امام بخاری اُسے
عبدالرحمن بن یزید بن جابر نہیں مانتے؟

جواب : آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمن بن یزید کس سے روایت کر
رہا ہے؟ ابوالاشعث الصنعانی سے۔ اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمن بن یزید بن
جابر کے اساتذہ میں مذکور ہے یا عبدالرحمن بن یزید بن تمیم کے اساتذہ میں۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں
کہ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

دارقطنی نے امام بخاری پر کئی تعقبات کئے ہیں اور ان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام
بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم
ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے اُن کی تاریخ کبیر سے لیا ہوگا۔
حسین بن علی جیسے ناقد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی، کہ اُن پر اُن کا استاد ہی مشتبہ رہے کہ وہ ابن
جابر ہے یا ابن تمیم۔ امام دارقطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا
پُورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۴ھ) بھی اس بحث میں دارقطنی کے ساتھ ہیں۔
حافظ سخادی (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:-

لكن قدرد هذه العلة الدار قطنى وقال ان سماع حسين عن ابن جابر
ثابت والى هذا، جنم الخطيب ۱

ترجمہ۔ لیکن اس علت کو دارقطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع
ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف تھکے
ہوتے ہیں۔

المبحث الثالث

ان بزرگوں کی عبارات، جنہوں نے اس حدیث کا مطلب روضہ منورہ کی حیات یقین کیا ہے
نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم جنید و شبلی و عطار ہم مست

۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ؟ ۲۔ حافظ ابن القیم؟ ۳۔ علامہ طیبی؟ ۴۔ علامہ سید جمال الدین

۵۔ علامہ سندھی؟ ۶۔ امام ملا علی قاری؟ ۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی؟ ۸۔ قاضی شوکانی؟

۹۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن؟ ۱۰۔ حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری وغیرہم من الاکابر۔

پیش نظر ہے کہ ان حوالجات سے ان ائمہ و اکابر کے اپنے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود
نہیں بلکہ ارشاد نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے یہ اہل فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن
کے مقابلے میں کسی احتمال ثانی کی گنجائش نہیں۔

① آنحضرت کے ارشاد پر کہ ”مہتاراً درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے“ صحابہ کرام کا یہ سوال کہ
”بعد الوفاات یہ کیسے پیش ہوگا“ اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں
کے ساتھ عام دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پر
صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام امور کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو
حل کرتے ہوئے علامہ طیبی ۴ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں :-

وَبَيَّيْنَهُ مَا يَسْرُدُ فِي الْحَدِيثِ الثَّالِثِ قَوْلُهُ فَنَبَى اللَّهُ حَىٰ رِزْقٍ ۖ

ترجمہ: حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں صریح الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔
 (۲) عمدۃ المحققین حضرت علامہ سندھیؒ ماشیہ نسائی میں اس حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء

پر رقمطراز ہیں:-

وَالْجَوَابُ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ كُنَايَةً عَنْ كَوْنِ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءَ فِي قُبُورِهِمْ ۖ

ترجمہ: آنحضرتؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۳) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ:-

قَالَ أَكْثَرُ أَعْلَىٰ مِنَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنْ صَلَّوْكُمْ مَعْرُوضَةً عَلَىٰ فَقَالُوا كَيْفَ تَعْرِضُ صَلَّوْنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرَمْتَ أَيْ بَلَيْتَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَخَبَّرَ أَنَّهُ يَسْمَعُ الصَّلَاةَ مِنَ الْقَرِيبِ وَيَبْلُغُ ذَلِكَ مِنَ الْبَعِيدِ ۖ

ترجمہ: حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسموں کو مٹی بنانا زمین پر حرام ہے اور اس حدیث میں حضورؐ نے یہی بات بتلائی ہے کہ آپؐ کے قبر کے قریب پڑھے جانے والے درود کو خود سنتے ہیں اور دور کا پڑھا ہوا درود (بتوسط ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔

تنبیہ

یہاں فاخبر انہ یسمع الصلوة من القریب میں دو احتمال ہیں :-
 اول یہ کہ یہ پہلی حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسدِ اطہر اس طرح
 محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ
 قریب کے درود کو خود سُنتے ہیں مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیاتِ جسدی حاصل ہے۔
 ثانیاً ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت
 ابو ہریرہؓ سے بالفاظِ اختلافِ اصہبائی، ابنِ حبانؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من
 صلی علی عند قبری الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید درود پڑھنے کے احکامِ مراحہ
 سے منقول ہیں۔ اس صورت میں امام ابن تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو فاخبر سے جوڑنا اس
 بات کا اشارہ ہے کہ حفظِ اجسادِ انبیاء والی روایت اور روضہٴ اطہر کے قریب سے درود
 شریف خود سُنانے کی روایت مآلِ کار ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضہٴ منورہ کی حیاتِ جمائی
 ہے۔

④ شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ :-

ومعلوم بالضرورة ان جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری
 مطراً وقد سألہ الصحابة کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد
 اذمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو
 لم یکن جسدہ فی صریحہ لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عندہ ان اللہ
 تعالیٰ وکل بقبرہ الملائکۃ یبلغون عن امتہ الاسلام و صح عندہ
 انه خرج بین النجی بکرو عمر وقال ہکذا انبعث ہذا مع القطع
 بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح

الانبیاء . . . فالروح هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراف
عليه وتعلق بحیث یصلی في قبره ويرح سلام من سلم عليه وهي
في الرفیق الاعلیٰ

ترجمہ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بالکل تروتازہ روضہ
منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ پر صلوٰۃ
وسلام کیسے پیش ہوتا رہے گا، اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے
کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب
ارشاد نہ فرماتے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت
ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں

۱۔ کتاب الروح ص ۵۴ حیدرآباد ۸۔ یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ قزوینیؒ کا ہے کہ انبیاء کرام
کے اجساد مطہرہ، دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دیتے جاتے، وہاں سے انہیں اعلیٰ
علیین یا خیرۃ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گویا انبیاء کرام کی حیات جسمانی انہیں قبور میں نہیں ہوتی۔ بلکہ
اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسد عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا حاصل
یوں بیان کرتے ہیں ”پس محصل اختلاف در دوام واستمرار است در قبول سجیاتی کہ پیش از وفات بود“
(جذب القلوب ص ۱۸۷) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان
یکون المواد بہ رفع اجسادہم مع ارواحہم (حیات انبیاء امام بیہقی ص ۴ مصر) عافظ ابن قیم اس نظریے
کی احادیث کی روشنی میں تردید فرما رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو ان کی قبور ہی میں حیات
جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہوا وہ
اتصال جسد اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ لہٰذا اس حدیث
سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ وسلام روح سے ہی پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری وہیں ہے،
اگر اس پر فیضان حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے باہین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیتین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواحِ مقدسہ ہیں۔ پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روحِ منورہ میں رکھے جس پر اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے روح و بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

وہذا التعلق رای موسیٰ قائماً یصلیٰ فی قبرہ ۛ

ترجمہ: روح و بدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

حافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبورِ شریفہ کے اجسامِ مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقویم حیات کے لیے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

⑤ شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ:

صحیح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء
..... فتحصل من جملة هذا القطع بانکم غیبوا عنا بحیث لا ندرکم و
ان کاوا موجودین احياء وذلك كالحال فی الملكة علیہم الصلوٰۃ و
السلام فانکم موجودون احياء لا یبراہم احد من نوعنا الا من خصه

اللہ تعالیٰ بکرامتہ واذا تقرروا نملوا حیاء۔۔۔

ترجمہ: آنحضرتؐ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔ صرف وہ ہم سے غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم اُن کا ادراک نہیں کر سکتے بیساکہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم اُن کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے، وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

یہ مٹی انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ اس سے صرف یہی نہ سمجھیں کہ اُن کے ابدان محفوظ ہیں۔ سوال صرف حفاظت کا نہیں، اس احساس کا تھا کہ دُرد و سلام کس وجودِ اقدس پر پیش ہوا کرے گا۔ سو بدنِ اطہر صرف اس طرح محفوظ نہیں کہ صرف مٹی نہ ہو۔ اس میں تازگی اور نرمی آج بھی اسی طرح ہے جو وفات کے وقت تھی۔ وقت گزرنے سے بدنِ طیب میں کسی قسم کا اکڑاؤ پیدا نہیں ہوا صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس پر علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:-

وهو اليوم (ای والحال انه اليوم) كما وضع لان الارض لا تاكل اجساد الانبياء عليهم السلام۔

ترجمہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اسی طرح ہیں جیسے اس وقت جب آپ کو قبر مبارک میں اتارا گیا تھا کیونکہ یہ مٹی پیغمبروں کے اجساد کو ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔

② حضرت امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری:-

قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعها و فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجساد الانبياء ای من ان تأکلہا

فان الانبياء في قبورهم احياء فمحصل الجواب ان الانبياء
 احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم . تأمل ۛ
 ترجمہ: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے
 جسموں کو کھائے، یہ اسی لیے تھا کہ انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے
 ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے کہ بعد الوفات یہ صلوة وسلام کیسے پیش ہوگا)
 جواب میں یہ ارشاد فرمانا، اس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہیں
 اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوة وسلام پڑھے، اُسے وہ خود
 سن سکتے ہیں۔
 آگے جا کر لکھتے ہیں:-

ان الصحابة رضی اللہ عنہم سألوا ابيان كيفية العرض بعد اعتقاد
 جواز ان العرض كائن لا محالة لقول الصادق فان صلوتكم معروضة
 عليّ لكن حصل لهم الاشتباه ان العرض هل هو على الروح المجرد او على
 المتصل بالجسد وجسوا ان جسد النبي كجسد كل احد فكفى الجواب ما
 قاله علي وجه الصواب ۛ

ترجمہ: صحابہؓ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بعد وفات) آپ پر درود و
 سلام پیش کرنے کی کیفیت پوچھی۔ یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود وسلام
 تو ہر حال میں پیش ہوتا ہے۔ آپ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے
 انہیں اشتباہ اس میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر ہے یا اس روح پر جو
 متصل بالجسد ہو اور وہ (صحابہ کرامؑ) یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح
 ہے سو آپ نے جو جواب دیا وہ درستگی (عقیدہ کی اصلاح) میں کافی ہے۔

لَا شَكَّ أَنْ حَفِظَ أَجْسَادَهُمْ مِنْ أَنْ تَتَمَّ خَرَقَ لِلْعَادَةِ الْمَسْقُورَةِ فَكَمَا أَنَّ اللَّهَ
تَعَالَى يَحْفَظُهَا مِنْهُ فَكَذَلِكَ يُمْكِنُ مِنَ الْعَرَضِ عَلَيْهِمْ مِنَ الْإِسْتِغْنَاءِ مِنْهُمْ
حُلُوتِ الْأَمَةِ ۞

ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عباد
زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت
فرما رہا ہے اس طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجسادِ کریمہ) پر درود پیش بھی
ہو اور وہ امت کا درود بھی امت سے کُسن پائیں۔

علامہ عینیؒ کی طرح تاج علی قاریؒ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ قطعی عقیدہ اختیار
کرتے ہیں کہ حیاتِ انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ بھی کہتے ہیں:-
قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَمَا أَفَادَهُ مِنْ ثَبُوتِ حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ حَيَاةً بِهَا يَتَعَبَّدُونَ
يَصَلُونَ فِي قُبُورِهِمْ مَعَ اسْتِغْنَاءِهِمْ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ كَمَا لِلْمَلَائِكَةِ
أَمْرٌ لَا مَوْتَ فِيهِ ۞

ترجمہ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات جس سے وہ
تعبدی امور سجالاتے ہوں اور اپنی قبورِ شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں
اور فرشتوں کی طرح اس جہان کے سے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔
(عاجت مند نہ ہوں) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔
امر لا مویۃ فیہ (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جاسکتا) کے الفاظ
پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجدد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے
④ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ:-

اس حدیثِ مختصرِ اجسادِ انبیاء کا مفہم یوں بیان فرماتے ہیں:-

۱۔ ازیں با معلوم ہے ثرود کہ حیاتِ انبیاء حیاتِ جسمی و دنیادی است نہ بحیثیت بقائے ارواح۔^۱

۲۔ کنایہ است از حیات و حیاتِ انبیاء متفق علیہ است، پیچ کس را دروے
خوفی نیست حیاتِ جسمانی دنیادی حقیقی و دریں حدیث کہ فرمود،
ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء اثرات است یاں۔^۲

۳۔ کنایہ عن حیاتہما کما یأتی من حدیث ابی الدرداء والمذهب
ان الانبياء احياء حیوة حقیقیہ۔^۳

۴۔ بدانکہ در حیاتِ انبیاء علیہم السلام، و ثبوتِ ایں صفت مرایشاں را در ترتیب
آثار و احکامِ اہل پیچ کس را از علماء خوفی نیست۔^۴

۵۔ انبیاء علیہم السلام کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، اُن کے واسطے وہی
ایک موت ہے، جو ایک دفعہ آپکی اس کے بعد اُن کی روحیں بدن میں لوٹا
دی جاتی ہیں اور جو حیات اُن کو دنیا میں تھی، وہی عطا فرماتے ہیں۔^۵

⑧ مقتدائے فرقہ اہل حدیث فاضل حلیل قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں :-

والاحادیث فیہا مشروعیۃ الا کثیر من الصلوۃ علی النبیؐ یوم
الجمعة وانما تعرض علیہ وانه حی فی قبرہ قال ان الله
حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبياء وقد ذهب جماعة من
المحققین الی ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم حی بعد وفاته۔^۶

ترجمہ۔ احادیث سے ان اُمم کی شرعی حیثیت ثابت ہے۔ ۱۔ مجعہ کے دن آپ
پر درود کثرت سے پڑھا جائے۔ ۲۔ درود شریف آپ پر پیش ہوتا ہے۔

۱۔ جامع النبوت جلد ۲ ص ۹۲ طبع قدیم ۲۔ اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۱۳ ۳۔ لمعات التبیح ص ۳۳۱

۴۔ جذب القلوب ص ۱۸۲ لکھنؤ ۵۔ تکمیل الایمان مترجم ص ۵۸ ۶۔ نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۱، ص ۲۱۱

۳۔ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جہوں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس محقق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

⑨ پیشوائے اہل حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں :-

اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلها) فان الانبیاء فی قبورهم احياء۔
فان الانبیاء فی قبورهم احياء۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جہوں کو کھائے۔ اس ارشاد نبوت کی بناء یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بذل میں ہے۔

کہا یہاں بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے انبیاء کی حیاتِ قبریہ کا بیان ہو رہا ہے۔ یا محدث سیار پوری ارشاد نبوت کا منشاء واضح کرنے کے لیے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور اُن سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ فتوٰۃ دایا اولی الالبصار۔
حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقہ اہل حدیث نے اس ارشاد نبوت کا مطلب کیا سمجھا، اور کس وضاحت سے اس کا مدلل رد و فتنہ اطہر کی حیاتِ عنصری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے اب آئیے حقیقہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے :-

⑩ صدر المحققین رئیس المتحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابی داؤد میں تصریح فرماتے ہیں :-

ان الصحابة سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن

لامحالة لقول الصادق دفعا للاشتباه ان العرض هل هو على الروح

المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی کجسد کل احد
فکفی فی الجواب ما قاله علی وجه الصواب۔

ترجمہ۔ صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپؐ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ
آپؐ یہ ارشاد فرما چکے تھے پس اُن کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق
تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد
پر اُس کا عروض ہوگا۔ حضور اکرمؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی نہیں
ہوتے۔ اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسد اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے
اور روح مبارک کا اس جسد سے اتصال ہے۔ یہ کہنا کہ قبر مبارک میں جسد اطہر بالکل بے جان اور
بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہل بدعت کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنۃ
والجماعۃ میں سے کوئی حیاتِ انبیاء کا منکر نہیں رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں اپنی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے وہ حضرت
قدسی صفات عرض صلوٰۃ و سلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپؐ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد محض
ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپنائے ہوئے تھے اس کے لیے آپؐ
ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس بیان کو کہ انبیاء کے
سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں پٹنر و استہزار سے پڑھتے ہوں ان کے لیے حضرت
شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکانا بائیں ہاتھ کا گھیل ہے۔ و اصحاب الشمال ما
اصحاب الشمال۔

والی اللہ المشتکی وهو المستعان وعلیہ التکلان۔

المبحث الرابع

حديث ابى الدرداء واحوال روايته

حدثنا عمرو بن سعد المصري ثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث
عن سعيد بن ابى هلال عن زيد بن ايمن عن عبادة بن نسي عن ابى
الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة على

له عمرو بن سعد المصري ابو محمد المصري ثقة من الحادية عشرة. ثقه راوي حديث ہیں. (تقریب ص ۳۹۲)
له عبد الله بن وهب بن مسلم مولاهم ابو محمد المصري الفقيه ثقة حافظ عابد من التاسعة
(تقریب ص ۳۹۵) له ثقة فقيه حافظ من السابعة (تقریب ص ۳۹۸) له الليثي مولاهم ابو العلاء المصنف
قيل مدني الاصل قال ابن يونس بل نشاء بها صدوق. (تقریب ص ۱۹۵) صدوق راوي
حديث ہیں۔ ابن حزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن حزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا
اعتقاد تھا۔ وہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور اجسادِ قبریہ کی کسی قسم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔
ابوداؤد کی روایت جس میں قبر میں عودِ روح کا بیان ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمرو
تھے، ان پر بھی ابن حزم نے جرح کر دی تھی۔ تنقیح الرواة ص ۳۱۴ میں ہے۔ ولعمارة ابن حزم
حديث المنہال راہی معتقدۃ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورہا طعن فیہ و طعنہ
مردود والحديث صحيح. (جلد ۳ ص ۳۱۴) شہ زید بن ايمن روی عن عبادة بن نسي
وعنه سعيد بن ابى هلال ذكره ابن حبان في الثقات روی له ابن ماجه حديثاً واحداً في
فضل الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم قلت رجاله ثقات.

(تہذیب جلد ۳ ص ۳۹۸)

یوم الجمعة فانه مشهور قسده المشكة وان احدا ان یصلی علی الا
 عرضت علی صلواته حتی یفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت
 ان الله حرم علی الارض ان تأكل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق ۛ
 ترجمہ: عباد بن نسئ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جہو کے
 دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور
 کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کے فداغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا
 جاتا ہے۔ ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپؐ پر درود
 پیش ہوتا رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے
 گا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرم کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا
 پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

عبادہ بن نسئ

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۳۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوسؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداءؓ
 اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث سنیں۔ زید بن ابیہنؓ اور سعید بن ابی ہلالؓ وغیرہا نے ان سے
 روایات لیں۔ امام احمدؒ، یحییٰ بن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابن سعدؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابامخلدیؒ
 نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حاکم ابن محمد مستطانیؒ لکھتے ہیں:-

ثلاثة نفر یزال بهم الغیث ویمنع بهم علی الاعداء عبادہ بن نسئ
 رجاء بن حیاة وعدی بن عدی ۛ

ترجمہ: تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے ہارثیں برستی ہیں اور ان کی
 برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسئ
 ہیں (توسل بالذوات)

”تہذیب الکمال“ میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے اُن کی حفظِ احادیثِ انبیاءؑ والی روایت منقول ہے۔ اس کے آخر میں بھی فتنی اللہ حتیٰ یذوق کے الفاظ موجود ہیں۔

عبادہ بن نسی سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور اُن کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی رسول ہیں۔ عبادہ بن نسی سے سچے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم حاشیہ میں پیش ہو چکے ہیں اور اس پوری سند پر ماہرین حدیث کی ایک پوری جماعت ”استادہ جیدہ“ کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل المبحث الاول قال الحافظ المنذرى — اسنادہ جیدہ۔

عراقی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن امین اور عبادہ بن نسی کے باہین القطاع ہے۔ جو اُبا عرض ہے کہ اصل القطاع اس حدیث کی طبرانی کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محلِ کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں تصریح کی ہے۔ زید بن امین اور عبادہ کے باہین دعوئے انقطاع ثابت نہیں۔ اس پر دلیل مطلوب ہے محض نقل دعوئے ہی کافی نہیں۔ پھر بتایا جائے کہ یہ کون سی قسم کا انقطاع ہے، مفسر ہے یا غیر مفسر۔ پھر بعد از حضرت کن کن محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، زید بن امینؒ کا عبادہ بن نسی سے روایت کننا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ عبادہ بن نسی کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔ سند جید بھی ہوتی ہے کہ ضعف رواۃ اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں جاتی کہ روایت کو رد کیا جاسکے۔

اگر یہ روایت مُرسل ہے تو پیش نظر ہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے
 بلکہ اسے حضرت اوس بن اوسؓ کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں اس
 کا قبول کسی کے ہاں محل اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل
 بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذیؒ کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) خیر نساؓ تھا
 فاطمہ کی تفسیر سند عمارت بن ابی اسامہ کی روایت میں خیر نساؓ تھا عالمہا و فاطمہ خیر
 نساؓ تھا عالمہا کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور
 سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس لیے محدثین شافعیہ بھی جو
 احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں
 بھی اس ابن ماجہ کی حید الاسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔

وکل من تأمل فیہ علم و یقن ان العلم بالار سال من الدقیق الذی لا یتدرکہ

الا الموفق والطالب المتحقق۔

المبحث الخامس

تدقیق الکلام فی عرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان صلواتکم معروضۃ علی دہمبارا درود
مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، یہ آپ نے کب فرمایا؟
یہ آپ کی حیات طیبہ کی بات ہے۔ اس وقت آپ پر درود و سلام کس طرح پیش
ہوتا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ جو قریب آکر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دُور سے
پڑھا جائے یا دوسرے بلاد و ممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے
کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشکیک نہیں۔

فرشتے آپ پر امت کا درود و سلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں، وہ فرشتے
جانتے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر وہ درود و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی امت کو
بائیں بالاعلا (ان صلواتکم معروضۃ علی) اطلاع دی تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک بزرخی کیفیت تھی۔
جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے اور نہ سنتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس دنیوی حیات
میں ان بزرخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے۔ معراج کی رات آپ اس دنیوی جہد سے ہی اس بزرخی
سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے۔ یہاں حضور کے دنیوی جہد اور بزرخی نظاروں کا اجتماع تھا۔ قرآن
پک کی رُود سے اسماء کے جلوؤں میں لنذیہ من آیاتنا (تاکہ ہم اپنے بندے کو نشان دکھائیں) کی
شان ہی توجہ گزرتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور پھر ہر ایک امتی
آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود و سلام حضور پر ہر ایک ایسے لطیف پیرایہ میں پیش

ہوتا تھا کہ ہم اسی دادی کے نا آشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درد و سلام آپ پر کسی مرنی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس پر اطلاع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں اعمال امت کے بہت سے برزخی جلوے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضور کے سینہ مبارک پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا تو آنحضرت مدینہ منورہ میں بیٹھے طار اعلیٰ (اوپر کے جہان) کی باتیں سننے لگے۔ فرشتے کفارات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا:-

فَمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَىٰ كَسْ بَاتٍ فِي أَوَّلِ الْبُحْبُوحِ أَمْ كَرِهَ مِنْهُ
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا:-

عَرَضَتْ عَلَيَّ أَجُورٌ أَمْتِي وَعَرَضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أَمْتِي فَلَمْ أَرِذْ نَبَا
اعظم من سورة من القرآن أو آية أو يتمارجل ثم نسيمها:-

ترجمہ: مجھ پر میری امت کے انعامات اعمال پیش کئے گئے اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ سب بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اجور و ذنوب کن امور کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ کس چیز پر مرتب ہوئے؟ اعمال پر۔
سو اگر اجور و ذنوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش نہیں ہو سکتے؟ اس کا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَعَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تَعْرِضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمْدُ
اللَّهِ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ مِنْ سَيِّئٍ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ:-

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر۔ اس مہلت میں تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے جو اچھے ہوں گے، اس پر میں اللہ کی حمد کہوں گا اور جو میرے ہوں گے ان پر میں تمہارے لیے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔ آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوں۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

انه يربط طاعات امته وان الانبياء لا يبلون^۱

ترجمہ۔ آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے اجماع پرانے نہیں ہوتے۔

درود و سلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں اس کثرت سے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیئے گئے ہیں، حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

اذا كان يوم الجمعة وليلة الجمعة فاكثروا الصلوة علي^۲

ترجمہ۔ جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اب پیش کیے جانے کا موقعہ بھی معلوم کر لیں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں :-

اکثروا الصلوة علي في كل يوم جمعة فان صلوة امتي تعرض علي في كل يوم جمعة^۳

ترجمہ۔ مجھ پر جمعہ کے روز درود کثرت سے پڑھو کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ پر کس پیرائے میں صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تھا۔ صحابہؓ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی۔ البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ و سلام جبہ اطہر پر کیسے ہو گا۔ جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں۔

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرض صلوٰۃ و سلام نئے سرے سے شروع نہ ہو گا بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا۔ جب یہاں یہ عرض روح و جبہ کے مجموع پر محتاط رہا ہاں بھی یہ عرض صلوٰۃ و سلام اس جبہ اطہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرض صلوٰۃ و سلام پہلے ہے اور رد اللہ علی روحی (روح اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے۔ حدیث کی ترتیب یہی ہے۔

حیوة الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا لا خلاف لاحد فیہ فقال
المحافظ معناه رد اللہ علی نطقی بـ

ترجمہ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے لطف کو لوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان رد اللہ علی روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی حیات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے۔ یہاں مراد رد اللہ علی نطقی ہے۔ چوتھی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے یہ ہے۔

المراد بالروح النطق فتجوز فیہ من جملة خطابنا بما نفہمہ بـ

ترجمہ۔ یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہ ہم اسے

سمجھ پائیں درست ہے (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)۔

طبرانی میں ہے آپ فرماتے ہیں۔

ليس من عبد يصلّي على الابغنى صلّاته — قلنا وبعد وفاتك قال وبعد

وفاتي ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء

ترجمہ۔ کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ عجب پر درود نہ بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے

(ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے

بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے

آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔ یہ دونوں صدقوں کو شامل ہے۔ قریب ہے ہو تو براہ راست

اور دُور سے ہو تو بتوسط ملائکہ — یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا لوٹنا ذکر نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل

ہے۔ جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ

کی ذات و تجلیات میں حالت استغراق میں ہے کچھ ادھر بھی توجہ فرمادیتے ہیں اور آپ کو اس کا

درود و سلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روح اقدس کی جہات تو بہ کتنی کروڑوں

ہیں جو ہر امتی کا صلوٰۃ و سلام لے لیتی ہیں۔ بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث

میں اس سلسلے میں رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہیں رد اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ

ہے مجھ پر روح لوٹائی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے، روح میری طرف لوٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی

کے فرق سے آپ نے ذمہ ل فرمایا۔ علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت

طرف کے لیے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے روح کا

اس جہت میں، استعلا نہ تھا نہ یہ کروہ جسم اطہر سے بالکل خارج تھی اور اب اس
کہ جسم اطہر کی طرف ٹوٹا یا گیا ہے۔
حضرت مولانا محمد منطوق نعمانی لکھتے ہیں :-

اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک
کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے
کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے۔۔۔۔۔ پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ
فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ
کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب
دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ والی حالت کو روح سے تعبیر فرمایا گیا۔

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ، عجیب اور متبدل
(کبھی کسی طرف اور کبھی طرف) ہیں مگر اس سے روح اقدس کا ذات و تجلیات الہی میں استغراق
متاثر نہیں ہوتا۔ اس میں فرق نہیں ہوتا۔ آپ ہمہ وقت جمال و جلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔
آٹھویں صدی کے مشہور محدث حافظ ابن الملقن (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں :-

المراد برد الروح النطق لانه صلى الله عليه وسلم تحت في قبره وسماو حه
لانتقارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم۔

ترجمہ۔ روح (روح کے بدن کی طرف لوٹنے) سے مراد نطق ہے (کہ آپ جواب
دے سکیں) کیونکہ حضورؐ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی
اپنے جہان نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے رد روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد

جواب دیئے ہیں۔

الخامس انه يستغرق في امور الملاء الاعلى فاذا سلم اليه رجع اليه فلهذا
ليجيب من سلم عليه ۛ

ترجمہ: پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملا را علی کے جلووں میں مستغرق رہے ہیں پس
جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لٹتا
ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔
پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کر دیتے ہیں۔
ان امور الاخرة لا تدرك بالعقل واحوال البرئخ اشبه باحوال الاخرة
والله اعلم ۛ

ترجمہ: آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جاسکتے اور عالم برزخ کے حالات
آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔
حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخاوی (۷۹۰ھ) علامہ تفتی الدین اسبکی سے روبرو روح کا
معنی نقل کرتے ہیں۔

يحتمل ان يكون رذا مغنوا وان تكون روحه الشريفة مشغولة
بشهود الحضرة الالهية والملاء الاعلى عن هذا العالم فاذا سلم عليه اقبلت
روحه الشريفة على هذا العالم ليدرك سلام من يسلم عليه ويرد عليه ۛ
ترجمہ: یہاں روح سے مراد روح کا حسا ٹوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے
وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربار الہی اور
ملا را علی کے شہود میں مشغول رہے۔ پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے
تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرے تاکہ سلام کرنے والے کے سلام
کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) جملہ رد اللہ علی سراجی کو جملہ عالیہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں عربی قاعدہ ہے کہ جملہ عالیہ حب ماضی کے طور میں ہوتا اس میں قد مقدر نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ..

اوجاؤکم حصرت صدورہم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومہم۔

(پٹ، النساء، ع ۱۲ آیت ۹۰)

ترجمہ: یادہ آئے تمہارے پاس درحالیہ تنگ آچکے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی سے یا یہ کہ اپنی قوم سے لڑیں۔

حصرت فعل ماضی ہے جیسے ساد فعل ماضی ہے۔ اس صورت میں حدیث معنی اس طرح واضح ہوگی۔

ما من احد یسلم علی الا وقد رد اللہ علی روحی قبل ذلک و ارد علیہ۔

ترجمہ: کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے مجھ پر میری طرف لٹا دیں اور یہ کہ میں اس کا جواب دوں۔

آب آئے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد الخفاجی (۱۰۶۹ھ) کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے۔

لان الکون لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظۃ۔

ترجمہ: کیونکہ جہاں کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں ہر لحظہ عرض سلام نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی سر کر سلام اسی ردغہ تہذیبہ کہ ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں ماضی دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت كاللوج المكفوف لا يهزها
اراحه متجدده وداعيه سانحة ولكن النفوس التي هي دونها ملتصقة
بالعنة فتجلب منها لوسا وهيئة مناسبة للارواح وهي المكفی عنه
بقوله عليه السلام ما من احد يسلم علي الا رد الله علي روحه حتى يرد عليه
السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصى في مجاورتي المدينة سنة الف
ومائة واربع واربعون ۛ

ترجمہ اور کالمین کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رُکی ہوئی
موج کی صورت میں بچھاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ
حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ (اپنی روح
کی) ہمت سے ان سے جا بچھتے ہیں اور ان سے نور اور سعیت جو اپنی ارواح کے
مناسب ہو جلب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضور کے اس ارشاد میں کہ
جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر نوادیتا ہے
(مترجمہ کرتا ہے) حتیٰ کہ میں اس پر سلام نوادیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے
اور میں نے ۴۴ھ میں حب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا۔ میں نے اس سلام
و جواب کا اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کہ جبہ اطہر پر اس طرح تجلی رہتا ہے کہ آپ
نارین کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہ نبوت اور مزار پر الوار پر مجاورت
اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان جلووں سے متمتع اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۶ھ) تفرد اختیار نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں :-
جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح

پُر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے بوجہ محبوبیت و محبتیت تمامہ جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش و ادھر وھیان کرنا، عطا فرما دیتا ہے۔

اب چودہویں صدی میں بھی یہی معنی حدیث سنیں اور یقین کریں الاسم اللہ علی روحی کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدن اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا حضرت مولانا غلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں:-

قال القاضي لعل معناه الى روحه المقدسة في شان ما في حضرة الالهية
فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالى روحه المطهرة من تلك
الحالة الى رد من سلم عليه.

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح اقدس اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو اور جب کبھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم کی پہلی جلد میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ یہ چودہ سو سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے اعیان امت میں ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الاسم اللہ علی روحی سے یہ استدلال کیا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں حضور پر عرض صلوٰۃ و سلام جب اطہر اور روح اقدس دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جب اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا

ہر آپ حدیث ان صلوٰتکم معروضۃ پر لکھتے ہیں۔

اور حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک
(دونوں) پر پیش ہوتا ہے۔

اس بات سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا میں بھی صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تھا اور
آپ کو یہاں کئی برزخی مناظر دکھادیئے جاتے تھے اور یہ کہ آپ کبھی عذاب قبر کی آوازیں بھی سن لیتے
اور کبھی بغیر کھائے پئے روزوں میں وصال فرماتے اور دل آپ کا کبھی نہ سوتا تھا۔ ہمیشہ بیدار رہتا تھا۔
یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ

آپ کی دیکھنے کی قوت اور دلوں جیسی نہ تھی۔ آپ کی سننے کی روحانی قوت اور لوگوں کی طرح
نہ تھی۔ آپ کا مادی غذا کا احتیاج اور لوگوں کی طرح کا نہ تھا۔ آپ کا قلب مبارک نہالی شان کا حامل
تھا اور آپ کا بدن اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔

حسبوا ان جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کجسد کل احد فکفی فی الجواب
ما قالہ علی وجہ الصواب۔

ترجمہ۔ انہوں نے گمان کیا تھا کہ نبی پاک کا جسد اطہر بھی دوسرے لوگوں کے جسد کی طرح
ہوگا۔ سو حضورؐ نے جو جواب دیا۔ وہ صحیح صورت بتانے کے لیے کافی تھا۔

ہم یہ بات صرف اپنی عقیدت سے بیان نہیں کر رہے صحابہ کرامؓ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش ہوتا ہے۔ اسود بن یزید کہتے ہیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
(۳۲ھ) فرمایا کرتے تھے۔

اذا صلیتم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحسبوا الصلوٰۃ علیہ فانکم
لا تدرون لعل ذلک یعرض علیہ۔

ترجمہ۔ جب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو بڑے اچھے پیرایہ میں پڑھو

تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے وہ (قبولیت کے ساتھ) آپ پر پیش کیا جا رہا ہو۔
 شاگردوں نے کہا پھر آپ ہمیں سکھائیں ہم کیسے اپنے درود کو اچھا بنائیں۔ تو آپ
 نے فرمایا یوں کہہ۔

اللہم اجعل صلواتک ورحمتک وبرکاتک علی سید المرسلین و امام
 المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد
 الخیر ورسول الرحمة۔ اللہم ابعثہ مقاماً محموداً یغبط بہ الاولون و
 الآخرون اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم
 وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اللہم بارک علی محمد وعلی آل
 محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

نوٹ :-

قارئین سے درخواست ہے کہ آپ بھی ایک دفعہ پوری توجہ کے ساتھ اس پیرایہ میں حضور
 پر درود بھیجیں۔ گزرتا ہے غزوت شرف۔ جمعہ کے دن یہ عمل کریں تو انشاء اللہ زیادہ
 فائدہ مند رہے گا۔

درود پہنچانے والے کارکنان الہی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الله ملئکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحتِ ارض پر مقرر ہیں وہ میری امت کا
 سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

درود پڑھنے والے تو بے شک زمین پر ہیں۔ اب درود جسے پہنچانا ہے وہ اگر آسمانوں پر

ہو یا اعلیٰ علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پر کارکنان الہی لگے ہوئے ہیں سیاحین فی الارض (زمین پر پھرنے والے) کیسے تصور ہوں گے۔ اگر وہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور پر پہنچاتے ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں اور اسی سبب سے وہ سیاحین فی الارض ٹھہرتے ہیں اور وہ زمین و آسمان میں چکر لگانے والے نہ ہوئے۔ لیکن اگر درود ردغہ انور پر پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی جنہو رجب اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضور کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین فی الارض تھے۔ آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضور کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کرتے ہوں گے یا وہاں ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہو گا جو ساری دنیا میں دور رہنے والے امتیوں کے سلام ان سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضور کو پہنچائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پر تو ترجمانی کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی مسلمان نہیں جو حضور پر خلوص دل سے صلوٰۃ و سلام کہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا :-

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اکثر الصلوٰۃ علی یوم الجمعة فانه مشہود تشہدہ الملائکۃ وان احدا

لن یصلی علی الاعرضت علی صلوٰۃ حتی یرغ منها۔

ترجمہ جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کر۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے

اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ

پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ہی پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ

پر مامری دیتے ہیں کہ امت کا صلوٰۃ و سلام آپ کو پہنچا دیں۔ دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار

درد و سلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درد پڑھنے والوں اور حضورؐ کے روضہ پاک کے مابین ہے جو خود اگر سلام عرض کریں اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے۔ تعالیٰ قاری (۱۰۴) لکھتے ہیں:-

درد و سلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔

شیخ عبدالحق دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں:-
نیز ابن عمرؓ آمدہ ومن صلّ علیٰ عند قبری زدت علیہ ومن صلّ علیٰ فی مکان اخر یبلغونیہ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درد پڑھے گا میں اس پر اور سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پر درد پڑھے گا وہ (سمجھ) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب لازم نہیں)۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پر جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا ماحصل مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیہا مشروعیۃ الاکثار من الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعة وانما تقرض علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانہ حی فی قبرہ

وَمَا دَانَ النَّصُّ فِي كِتَابِ اللَّهِ فِي حَقِّ الشَّهْدَاءِ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ يَرْمِزُونَ وَأَنَّ

الْحَيَاةُ فِيهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ فَكَيْفَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۖ

ترجمہ: اور احادیث میں مجوعہ کے دن بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے درود پڑھنے کی مشورت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نبی اکرم پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسب حال) رزق بھی ملتا ہے اور ان کی حیات صرف روح کی نہیں جسد کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہوگی۔

ایک سوال

درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضور پر پیش ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام مدینہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں اور آپ نے اُن کے خون کے بدلہ میں پندرہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بائیں ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو اُن کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ مکہ میں زندہ ہیں، شہید نہیں کئے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہیے تھا کہ قتل عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب :-

① جب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

② اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہو گئے ہوتے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے اور نچے درجے کے مقربین برزخ اور جنّت میں بھی اعمال طاعت

میں لگے رہتے ہیں۔ گویا ان پر فرض اور واجب نہ ہو تو اگر حضرت عثمانؓ کی طرف سے درود برابر آ رہا تھا۔ تو کیا یہ اس کا محمل نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ عالم بزرگ میں حضورؐ پر درود و سلام بھیج رہے ہوں اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث میں اس خبر شہادت سے آپ پر درود پیش ہونے کی روایات رد نہیں کی جاسکتیں۔

③ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر پوری امت کا درود اجمالی پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ صرف مجاہد کو پیش ہوتا ہو۔ ہر روز نہیں۔

④ آپ پر اعمال امت پیش ہونے کی روایات تو ملتی ہیں۔ آپ پر حالات امت پیش ہوتے ہوں۔ یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی۔ امت کے مجموعی حالات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فردا فردا ہر ایک کی آپ کو اطلاع دی جائے۔ ان امور میں غور کرنے سے آپ کے شبہات کا انشاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود و سلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی۔ یہ حدیث ان صلواتکم معروضۃ علی کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ رہا حضورؐ کے روضۃ پاک پر حاضر ہو کر خود براہ راست درود و سلام پڑھنا تو یہ پیش ہونے کا موضوع نہیں۔ اس پر ایک مستقل باب آگے آ رہا ہے۔

المبحث السادس — التحقیق المفید فی الذب عن إیخ الشہید

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام کے (وفات شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام فرمادینے، ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت تھی، تو پھر ان کی تحقیق میں منہیت ہوگی۔ اس الزام کے لیے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت جو پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے :-

یعنی میں بھی ایک دن مرکز مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجے کے لائق ہوں۔

یہاں لفظ ”ملنا“ محل اعتراض ہے اور اسی پر الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے
حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ ”ملنا“ کے یہ معنی ملتے ہیں۔

پیوستہ ہونا، ملحق ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا۔ **توہم اللغات جلد ۴ ص ۶۳۲**
مقرر ضمین خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے
سکیں جتنی یہ ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضورؐ کی
طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردہ قبر میں جانا ہے۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس
سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ (معاذ اللہ)
اردو زبان کا جامع ترین لغت ”جامع اللغات“ جلد ۲ ص ۵۱۵ میں خاک میں ملنا کے معنی دفن
ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں۔ جلد ۴ ص ۴۴ میں لکھا ہے۔

مٹی سے مٹی مل جانا، دفن ہونا۔

منیر اللغات ص ۹ میں ہے۔ خاک میں ملنا۔ دفن ہونا۔

اسی طرح سعید اللغات مرتبہ منیر لکھنوی میں ہے۔ مٹی میں مل جانا۔ دفن ہو جانا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن
مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے عند عند سے ان معنوں پر محمول کرنا، جو مصنف کے ماشیہ
خیال میں بھی نہ گزرے ہوں۔ کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ والی اللہ المشتکی!

پیش نظر رہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس
ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ ”یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے“ لیکن اگر اول الذکر کو اس
ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو
تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ ”یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے“ بلکہ زیادہ طبع انداز
یہی ہو گا کہ ”اسے“ کے بجائے ”میں“ کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضور اکرمؐ کے جسد اطہر پر روضہ
منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے۔ اس لیے حضورؐ کی طرف سے یہ مضمون ان لفظوں میں
ادا کیا گیا۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

ولیع نور اللغات جلد ۳ ص ۲۸ پر لکھا ہے کہ ”میں“ کبھی ”سے“ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

مبتدعین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں اور اس مضمون کو حدیث حفظ اشیاء انبیاء سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ شہید اور ان کے مقلد اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرمؐ ایک دن ضرور پر دہ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لیے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہو گا۔ جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں جس کی لذت آشنائی انبیاء کے لیے بھی ضرور ہے۔ کل نفس ذائقة الموت

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:-

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ غلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے متصل ہونا، یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں اور حیدر انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہیدؒ بھی قائل ہیں۔ محدثین حنفیہ اورشافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت زیر بحث لکھی تھی) اس حضرتؑ کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے:-

اسجدوا للہی الذی لا یموت لمن ملکہ لا یزول فانک انما تسجد لی

الآن مہابة واجلا لا فاذا صرت دھین میں امتنعت عنہ۔

ترجمہ: سجدے تم اس ذات کو کرو جو زندہ ہے اور اس پر فتا کبھی نہ آئے گی اور

جس کی بادشاہی لازوال ہے بے شک تو اس وقت تو میری ہیبت اور میری

تعلیم کے لیے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا
جاؤں گا تو اس وقت تو سجدے سے رک جائے گا۔

علامہ طیبی شافعیہ میں اور ملا علی قاری حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث ہیں انہوں
نے ارشاد نبوت کے اس مضمون کو اس حضرت کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے جس طرح کہ مولانا
اسماعیل شہیدؒ نے اس مضمون حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ فاذا صوت رہین
ومس۔ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں۔ مولانا شہید کے مقابلے میں دو طائر زیادہ سخت ہیں۔
بعض مبتدعین مٹی کی پوری بحث ہی کو بدفطن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا
ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضور انورؐ کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انا وابوبکر وعمر خلقنا من تراب واحدة فيماند فن۔ فتاویٰ افریقیہ ص ۸
ترجمہ۔ میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔
معلوم ہوا کہ جبہ اطہر خاکی ہی تھا اور ذات اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپ اپنی صفت
میں منبع نور و عرفان اور مرکز ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہیدؒ کا حفظِ جبہ اطہر کا عقیدہ

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ آپؐ کا جبہ اطہر روضہ میں محنتی اور محفوظ ہے ریزہ ریزہ نہیں آپ
مشنوی سلک نور میں لکھتے ہیں :-

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسم پاک بظاہر ہوا محنتی زیرِ خاک
و لے نور ان کا ہے قائم مقام کہ ہر پاک دل میں ہے انکا مقام
جو زیرِ پردہ ہے وہ آپ کا جسم ہے جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپ کا نور ہے۔

الفصل الثانی

وفیه ستۃ من المباحث

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
 ما من احد یسلم علی الامراء اللہ علی روحی حتی ارع علیہ السلام۔
 ترجمہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دے
 گا یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔ (وعلیک السلام کہوں)

المبحث الاول فی معنی الحدیث

- اس حدیث پر یہ چند سوال اُٹھتے ہیں ان پر غور فرمالیجئے :-
- ① سلام کرنے والا سلام کہنے کے لیے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روضۂ اطہر پر یا اپنے تصور میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کہ کیا در سے بھی آپ کو سلام کیا جاسکتا ہے جس طرح درود بعید سے بھی بھیجا جاسکتا ہے؟
 - ② سلام کرنے والا روح اقدس پر سلام عرض کر رہا ہے یا جبہ اطہر پر؟ اللہ مجھ پر روح لٹاتا ہے۔ یہاں مجھ سے مراد جبہ اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پر روح اقدس لوٹتی ہے؟
 - ③ اگر جبہ پر روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پر درود و سلام پیش ہوتا ہے مادہ جبہ اطہر زندہ ہے اور اس پر روح لوٹنے کا مطلب روح اقدس کا اس ذائقہ کی طرف متوجہ ہونا ہے؟

④ جب ہر وقت روضہ منورہ پر زائرین کا ایک تانتا بندھا ہے تو روح اقدس کا اشرف یا اس کی توجہ بدن اطہر پہ دانتا ہے یا انقطاعاً۔ اس دوسری صورت میں اس کی صورت عمل کیا ہوگی؟

الجوابات

سلام گدہم یہاں سے بھی گزارش کرتے ہیں اور ہر نماز میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی رُوئے زمین پر گھومتے ہیں جہاں کسی نے آپ پر سلام کہا۔ انہوں نے حاضری پر وہ سلام حضور کے گزارش کر دیا۔ مگر حدیث زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام جسد اطہر پہی عرض کیا جائے گا۔ روح کے آنے جانے یا توجہ کرنے کا محل روضہ پاک ہی ہے۔ اور روح اقدس اس جسد اطہر پہی متوجہ ہوتی ہے جو روضہ پاک میں مدفون ہے۔ سوزائین سلام کے لیے یہی حاضری دیں۔ روح کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ جہاں بدن اطہر ہے وہیں سلام پیش ہوتا ہے۔

حافظ ابن قدامہ منبلی (۵۶۲۰) نے اس روایت میں عندقبری کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں اب ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہی جگہ ہوگی جسے لوگ قبر جانتے ہوں نہ کہ اعلیٰ علیین کی کوئی اور جگہ۔

ما من احد یسلو علی عندقبری الحدیث

حضور کی قبر پہی ہے جس پر زائرین حاضری دیتے ہیں۔ روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہو تو بھی قبر مبارک پہی ہے اور اسی دنیوی جسد اقدس میں برزخی حیات ہے جو دیکھنے والوں کو تو نظر نہ آئے لیکن آپ اس میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہوں۔ بلکہ دوسرے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ آفتاب کی کہ وڑوں کرنیں زمین پہ جلوہ ریز ہوں اسے تو آسانی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ مشاہدہ ہے اور اس لیے کہ یہ عام ہے لیکن روح اقدس کی کہ وڑوں روحانی کونوں کا تسلیم

لہ المغنی جلد ۲ ص ۵۵۸ روایت عن احمد اسے ہم تائیداً نقل کر رہے ہیں۔ لہ قال ابن عبد الہادی موصی اللہ علیہ

وسلم یسمع السلام من القبر وتبلغہ الملائکۃ الصلوۃ والسلام من البعد۔ (الصارم المنکی ص ۲۸۲)

کہ لینا ہمارے دوستوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ جلوسے برزخی ہیں اور ان کی آنکھوں سے ادھبل ہیں۔ اور معتزلہ ان چیزوں کو مانتے کے لیے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور رد روح کا بعد میں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام دائرین جہ اطہر پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابو بکر المرغنی (۵۸۱ھ) لکھتے ہیں :-

اعلم ان كتب السنة متضمنة للاحادیث الدالة على ان روح النبی

صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیہ وانه یسمع ویرد علیہ السلام۔

ترجمہ۔ جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر آپ کی طرف لوٹانی جاتی ہے اور آپ سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں :-

الارد اللہ علی روحی ای ما د علی نطق لانه حی د ائما و سا وجہ لا تفارقه۔

ترجمہ۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے (یہ تشریح اس لیے ضروری ہے کہ آپ زندہ ہیں اور آپ کی روح متعدد آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیات انبیاء پر استدلال کرتے ہیں۔)

بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء

ملت و بیچ کس را خلاف نیست درال۔۔۔۔۔ ایں حدیث صحیح است مامن مسلم

یسلم علی الاراد اللہ علی روحی۔

ترجمہ۔ جان لو کہ حیات انبیاء اللہ کے نبیوں کی حیات اللہ کے صلوات اور تسلیات ان پر ہوں تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس سے اختلاف نہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوجہ نہ کرے۔

ہمارے یہ کم فرما بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں شیخ نصیح میں
مستاہل تھے ہم عرض کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ تو مستاہل نہ تھے۔ ان سے کرن متشدد زیادہ ہوگا۔ آپ
بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے۔

واقف الاثمة علی انہ یسلم علیہ عند زیارتہ وعلی صاحبہ لما فی السنن
عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من مسلم یسلم علی
الاسد اللہ علی روحی۔

ترجمہ: امداس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضورؐ کی قبر کی زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت
ابوبکرؓ و عمرؓ پر سلام عرض کیا جائے سنن میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے وہ اسے حضورؐ سے نقل
کرتے ہیں کہ کئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب حج پر صلوٰۃ و سلام بھیجے مگر کہ اللہ تعالیٰ حج پر پیکر و روح ٹوٹا دیتے ہیں۔
امام طبرانی امدیہ بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثانی۔ اس حدیث کی سند تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابو داؤد کی روایت سے ہے۔ اس کے راوی یہ ہیں۔

- ۱۔ ابو داؤد صاحب سنن۔ ۲۔ ابو عاتم محمد بن حنف۔ ۳۔ عبد الرحمن بن یزید المقرئ۔
 - ۴۔ حیوۃ بن شریح۔ ۵۔ ابو صخر حمید بن زیاد۔ ۶۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط۔ ۷۔ حضرت ابوہریرہؓ
- رضی اللہ عنہ صحابی رسول۔

ابو عاتم محمد بن حنف کو امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ عبد الرحمن بن یزید المقرئ کو بھی امام
نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ حیوۃ بن شریح کو امام سہلی بن معین ثقہ کہتے ہیں۔ عبد الرحمن بن قسیط کو امام نسائی
ابو صخر حمید بن زیاد کو دارقطنی جیسے متشدد نے بھی ثقہ کہا ہے۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط کو امام نسائی

۱۔ فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۶۱ ۲۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۸۴ ۳۔ ایضاً جلد ۶ ص ۸۴

۴۔ ایضاً جلد ۳ ص ۱۷۱ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۱ ۶۔ تہذیب جلد ۳ ص ۳۴۲

ثقة اور محدثین معین لیس بہ بائیں کہتے ہیں۔ ان روایت میں کوئی کذاب نہیں جو داخلین ان روایت حدیث کو کذاب کہتے ہیں وہ خود بڑے کذاب ہیں۔

تصحیح محدثین

- ① حافظ ابن کثیر (۷۴۳ھ) امام نووی (۶۷۲ھ) سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔
امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں۔ بالاسناد الصحيح ۱۰۶ اور ریاض الصالحین ص ۴۹۲ میں بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔
یہ ساتویں آٹھویں صدی کی شہادت ہے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں۔ امام احمد (۲۴۱ھ) ابو داؤد (۲۴۵ھ) نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کی شہادت ہے۔
- ② حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۸۲ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقات (اس کے سب راوی ثقہ ہیں)۔
- ③ علی شیخ احمد العزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع الصغیر لکھتے ہیں۔ اسنادہ حسن۔
- ④ علامہ سہروردی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ روی ابو داؤد بسند صحیح۔
- ⑤ علامہ زرقانی (۱۱۱۲ھ) لکھتے ہیں۔ بالاسناد صحیح۔
- ⑥ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں۔ اس حدیث صحیح است۔
- ⑦ نواب صدیق حسن خاں (۱۲۰۷ھ) لکھتے ہیں۔
- قال النووي في الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواۃ ثقات۔
- ⑧ امام العصر علامہ نور شاہ کشمیری (۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقات۔
- ⑨ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں۔

۱۔ تہذیب جلد ۱ ص ۳۴۲ قال ابن عبد البر ثقة من الثقات ۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴ ۳۔ فتح الباری جلد ۴ ص ۳۰۹ ۴۔ السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۴۹ ۵۔ وفاء الوفاء ص ۴۰۳ جلد دوم ۶۔ زرقانی شرح مواہب جلد ۸ ص ۳۰۸ ۷۔ اسع النبوة جلد ۲ ص ۴۴۴ ۸۔ دلیل الطالب ص ۸۴۳ ۹۔ عقیدۃ الاسلام ص ۵۲

عن ابی ہریرہ رفعہ ما من احد یسلم علی الارذ اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام
ورواتہ ثقات انه یستغرق فی امور الملاء الاعلیٰ فاذا سلمہ الیہ حج
الیہ فہما لیجیب من سلم علیہ۔

① محدث العصر علامہ طغرا احمد عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں :-

رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعة قال السبکی وهو اعقاد صحیح۔

ایک اعتراض۔ وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور یزید بن عبد اللہؓ کے درمیان انقطاع ہے امام مالک
نے یزید بن عبد اللہ بن قسیط پر جرح کی ہے اور یہ کہ یزید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ
کا زمانہ نہیں پایا ؟

الجواب وہو صدق والصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک یزید بن عبد اللہ بن قسیط کو لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے۔ ابو عاتم کی
راے صحیح نہیں۔ امام ابن عبد البر مالکی ہیں انہوں نے ابو عاتم کا رد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-
ویزید قد احتج بہ مالک فی مواضع من الموطا ووثقہ من الثقات۔

حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں۔ روی عن ابن عمر والجب هو میرق۔

اب کیسے مان لیا جائے کہ یزید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا۔ یزید بن عبد اللہؓ کی
عمر حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) کی وفات کے وقت ۲۶ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے
زیادہ سختی کو فیوں کے ہاں تھی وہ بھی بیس سال کی عمر پر کسی کو سماع سے نہیں روکتے تھے ہم یہ کیسے
تسلیم کر لیں کہ یزید بن عبد اللہؓ اس عمر تک حضرت ابو ہریرہؓ جیسی شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

حدیث مذکور آپ کی روضہ مبارکہ کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علی روحی سے جو ایہام پیدا
ہوتا تھا وہ امت کے دائمی صلوة و سلام اور وہاں ہر وقت کی عاضری خاص و عام کے باعث

کسی درجہ میں درخشاں نہ ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما اب آگے روایات سے کھٹا تقادم کہہ رہے ہیں جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ و سلام کے پیش ہونے کا بیان ہے۔ سو مناسب ہو گا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کر لیا جائے۔ معلوم رہے کہ یہ اضطراب اسناد کا نہیں مضمون کے ظاہر کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے۔

المبحث الثالث - کشف الحجاب عن وجه الاضطراب

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آپکی ہے۔ اس میں درود پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے۔

ان احدا لن یصلی علی الاعرضت علی صلوٰۃ حتی یفرغ منها۔
ترجمہ: کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کا بیان ہے۔ اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی تفصیل نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔ حضرت اوس بن اوش کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے۔ حصن حصین کے الفاظ ”لین یصلی علی احد یوم الجمعة الاعرضت علی“ میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی تفصیل نہیں۔ جمعہ کے دن درود پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا۔

فانه مشہود تشہدہ الملائكة۔

ترجمہ: اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

لہٰذا ان العمل الصالح زید فضلاً بواسطة فضل الوقت وعلى هذا الحاجة الى تقييد المرض یوم الجمعة قالہ السندھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے ہی فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں، حضورؐ نے فرمایا:-

ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من أمي السلام۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحتِ ارض پر مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

یہاں اس سیاحت کے لیے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں، اگر اوقات فضیلت میں اعمال فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقات، فضیلت میں عرضِ صلوٰۃ و سلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیش نظر ہے کہ ان روایات میں عرضِ صلوٰۃ و سلام کے لیے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرضِ صلوٰۃ و سلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے دُرود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لیے تصریح نہیں

لہٰذا سنائی جلد ۱۴۲، دارمی ص ۳۷۲ لہ علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۴) اس کی سند میں زاذان راوی حدیث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں خطیب اور عیسیٰ نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب جلد ۳ ص ۳۲۳) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں:-

وزاد ان من الثقات راوی عن اکابر الصحابة كعمر وغيره وراوى له مسلم في صحيحه قال يحيى بن معين ثقة وقال حميد بن هلال وقد سئل عنه هو ثقة لا تسأل عن مثل هؤلاء. (كتاب الروح ص ۵۹)

کہہ سکتے ہو سکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لیے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرفہ صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے۔ لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ مرسل روایت منقول ہے۔

ان صلوٰۃ امتی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ۔

ترجمہ۔ بے شک میری امت کا درود و مناجات پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھالیں۔ تو غایت مانے الباب یہ ہوگا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ و سلام فرشتوں کے توسط سے رونقہ اظہر پر پیش ہوتے ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لیجئے۔ جن میں یوم الجمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ عمومی طور پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ البوداؤد میں ہے۔

ما من احد یسلم علی الارحہ اللہ علی روحی فاراد علیہ السلام۔

۱۔ منشی الاخبار جلد ۳ ص ۲۱۰ مصرعہ رواۃ ثقات (فتح الباری ص ۱۳۹) رواۃ ثقات (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۳) اسنادہ ہکذا حدثننا محمد بن عوف اخبرنا المقرئ اخبرنا حنیفہ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبد اللہ بن قسیط من او اخر کتاب للناسک و تقدیر الکلام ما من احد یسلم علی الارحہ علیہ السلام لانی حی اقدر علیہ (کذا فی الشرح جلد ۲ ص ۱۳۹) قال المحدث السخاوی یؤخذہ من ہذہ الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام وذلك انہ محال عادة ان یخلو الوجود کلہما من واحد یسلم علیہ فی لیل و نهار و نحن نومن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی ینزل فی قبرہ و ان جسد الشریف لا تاكلہ الارض و الاجماع علی ہذا۔ ام (القول البدیع ص ۱۳۵) رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ و استمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہما تعاد ثم تتزع ثم تعاد (القول البدیع ص ۱۳۶) قال المحدث النور شاہ کشمیری الظاہر منہ انہم یوجد ہناک نقل من موطن الی موضع و انما هو نقل من حالۃ الی حالۃ و تبدل ہما و لعل المراد بحديث الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون انہم ابقوا علی ہذہ

ترجمہ۔ جب بھی کوئی عجم پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ جمعہ کی کوئی تخصیص نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ غنیۃ الطالبین کی روایت سے کل یوم کے الفاظ بھی ملتے ہیں یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارض ہے جن میں عرض صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم جمعہ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی قدرت مطابقت ہے ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرض صلوٰۃ و سلام متبادر ہوتا ہے اور تو سب ملائکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر وقت بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ و سلام کا پتہ دے رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متقدم قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعویٰ کر دیا جائے گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے؟ کیا کسی محدث یا شارح حدیث نے محض اس بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ من ادعیٰ فعلیہ ان یأتی بالتقل۔

لیجئے مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ خود ارشادِ نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے حضور نے فرمایا۔
من صلی علی عند قبری ممعته ومن صلی علی نائیاً بلغته۔

الحالة ولم تلب عنہ (تحیۃ الاسلام ص ۴۶) اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے ہوش فرما دیتا ہے جو نہایتی آپ پر سلام عرض کرے گا، اس کی طرف کا شعبہ لٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے۔ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا، پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ جلد ۵ ص ۲۴۵) والمغنی ان اللہ سبحانه یند روحہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ (شرح الشفا للملا علی القاری جلد ۲ ص ۱۴۲ مص) والتفصیل فی نسیم الریاض للختفاجی جلد ۲ ص ۴۹۹

لہ رواہ ابوالشیخ بسند جید کما فی الفتح جلد ۱ ص ۳۳

اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان ہے یعنی درود شریف اچھی طرح پوری تو تہ ہی سے پڑھا جائے تبھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔

مبتدعین کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور توسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب و بعد کے لیے نہیں بلکہ محبت اور عدم محبت کے لیے ہے جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے، یہ سب دوسو سے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے خواہ روغنہ کے پاس حاضر ہو خواہ دور سے پڑھ رہا ہو وہ کون سا بد بخت ہوگا جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضورؐ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روغنہ پر ماضی ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرضِ صلوٰۃ و سلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر پہلی روایات کی بعض مُرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یومِ جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ قرب و بعد کا صلوٰۃ و سلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مُرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغِ صلوٰۃ و سلام کو یومِ جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوٰۃ و سلام کے لیے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دور کا مجموعی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبدی علیٰ الا بلفق صلوٰۃ کے الفاظ ہیں حافظ ابن قیم کی جلاء الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے لیکن تصحیفِ کاتب سے بلفق صلوٰۃ کے بجائے بلفغی صلوٰۃ لکھا گیا ہے۔ ناظرین طبرانی کے حوالے سے جلاء الافہام کے حوالے میں تصحیح فرمائیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابو الدرداءؓ کے مابین انقطاع ہے۔

لہ ان التدرج فی قبولیۃ الصلوٰۃ فان عن صدقہ لا یكون الا بشرط القبول لعدم اختلاطہ بالروایۃ

المبحث الرابع

فی تصحیح المتقدمین

بحث ثانی میں ہم اس حدیث کی تصحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتداء امام ندوی کی تصحیح سے کی۔ اس پر ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس کی صحت متقدمین سے کریں۔ اصولاً یہ مطالبہ صحیح نہیں۔ قرون وسطیٰ کے ائمہ فن پر اعتماد نہ کرنا سلف سے ایک کھلا خروج ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضورؐ کے روضہ پر سلام عرض کرے تو کیا آپ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:-

والامام احمد اعلم الناس فی زمانہ لما سئل عن ذلك لم یکن عنده بما یعمد علیہ فی ذلك من الحدیث الا حدیث ما من رجل یسلم علی الآ
رد اللہ علی روحی حتی یرد السلام۔

ترجمہ۔ امام احمد نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر کہ اعتماد کیا جاسکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

پھر امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) خود بھی تو مقدمین میں سے ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنی سنن میں جس حدیث پر سکوت فرمایا وہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہوتی ہے۔ اگر وہ آپ کے ہاں کسی جہت سے مجروح ہوتی تو آپ اس پر جرح کر دیتے۔ آپ نے حنت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر سکوت فرمایا ہے اور یہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔

مالعید ذکر فیہ شیاء فہو صالح۔

امام ابو داؤد نے لکھا ہے :-

میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو۔

محدث کبیر مولانا خضر احمد عثمانی لکھتے ہیں :-

ابو داؤد نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پر ایک جماعت کی جماعت نے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ امام سبکی کہتے ہیں یہ اعتماد بالکل صحیح ہے۔

مولانا عبد الجبار غزنوی

ابو داؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں ماہن احمد یلم علی الارذ اللہ علی روحی فارذ علیہ السلام۔

سماۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز

سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر کوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سلام کا جواب دیتا ہوں۔

۱۔ تدریب الراوی ص ۵۵ ۲۔ مرقات جلد ۱ ص ۳۳۳ ۳۔ اعلام السنن جلد ۱ ص ۳۳۳

۴۔ اثبات الالبام والبیقہ ص ۱۲۶ ۵۔ الحج والعمرة والزیارہ ص ۱۵۱

المبحث الخامس

فی معنی رد الروح

فصل اول میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح دنیا میں صلوة و سلام "روح النور اور جسد اطہر" کے مجموع پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود و سلام اسی جسد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو بہ تعلق روح فائزہ الحیات ہے گو وہ حیات کلی طور پر اس دنیا کی سی نہ ہو۔ اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو علمی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے اچکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روحہ النور پر حاضر ہو۔ وہاں آپ ہر ایک کا درود و سلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید الفہام صاحب فرماتے ہیں:

رواہ ابو داؤد فی رد روحہ حین یسلم علیہ لیس معناه انہ یرد روحہ
ای انہ یمیی فی قبرہ بل توجہ من ذلک الی ہذا الجانب فہو حی فی
کلتا الحالتین۔

ترجمہ۔ ابو داؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح لوٹائی جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں اب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی۔

حضرت مولانا غلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :-

فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله روحه المطهرة من تلك الحالة
الى رد من سلم عليهؑ

ترجمہ جب آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی
روح اطہر کو اس حالت سے ادھر لوٹاتا ہے کہ آپ سلام کہنے والے
پر جواب لوٹا سکیں۔

فہی دائماً تعرض عليه بواسطة الملكة الملائكة الاعند روضته فيجمعها
بحضرتہؑ

ترجمہ درود شریف آپ پر فرشتوں کے واسطے سے پیش ہوتا رہتا ہے دائماً
مگر آپ کے روضہ النور کے پاس۔ وہاں آپ اسے خود سنتے ہیں۔
شیخ الاسلام حضرت مولانا السیدین احمد مدنیؒ کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔
آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یعنی امد متفق علیہ ہے
اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ بعض روایات کی
بتا پر علماء نے جمع کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ
ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی
— لہذا قریب سے صلوٰۃ و سلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ
نامر کی آواز کا آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے
شرف اور محب کی بات ہے۔

حضرت مولانا عبد الجبار غزنویؒ لکھتے ہیں :-

بے شک حقیقتہً ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ اس جہان میں حاضر اور زندہ

نہیں مگر حکمات ہیں (کیونکہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں) ابو داؤد
اور بیہقی روایت کرتے ہیں۔

ما من احد یسلم علی الارض الا رد الله علی روحی فارد علیہ السلام۔
”جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح
مجھ پر لوٹاتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔“
پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطاب
غیر محل نہ ٹھہرا۔ دوسری روایت میں ہے۔

ان لله ملئکة سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام رواہ
النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ

الفصل الخامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے
اور دور پڑھنے کا فرق بتلایا گیا ہے۔ قریب سے پڑھا جانے والا درود پاک آپ خود سنتے ہیں
اور دُور سے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اس کی دو سندوں میں
سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ
بتلانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وضاحت
سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور یہ بھی۔
اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا درود شریف آپ خود سنتے ہیں۔ اس حدیث
میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب بھی دیتے ہیں۔ اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ و سلام سُننے
جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ و سلام پر حضورؐ کی روح مقدسہ کا متوجہ
ہونا مذکور ہے۔ اس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود و سلام کا واسطہ ملا کہ
پہنچنا مذکور ہے اور اس حدیث میں دور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کا سرے سے کوئی

ذکر نہیں۔ ہاں اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس صراحت سے موجود ہے
 جیسا کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے مولانا عبد الجبار غزنویؒ نے بھی اسے نقل
 کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

المبحث السادس — فی سیاحۃ الملائکۃ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
 ان لله ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام بلہ
 ترجمہ: بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پر مقرر ہیں وہ میری
 امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے صفحہ زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضور پر درود
 پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرتے روحانہ انور پر ماضی دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا وہ آئندہ
 کے حضور پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے۔ درود پڑھنے والے اور جس ذات اقدس پر درود پڑھا جا
 رہا ہے سب اسی زمین پر ہیں۔ بقی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں۔ اگر آپ کی حقیقی قبر زمین
 پر مدینہ منورہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین
 بین الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے ان کا سلام فرشتے
 پہنچاتے ہیں تقریباً سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب
 کوئی مسلمان مجھ پر (میری قبر کے پاس) درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ
 کر دیتا ہے جس سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے پڑھے گئے درود و سلام کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اگر ابوالشیخ کی حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی افد نہ ہی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے کتاب جذب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ سلسلہ ان دو احادیث سے عبارتہ النص سے ثابت ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے (جسے مولانا محمد اسماعیل غزنوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے) اس کے ص ۱۵ پر علمائے نجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے۔
اور حضورؐ کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے۔ قرآن شریف کی آیات اس پر نفوس میں کیونکہ حضورؐ شہداء سے بلا شک و ریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔

پھر آگے ص ۱۲ پر آل شیخ علامہ نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف کا عقیدہ بھی بایں طور مرقوم ہے۔

اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔
مسئلہ مذکورہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے نجد بھی اس طرح کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے قائل نہ ہوتے سو بات اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عند القبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کہیں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

الفصل الثالث

وفيه ستة من المباحث

حدثنا هدا بن خالد وشيبان بن فروخ قال أخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني وسليمان التيمي عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية هدا بن مودت على مرسى ليلة اسرى بي عند الكثيف الاحمر وهو قائم يصلي في قبره له ترجمه حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب مرسے علیہ السلام کے پاس سے گزرا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت مرسے علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نمازیں پڑھنا بصرحت مذکور ہے۔ قرآن عزیز فرماتا ہے:-

ولقد اتينا موسى الكتب فلا تكن في مريه من لقائه.

(پا ۱ سجدہ، آیت ۲۳)

ترجمہ اور ہم نے موسے کو کتاب دی پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپ جو شب معراج میں موسے علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی، یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظربندی

تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کہ ملے تھے جسے ہم نے تورات دی تھی: ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی، بلکہ تورات لینے والے خود موسیٰ علیہ السلام تھے جن کا جسم عنصری تھا۔ انہی کو آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسیٰ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں — اور اگر آئندہ یہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی — اس کی مفصل بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔

المبحث الاول

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر منورہ میں زندہ موجود تھے، تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضورؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنا، اور پھر آسمانوں پر حضورؐ کو ملنا اور پھر آپ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لیے آپ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں۔ بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور طارِ اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی — کیا وہ ہر جگہ موجود ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لائے جا رہے ہیں، جن کی مدارسِ عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لیے وحدتِ زمان شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

وصلوتم فی اوقات مختلفۃ و فی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل
وقد ثبت بہ النقل فذلک علی حیاتہم

ترجمہ: اور انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں۔ اور نقل صحیح اسے ثابت کر

رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔
 یعنی قبر میں نماز پڑھنا، پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا، اور پھر طہ اعلیٰ میں ملنا، ان سب
 کے اوقات مختلف ہیں پس تعارض لازم نہیں آتا، فتفکروا یا اولی الابصار۔
 محدث کبیر امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:-

فی قصة المعراج انه لقيهم في جماعة الانبياء في السموات وكلمهم
 وكلمه وكل ذلك صحيح لا يخالف بعضه حصفاً فتدري موسى
 عليه السلام قائماً يصلي في قبره ثم يسري بموسى وغيره الى بيت
 المقدس كما اسرطه نبينا صلى الله عليه وسلم فيراهم فيه ثم يعرج
 بهم الى السموات كما عرج نبينا صلى الله عليه وسلم فيراهم فيه كما اخبره
 وصلواتهم في اوقات بمواضع مختلفة جاز في العقل كما ورد بها خبر
 الصادق وفي كل ذلك دلالة على حياتهم۔

ترجمہ۔ واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرمؐ انبیائے کرام کی ایک پوری جماعت کو
 آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں۔
 یہ سب مضامین صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے
 کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے
 ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفر اسرار کرایا گیا۔ جیسا کہ
 حضور اکرمؐ کو سفر اسرار پیش آیا پس آپ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج
 کرایا جیسا کہ حضور اکرمؐ کو معراج ہوا۔ پس آپ نے وہاں بھی انبیائے کرام کو دیکھا
 پس انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس پر عقلاً

کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نقل اس پر قول صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیاء کرام کی حیات پر دلالت ہو رہی ہے۔

المبحث الثانی

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور اسے واقعہ حال لاعوم لہا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو اباعرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسے حیات انبیاء کے کلیہ کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۴۵۲ھ) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

فان قیل هذا خاص بموسى قلنا قد وجدنا له شاهدا من حديث
ابي هريرة اخبرنا مسلم ايضا من طريق عبد الله بن الفضل عن ابي سلمة
عن ابي هريرة رفعه لقد رايتني في العجوة وقريش تسألني عن
مسراى..... الحديث.

ترجمہ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میں مقام حجر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر اسرار کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پودی جماعت میں دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثین کرام میں سے یہ کسی کا موقف نہیں کہ یہ حیات صرف حضرت موسیٰ کے ساتھ

خاص تھی۔ یہ ہمارے نادان دوستوں کی سینہ زوری ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ بالکل عالم بیداری میں سجاوٹ سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو وادی ازرق اور ثنیۃ بئر شعی میں لٹیک پڑتے ہوئے خاص ہیئت و لباس میں دیکھا۔ آپؐ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے وادی عسفان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ سُرخ اڑتوں پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود علیہ السلام، اور حضرت صالح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔ یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں۔ پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسرار سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف مرئی علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلہ اتم واحکوم فی کل باب۔

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر عقلم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جو ابا عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرین قیاس ہے دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر اسے استبعاد عقلی کے

۱۔ مسلم جلد ۱ ص ۸۸، بخاری کتاب المناسک جلد ۱ ص ۲

۲۔ رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ۔ (البداية والنهاية جلد ۱ ص ۱۱۹)

۳۔ اخبرہ احمد قال ابن کثیر فیہ السناد حسن (البداية جلد ۱ ص ۱۳۸)

طرح پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقل تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام کا اصل اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا اذا القبور بعثت کے خلاف ہے یعنی قیامت کو قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آ سکتا۔ جو اباعرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب و سنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے۔ اگر یہ کہو کہ کتاب و سنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاح احوال اور اس زمین پر زندگی گزارنے کے لیے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے کہ اذا القبور بعثت وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے، جو حساب و کتاب اور حشر کے لیے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبور منورہ نہیں کھلی تھیں، رات کا وقت تھا، کون وہاں دیکھ رہا تھا۔ جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور سے اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے۔ جو اباعرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی سے ہو کر واپس آ سکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا، بستر بھی گرم رہتا ہے، تو باقی انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لیے چلے جانے میں اور اس طرح چلے جانے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ ان میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اس رات اگر اپنے اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے تو یہ ضروری نہیں کہ اس عارضی کے تحقق کے لیے جو اسباب کار فرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں، جہات مختلفہ یہاں ناممکن نہیں، ان

نفسِ قدسیہ کی مذکورہ معاضری کے لیے جو اسباب عمل میں آتے وہ روحانی تھے پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امرِ محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تراجم تضاد کا دوسرہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادیِ ازرق، ثنیۃ ہرثیٰ اور وادیِ عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور طارِ اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدانِ مثالیہ سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالمِ مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالمِ مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امور مذکورہ بالا کو اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکرہ میں بطور احتمال ذکر کی گئی ہیں۔ تو بھی یہ مقصودِ کلام قطعاً متاثر نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے، وہ معضری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلذذاً معروفِ عبادت ہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدانِ مثالیہ تھے اور نہ اجسامِ عنصریہ۔ بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ہی متمثل ہو رہی تھیں۔ تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسامِ عنصریہ قبورِ بشریہ میں زندہ نہ ہوں گے۔ اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواحِ مقدسہ رفیقِ اعلیٰ یا خلیفۃ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسامِ قبریہ پر اپنی تاثیر دکھا سکتی ہیں اور انہیں فائزِ اسحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسامِ عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواحِ متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں۔ وہاں سے اجسامِ قبریہ پر کیوں پرتو نہیں ڈال سکتیں اور وہاں اتصالِ روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

لے قال الشیخ الاکبر فی النصوص الروح بتشکل باشکال مختلفۃ۔ (العرف الشذی ص ۱)

لے کما ذهب الیہ ابن القیم وراجع لہ کتاب الروح ص ۵ و زاد المعاد جلد ۲ ص ۴۹

نوٹ:

اس بحث میں ہمارا مقصد ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تعلیق یا کسی ایک توجہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو مغالطات عوام کے سامنے آتے ہیں۔ ان کے الزامی جوابات اور ایاد استبعاد میں دلائل امکانات ہیں۔ نہ ہر صورت ممکنہ کے وقوع کا دعویٰ ہے اور نہ اس کی ضرورت کہنا یہ ہے کہ اصل مذعا کسی بھی صورت واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے۔

واعبد ربك حتى ياتيك اليقين۔ (پہلا: الحجر آیت ۹۹)

ترجمہ: اور بندگی کئے جا اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کئے لیے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دارالعمل نہیں۔ پس یہ حدیث، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منورہ میں نماز پڑھنا مذکور ہے، قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ)

جواباً عرض ہے کہ دارالعمل کے بعد ”وجوب عمل“ کا انقطاع ہے۔ ”نفس عمل کا نہیں۔ قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کی ”انتہائے مدت“ موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اُس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالم برزخ میں (اپنی اپنی

لہ یہ رموز دہلی کے ایک مدرس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (اندرون بوہڑ گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

قبر میں نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تِلْذُذًا پڑھتے ہیں، درجہ بالا نہیں۔

قال القرطبي حَبَّتْ إِلَيْهِمُ الْعِبَادَةُ فَلَمْ يَتَعَبَدُوا بِمَا يَجِدُونَهُ مِنْ
دَوَاعِي انْفُسِهِمْ لِأَسْبَابٍ يُلْزَمُونَ بِهَا ۝

خاتم المحدثین حضرت مولانا السید نور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي
وقراءة القرآن عند الترمذي ۝

ترجمہ: بہت سے اعمال قبور شریفہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں۔ سنن دارمی کی روایت
سے قبر میں اذان و اقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوت
قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

پس جس طرح صلوات خمسہ (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نفی نہیں، اسی
طرح درود موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا و اعبادتک حتی یاتیک الیقین
کے خلاف نہیں۔ مقربینِ ایزدی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ درجہ ہو نہ ہو، وہ
عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیزِ جنت میں بھی دعا و ذکر
کی خبر دیتا ہے:-

دعواہم فیہا سبحانک اللہم و تحیتہم فیہا سلام، و آخر دعواہم ان
الحمد لله رب العالمین۔ (پ: یونس)

ترجمہ: ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور ان شخصہ ایک
دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب
جہانوں کے پروردگار کے لیے ہی ہیں۔

پس جب دعا جو مع العبادۃ ہے یعنی ساری عبادت کا مغز ہے، وہ مرنے کے بعد

ثابت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس دارالعمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر و حمد کی خبر نہیں دیتا۔
قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریہ فالج الموت پر کس قدر ظلم ہے۔

فریب کش مکش عقل دیدنی دارد کہ میر قافلہ و فوق راہزنی دارد
قال اللہ تعالیٰ :-

وقال الحمد لله الذی صدقنا وعده واورثنا الارض

..... وقیل الحمد لله رب العلمین۔ (پ: ۲۴، زمر)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا۔ ہمیں
اس زمین کا..... اور ہر طرف سے الحمد للہ رب العلمین کی آوازیں آئیں گی۔

وله الحمد فی الآخرة وهو الحکیم الخیر۔ (پ: ۲۴، سبا)

ترجمہ۔ اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم و خیر۔

وقال الحمد لله الذی هدانا لهذا۔ (پ: ۱، اعراف)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، سب تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے
ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

یلحمون التسبیح والتحمید۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

یسبحون اللہ بکرة وعشیا۔ متفق علیہ

ترجمہ۔ وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

فستبح بحمد ربك واستغفره میں تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم تھا۔ اس عالم میں

و جو بآس پر عمل ہوتا رہا۔ بعد ازاں تِلْذٰلِیْہِ و تَحْمِیْدِہِ اور دُعَا و اِسْتِغْفَارِ کا سلسلہ جاری ہے تسبیح و تحمید کا بیان ہو چکا۔ اب استغفار بھی لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

حِیَاتِیْ خَیْرَ لَکُمْ وَ مَمَاتِیْ خَیْرَ لَکُمْ تَعْرِضُ عَلٰی اَعْمَالِکُمْ فَمَا کَانَ مِنْ حَسَنِ حَمْدِ اللّٰهِ عَلَیْہِ وَ مَا کَانَ مِنْ سِیِّئِ اِسْتِغْفَرْتَ اللّٰہَ لَکُمْ۔ رواہ البزار
باسناد جید۔

و کذا عند البزار بسند جید عن ابن مسعود۔

بزار برہ حال صحیح از عبد اللہ بن مسعود می آرد۔

ترجمہ: میری یہ زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور بعد الوفا بھی میری حالت تمہارے لیے خیر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لیے سامانِ تحمید ہو گا اور جو اعمال اچھے نہ ہوں گے، اس پر میں دُعَاے استغفار کرتا رہوں گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

مجموع روایات سے علاوہ فضیلتِ حیات و اکرامِ ملائکہ کے برزخ میں آپ کے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشاغل ثابت ہیں:- ۱۔ اعمالِ امت کا ملاحظہ فرمانا۔ ۲۔ نماز پڑھنا۔ ۳۔ غذا مناسب، اس عالم کے نوش فرمانا۔ ۴۔ سلام کا سنتنا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ ۵۔ سلام کا جواب دینا۔ یہ تو دائمًا ثابت ہیں، اور ایسا نا بعض خواص امت سے یقولہ میں آپ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالتِ رُتویا اور کشف میں تو ایسے واقعات، حُرو و احصار سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تنہا کادوسرہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں روح کو پھر نھ صُاروحِ مبارک کو بہت

وسعت ہوتی ہے۔ مگر اس وسعت سے امور غیر ثابتہ بالمدلیل الصحیح یعنی منقطعیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت بالمدام ماننا جائز نہ ہوگا، خوب سمجھ لیا جائے۔

خلاصہً مبحثِ یہی ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن پاک کے خلاف نہیں۔ اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا نماز پڑھنا اور پھر آٹھ حضرت کا ان کی امامت کرنا یہ بھی احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔
واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے براہِ راست نہیں سنی۔ اس لیے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال..... الحدیث کے الفاظ ملتے ہیں۔ پس حیت تک اس صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنی تھی، اس وقت تک اسے حجت نہیں سمجھا جاسکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں۔ پس جو سند اس عالی سند سے ٹکرائے گی، ناقابلِ اعتماد ہوگی۔ ثانیاً امام نسائی جنہوں نے دونوں طریق اسناد پیش کئے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں جس میں حضرت انسؓ براہِ راست حضور اکرمؐ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

قال ابو عبد الرحمن النسائی هذا أولى بالصواب عندنا۔

مثلاً اگر ان دونوں تحقیقوں کو نظر انداز کر دیں، تو غایت مافی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث

مرسلات صحابہ میں شمار ہوا اور ظاہر ہے کہ مرسلات صحابہ بالاتفاق موصولات کے حکم میں ہیں۔ اعدان
لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں، جو مرسل کے قبول کرنے میں کلام کرتے ہیں۔ الغنیہ عراقی میں ہے:-
اما الذی ارسله الصحابی فحکھ الوصول علی الصواب
الغنیہ سیرطی میں ہے:-

ومرسل الصحاب وصل فی الاصح

تحریر میں ہے:-

فلا یضر اذا لیرسل الا عن صحابیؓ

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:-

امام واسیل الصعابة فحکما حکم الموصول علی المشهور الذی ذهب
الیہ الجمهورؒ

خلاصہ سب دلائل کا یہی ہے کہ:-

صحابہ کرامؓ کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روایت کرنے والے صحابیؓ نے خود حضورؐ
سے نہ سنی ہوں۔ بلکہ کسی اور صحابیؓ سے سنا ہو کہ حضورؐ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دوسرے
صحابیؓ کی نشاندہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہ راست حضورؐ سے ہی روایت کر رہے
ہوں، تو) ان کا حکم یہی ہے کہ انہیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔

المبحث السادس

وادئی ازرق، اور لیلة الاسراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں مثالی ہی ہوں، تو
بھی مقصد کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سابقہ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجماع ہرئہ واقعی

حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کئے جاتے ہیں۔

حضورؐ نے جب فرمادیا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپؐ نے انہیں دیکھا ہے، اس کا ادراک و شعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقین کامل ہے کہ آپؐ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپؐ نے واقعی انہیں دیکھا تھا اور وہ واقعہ وہی حضرات تھے، جن کا آپؐ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیائے کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لیے بھی کبھی یہ پردے اٹھائے گئے، اس نے ان نفوس قدسیہ کو اس دنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں اشخاص مرئیہ صرف مثالی وجود تھے یا ان کی ارواح قلوب بالبدن المدفون کے باوجود یہاں متمثل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ ہر شے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً متعسر نہ ہوں۔ صرف عن الظاہر کے لیے اصل شرعی مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہیے جس پائے کا آپؐ کا یہ دعوئے شریفیہ ہے کہ میں نے ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا۔ اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعوئے کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے۔

اس موقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہل علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں ان کی تردید میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسام مدفون سے متعلق سماع و عدم سماع یا شعور و عدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعوئے سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلب و صواع، حقائق کو برعکس بیان

کرنے، موجود کو غیر موجود کہتے سے کام لیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام مدفونہ سے متعلق سماع یا عدم سماع اور شعور یا عدم شعور کے مباحث تو حضرات اہل سنت میں کہیں نہیں ملتے اور اس کے برعکس ان اجسام مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلف صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں:-

واستشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان اجسادهم مستقرة في
قبورهم بالارض واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او
احضرت اجسادهم لملاقات النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشریفاً
وتكريماً ويؤيده حديث عبد الرحمن بن هاشم عن انس ففیه وبعث
له ادم ومن دونه من الانبياء.

ترجمہ: یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد کریمہ تو اپنی اپنی قبروں میں
استقرار پذیر ہیں، پھر حضور کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھنا یہ کیسے ہو
سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات متجسد کر دی
گئی تھیں۔ یا ان کے اجساد کریمہ ہی (ان کی قبروں سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی تشریف و تکویم کے لیے لا حاضر کر دیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی
تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح
دے رہے ہیں۔ خاتمہ الحفظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ موقف منقول ہے جیت در حیرت
ہے کہ جو مباحث موجود ہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہوا اور جن کا حضرات اہل سنت میں نام و
نشان بھی نہیں ملتا، ان کے اہر واقع ہونے کا دعوے کر دیا جائے۔

خرد کا نام حسنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کے

بعض دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے :-

حضرت نے جن انبیائے کرام کے متعلق فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، حضور نے انہیں واقعی

نہ دیکھا تھا، بلکہ یا :-

① ان انبیاء کی ارواح قدسیہ صورت جسم میں متمثل ہو رہی تھیں یا

② ان انبیائے کرام کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالم مثال میں قائم تھے اور یا

③ انہیں اس عالم سے انتقال فرمانے کے بعد کوئی اور جسم ملا ہوا ہے اور انبیائے کرام کی یہ

حاضریاں انہی جسم کے ساتھ تھیں۔

ہمیں ان احتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں۔ امر واقع خداد کوئی صورت ہو، اس عقیدے

کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ عنصریہ اپنی قبورِ شریفہ میں بالکل بے حس و
بے شعور ہیں۔

اگر یہ نفوس قدسیہ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسمِ عنصری سے چلتے

پھرتے دکھائی دیں اور یہ رفت و آمد فوق الاسباب بغیر اشتقاقِ قبور کے ہو اور اس اعتبار سے روحانی

ہو کہ زمان و مکان کی وسعتیں، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبر سے جدائی

بھی کسی خاص محسوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ :-

رب العزت کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا اور پھر روحانی اور جسمانی اعتبارات کو مختلف

جہات سے اس عالمِ بوزخ میں جمع کر دینا کیا ممکن ہے ؟ یا ان جزئیات میں سے کوئی جزئیہ

کتاب و سنت کی کسی تصریح سے مستفاد ہو رہا ہے ؟ یا یہاں کوئی سپہو ایسا بھی اختیار کیا گیا، جس کی

نظیر پہلے کے کسی واقعہ میں نہ ہو ؟

جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

پیش نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے۔ بلکہ بات یہ چلی کہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ آنحضرتؐ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لیے یا امتناع توڑنے کے لیے صرف صورت ممکنہ کافی ہوتی ہے صورت واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسام مرتبہ اصل اجسام عنصریہ نہ ہوں۔ بلکہ عالم مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روضات میں فائز الحیات نہ ہوں، اس لیے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تضاد نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔ ہاں اگر یہ شکل عالم مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل ارواح قدسیہ ہی تمثیل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ میں ان ارواح طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواح قدسیہ اجسام عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پرتو یہاں بھی صورت جسمیہ میں مشتمل ہو رہا ہو۔ یا وہ ارواح اصلیہ ان مقامات پر مشتمل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسام قبریہ پر بھی پرتو پڑ رہا ہو جس سے وہ صفت حیات سے محض ہوں۔ اگر روح پاک رفیقِ اعلیٰ یا خلیفہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبور شریفہ میں رکھے، اجسام پر پرتو حیات ڈال سکتی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم کی رائے ہے، تو ارواح مثلاً یہاں قریب کے مقامات سے اجسام قبریہ پر تاثیر کیوں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوال برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے جن حضرت کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواح قدسیہ ہی تمثیل بصورت جسمیہ ہو رہی تھیں۔ آخر وہ

بھی توفیقِ اعلیٰ یا خیرہ قدسیہ ہی کو روح کا محل استقرار قرار دیتے ہیں جو جواب ان کا ان احوال میں ارواحِ قدسیہ کے عینیت سے جدا ہونے کا ہوگا۔ وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے۔ ہوا و ارج قدسیہ کو قبر کے اجسام عنصریہ سے متعلق مان کر پھر ان مشابہات میں تمثیل ارواح کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ صورت واقعہ کیا تھی اور کیا نہیں اور نہ اس وقت یہ ہمارا موضوع ہے مقصد صرف یہ ہے کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی بھی جانب اختیار کر لی جائے۔ یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ انبیائے کرام کے اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں ہرگز بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ وہ فائز الحیات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے روضہ شریف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی خبر دنیا ان اختلافات سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حدیث صلوٰۃ موسیٰ پر حاشیہ سنن نسائی میں ”زہر المرئی“ سے منقول ہے۔

قال الشيخ بدرالدين هذا صريح في اثبات الحيوة لموسى عليه السلام في قبره فانه وصفه بالصلوة وانه قائم ومثل ذلك لا يوصف به الروح وانما يوصف به الجسد وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا فانه لو كان من اوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه بالقبر وقال الشيخ تقي الدين سبكي في هذا الحديث ”الصلوة تستدعي جسداً حياً“ ولا يلزم من كونها حيوة حقيقية ان تكون الابدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب وغير ذلك من صفات الاجسام التي نشاهدناها بل يكون لها حكم اخر به

ترجمہ: شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر صریح دلیل ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور نظر ہر ہے کہ اس سے صریح روح موصوف نہیں ہوتی۔ نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا

کام ہے، صرف روح کا نہیں۔ نیز اس عمل کے قبر سے متعلق ہونے میں بھی ”حیات فی القبر“ پر دلیل ہے یعنی یہ عمل جبہ عنصری کا ہے، کیونکہ قبر میں تو جبہ عنصری ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اور جبہ مثالی پیش نظر ہوتا، تو پھر اس عمل صلوٰۃ کے مخصوص بالقبر ہونے کی حالت نہ تھی، پس اگر یہ عمل صلوٰۃ (یا تجتہ لعمل الصلوٰۃ) روح کی صفت ہوتی، تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تفتی الدین اسبکیؒ بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ ”نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے“ پیش نظر رہے کہ حیات حقیقی کے ثبوت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ جیسا کہ ہم صفات اجسام کو ہر روز دیکھتے ہیں، بلکہ اس جہان کے احکام اس سے مختلف ہیں (یعنی حیات جسمانی کے ساتھ وہاں رزق مادی نہیں، بلکہ معنی ہے۔ حیات دنیاوی صرف تعلق بالبدن الدنیوی کی بنا پر ہے۔ تعلق بالرزق کی بنا پر وہ حیات روحانی ہے اور تعلق بالنظر برزخی ہے)۔“

عالم برزخ کی حقیقتیں اس جہان والوں سے مخفی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پرانہیں منکشف فرمانا چاہتے ہیں تو پہلے اس میں برزخی مشاہدات کی صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں۔ پھر جب ان مخفی حقائق سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو وہ نفوس قدسیہ دیکھ لیتے ہیں کہ کس کس کی حیات برزخی مضحک ہے اور کس کی روح و جسم فائز الحیات ہیں۔ اس عالم میں رہتے ہوئے اس عالم کی تھلکیں دیکھ پانا نقول صحیحہ کے پیش نظر ہرگز محال نہیں کشف القبور سے تو بار بار غیر انبیاء بھی منتصف ہوتے رہے ہیں اور ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بار بار مختلف قبروں کو دیکھا اور ان کے احوال مختلف لوگوں کے سامنے بیان فرمائے یہ اطلاع وحی کے بجائے کشف پر مبنی ہوتی تھی۔

چہ گویم شرح اس حالت کہ در گفتن نمی آید

ایسے انکشافات صریح لیلۃ المعراج ہی سے خاص نہ تھے۔ آپؐ نے بار بار اس عالم میں ہوتے ہوئے اس عالم برزخ میں انبیاءؑ کے گذشتہ کو دیکھا۔ ان کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال —

جیسے وادی سے گزرتے یا گھاٹی سے اترتے بتیک بتیک کہنا، نمازیں پڑھنا اور تہیۃ و سلام کہنا، یہ سب امور معراج کے علاوہ اور بہت سے انکشافات کا پتہ دے رہے ہیں۔ اور اس دنیا سے ایک تعلق اور رابطہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے پورے غد و خال کیا ہیں، اس پر ایک پردہ ہے جو نہ ٹہتا ہے، نہ پھٹتا ہے، اور یہی بزرگیت ہے۔ ہاں کبھی کبھار جو دیکھا یا سنا جاتا ہے یہ محض اس عالم کی کچھ تھبکیاں ہیں یا بعض نفوس قدسیہ کے مشاہدات اور انکشافات!

انبیائے کرام کے ایسے مشاہدات میں بعض ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن سے تمثیل ارواح یا ابدان مثالیہ کی بہت گنجائش ملتی ہے جیسے کافی انظر وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو ان انکشافات سے اٹھا کر ان حقائق پر منطبق کرنا جہاں حقیقت مراد لینے سے نہ عقل سلیم سے تصادم ہوتا ہے اور کسی نقل صحیح کی نفی لازم آتی ہے، کس قدر زیادتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب و علمہ اتم و احکم فی کل باب۔

صویر اسرافیل بھی ان کو جگا سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
مرکے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

الفصل الرابع

وفيه ستة من المباحث

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون^۱

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حیات انبیاء کی قبر شریفہ سے صریح نسبت کے بعد اس وسوسے کے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انبیائے کرام صرف رفیقِ اعلیٰ اور علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیات شریفہ کو اجسامِ قبریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وقد مر تفصیلاً من حاشیة سنن النسائی.

آنحضرت کا یہ ارشاد محدثین کرام نے مختلف طرق سے نقل فرمایا ہے۔ ان میں سچے راوی متعدد ہیں اور مختلف ہیں لیکن ان سب کا اشتراک اوپر کے اتنے سلسلہ اسناد پر قائم ہوتا ہے۔

المستلم بن سعید عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

پس تمام محققین کا نقطہ نظر انہی راویوں کی توثیق ہے، یعنی یہ روایات حدیث قابلِ اعتماد ہیں تو حدیث ثابت ہے۔ ان کے بعد کے سچے راویوں میں اگر کوئی اختلاف ہو بھی، تو مقصود توثیق قطعاً متنازع نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ طرق مختلف اور متعدد ہیں۔

۱۔ مسند ابی یعلیٰ (جامع صغیر ص ۱۳ مصر) حیات الانبیاء للإمام البیہقی ص ۳ مصر ابن تبار (جمع الفوائد جلد ۲ ص ۲۱۱ میٹر ٹھ) ابن عدی (شفاء السقام ص ۳۴) مسند ابی یعلیٰ جلد ۳ ص ۳۶۹ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱

حافظ ابو یعلیٰؒ کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حدثنا ابو الجهم الزرق بن علی حدثنا یحییٰ بن ابی بکر حدثنا المستم بن سعید

عن الحجاج عن ثابت عن أنس قال قال رسول الله ﷺ الحديث

یہ سلسلہ اسناد امام بیہقی کو اس طریق سے پہنچتا ہے۔

اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا

ابو یعلیٰ الموصلی حدثنا ابو الجهم الزرق۔

حافظ ابو یعلیٰ کے سلسلہ اسناد میں سب راوی معروف، قابل اعتماد اور متصل ہیں۔ اب حافظ

بیہقی کی سند ابو یعلیٰ تک جن دو راویوں سے پہنچتی ہے اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی نہ تک

یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج تھی اور حافظ ابو یعلیٰ کا اسے سند

صحیح سے لے آنا اس کی حجیت کے لیے کافی تھا۔ کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی کے اس کہنے پر کہ

”اخبرنا الثقة من اهل العلم“ اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

حالانکہ اس سند میں امام بیہقی کے شیخ روایت بھی حکماً مجہول نہیں۔ کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی

امام حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقیؒ اسے اسی سند میں ثقہ قرار دے رہے ہیں۔

راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لیے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور

اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے بلکہ امام حدیث حافظ بیہقی اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان

کر رہے ہیں۔

خیر، اسے بھی جانے بھی دیجئے۔ حافظ ابو یعلیٰؒ کے سلسلہ اسناد کو لیجئے، سچے روایات میں اگر

کوئی اختلاف بھی ہو، تو بھی اوپر کے روایات کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی اور یہاں اوپر کے سب ثقہ ہیں

ملے پیش رہے کہ توثیق رجال میں حافظ بیہقی کا مسلک دارقطنی اور ابن حبان والا نہیں کہ فقط راویوں کی روایت اس

کے لیے کافی ہو۔ بلکہ امام بیہقی اس باب میں جمہور محدثین کے ساتھ ہیں۔ پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں رکھتی۔ بالخصوص

جب کہ اس روایت سے انہیں کسی خاص فقہی موقف کی کوئی تائید مقصود نہ ہو۔

المبحث الاول في معنى الحديث

اس حدیث میں انبیاء کے لیے وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو شہداء کے لیے قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ہمارے تلامذہ دوست بے فائدہ اس حدیث کی تضعیف میں لگے ہوئے ہیں اور جو سند ابن عدی یا ابن بزار کی ہے، اس پر جرح کہہ کے اس حدیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ عنوان ہے جو خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ پس جو تاویل اور توجیہ تم قرآن پاک میں کرتے ہو، کیا وہی تاویل اس حدیث میں نہ ہو سکے گی۔ کیوں خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہو۔ اور تمام علماء حق سے فکر لے رہے ہو۔

یہ فرق کہ قرآن کریم میں فی قبوہم نہیں اور حدیث میں فی قبوہم کے الفاظ ہیں تو اس کی فکر وہ کسے جسے قبر کا معنی بدلنا نہ آتا ہو اور جسے پتہ ہو مجاز کا دروازہ کھلا ہے تو کون اس میں گھسنے کی راہ نہیں جانتا۔ پھر ان الفاظ کے انکار کے درپے ہونا اس میں معلوم نہیں انہیں کون سی ذہنی راحت ملتی ہے۔

باقی یہ فرق کہ قرآن کریم میں یدقون کی تصریح ہے اور حدیث میں یصلون کے الفاظ ہیں تو اس جہت سے بھی تضعیف حدیث کی کوشش کوئی خاص فائدہ مند دکھائی نہیں دیتی یصلون کی نسبت یدقون کا پیرایہ دنیوی زندگی کے اور زیادہ قریب ہے معلوم نہیں یہ لوگ اس حدیث کی تضعیف کے کیوں درپے ہیں۔

اس حدیث میں حیاتِ انبیاء کو یصلون سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے۔ سو نماز حید چاہتی ہے معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں۔ ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قوی قرینہ ان کا نمازیں پڑھنا ہے معلوم ہوا وہ باہر معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال طاعت جاری ہیں اور یہ افتاد ان سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبياء احياء (نبی زندہ ہیں) میں الانبياء (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجئے کہ یہاں روح

اور جہد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس انسانی ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

یرید بقولہ الانبیاء احياء مجموع الاشخاص لا الواح فقط^۱

ترجمہ: الانبیاء کے لفظ سے جہد اور روح کا مجموعہ اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں۔
اور دوسرے جزء احياء کے بارے میں لکھتے ہیں:-

اداد بالحیوة فعل الاعمال واكثر من فی القبور فی العطلة بخلاف المقربين^۲

ترجمہ: حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدوں جہد تقوم نہیں پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان کے اعمال قائم ہیں)۔

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ زندگی پر دے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں۔ یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہان کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ بائیں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی بزرخی ہے پر دے میں ہے۔ اور جس طرح ہم یومنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر پر بھی ہم یومنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبت فی القبور كالاذان والاقامة عند

الدارمی وقرأة القرآن عند الرمذی^۳

ترجمہ: قبروں میں (اعادیت کی رُوسے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبر میں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہیں۔ انبیاء عالم بزرخ میں حج تک کرتے ہیں اور

دیکھنے والا انہیں کہیں چلتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں استراحت فرما رہے ہیں۔

عافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

ان الانبياء افضل من الشهداء والشهداء احياء عند ربهم فكذلك الانبياء
فلا يبعد ان يصلوا ويحسبوا ويتقربوا الى الله بما استطاعوا ما دامت
الدنيا وهي دار تكليف باقية^۱۔

ترجمہ: انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ سو
انبیاء کرام بھی اس طرح زندہ ہیں۔ یہ کوئی امر عجیب نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں
اور حج بھی کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قریب میں اور ٹہرتے
رہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تبلیہ
پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی واردات ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں
دیکھ نہ پائیں۔

اما موسیٰ کافی انظر اليه اذا المنخد في الوادي يلتقي^۲۔

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں آتے دیکھ رہا
ہوں وہ تبلیہ پڑھ رہے ہیں (لبیک پکار رہے ہیں)۔

عالم برزخ میں قبر کی زندگی میں اعمال طاعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں اذکار
و ادعیہ کا صدور یہ ہرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سہروردیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:-

هو في البرزخ ودعائه لربه في هذه الحالة غير ممتنع^۳۔

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عالم برزخ میں ہیں اور آپ کا اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیات طبعی کا بیان نہیں۔ جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لیے ثابت کی جا رہی ہے، وہ اس حیات طبعی پر ایک امیرزادہ ہے اس کے لیے اس حقیقت کو پیش نظر رکھئے۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیات طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، اس کا تعطل نہ ہو۔

اول الذکر حیات طبعی تو ہے، لیکن حقیقت یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن عزیز ان لوگوں کو، جن کی حیات طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامن حیات مقصد حیات سے بالکل خالی تھا۔ قلوب ان کے مُردہ تھے اور دل کے کانوں سے بہرے تھے، صریح الفاظ میں مُردے قرار دیتا ہے۔

اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمَعُ الصَّغَرَ الدَّعَاۗءَ (پٹ نمل، پٹ: روم)

ترجمہ: بے شک آپ ان مُردوں کو نہیں سُن سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں ”مُردے“ فرمایا، بلکہ ان کے لیے مُردوں کے لوازمات بھی ذکر

کر دیئے۔

وما انت بحسمع من فی القبور۔ (پ ۲۲، فاطر آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور آپ ان کو سنا نہیں سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مُردہ — بطاہر حیات تھی، لیکن حقیقت موت: طاہر اسنتے تھے مگر حقیقت نہیں۔

کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل جو زندہ رہ کے مقام حیات پانہ کے
قرآن عزیزہ احکام طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے۔ اس کی نظر
میں اندھا پن طاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا
نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

لا تعی الابصار ولكن تعی القلوب التي فی الصدور۔ (پ ۱، حج آیت ۴۶)

ترجمہ۔ یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہوتے ہیں جو سینوں
میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا :-

من کان فی هذه اعی فہو فی الآخرة اعمی۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل آیت ۷۲)

ترجمہ۔ جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، سو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ روح جسم کا تعلق یا روح کا بدن میں ہونا ایک حیات طبعی
ہے۔ جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصد حیات اور راز تخلیق کائنات میں اسے
حقیقی حیات نہیں کہا جاسکتا۔ ارباب خبرت اس طبعی زندگی کی اول الذکر کیفیت کو موت ہی قرار
دیتے ہیں اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور ان کے احکام پیش نظر رہنے چاہئیں۔

① — روح اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامہ الناس اور ارباب خبرت دونوں موت
قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنی میں نہیں۔

② — روح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامنِ حیات مقصدِ حیات سے خالی ہو، اسے عوامِ حیات اور اربابِ خبرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

③ — روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصدِ حیات سے خالی نہ ہو، اربابِ خبرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون (انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں) تو آپ کا منشاء صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیاتِ انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبورِ شریفہ یا ریاضِ متوحدہ میں ایسی زندگی حاصل ہے جس میں محض روح و بدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ اس لیے کہ قرآن عزیز تعطل عن الافعال کی حیاتِ طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشاء اسی قسم کی حیاتِ طبعی نہیں بلکہ ایسی حقیقی حیات ہے جس میں محض روح و بدن ہی کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی اربابِ دانش حقیقتِ حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہی ارشاد فرماتے کہ «الانبیاء احياء فی قبورہم» تو یوں متبادر ہو سکتا تھا کہ روحانہ شریفہ میں انبیاء صرف روح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیات جسمانی فقط اس تعلق کا نام ہے۔ لیکن حضور نے نظریں صولت ارشاد فرما کر احياء کی کیفیت حیات پر بھی متنبہ کر دیا یعنی انبیاء جسدِ عنصری سے اس طرح فائز الحیات ہیں کہ زندوں جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور اعمالِ طیبات میں مشغول ہیں۔ نہ دنیا میں اُن کے اشغال طیبہ میں تعطل ہوا، نہ قبورِ شریفہ میں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انبیائے کرام کی اس حیاتِ قبریہ کے دو جزو ہیں :-

① وہاں کی حیات محض روحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم و روح کے مجموعہ کی ہے۔

② یہ حیات صرف حیات طبعی کی مدد تک نہیں، بلکہ ان اشخاص کریمہ کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال بھی موجود ہے۔

رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جہوں کو خوب بیان فرمایا ہے جزو اول کے متعلق لکھتے ہیں:-

یرید بقوله «الانبياء احياء» مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔
ترجمہ: آنحضرت کی مراد اس حدیث سے کہ «انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں» یہی ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔
اور دوسرے جزو کے متعلق لکھتے ہیں:-

اراد بالحیوة قیل الاعمال واكثر من فی القبور فی العطلة بخلاف المقربین ومعانی الحیات فی النہایة وان المیت لا فعل له فی خلق افعال العباد والاحادیث ارادت افعال الحیوة واعمالها لا بقاء الروح وهو قوله فنبی اللہ حی میں سراق و احياء فی قبورهم یصلون تشرد فی ذکر الحیوة افعالها لا اصلها او اراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت علی الارض۔
خلاصہ: آنحضرت کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور کثرت لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطل ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمال حیات کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی حضور کا یہ ارشاد فنبی اللہ حی یرزق۔ واللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے، اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں یہ سب اصل حیات کے بیان میں

نہیں، بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمالِ حیات کے ثابت ہونے کے لیے ارشاد فرمائے گئے تھے یا تو یہ کہہ لیجئے کہ اس زندگی سے مراد حیاتِ جسمی کا بیان ہے۔ کیونکہ انبیاء کے اجسادِ کریمہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں اور وہ اعمالِ انہی اجسادِ کریمہ کے ساتھ وجود میں آرہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اس دوسرے جزو کو ”دروسِ بخاری“ میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا ہے۔ چونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں، اس لیے عبارت سے ابتدائی سطح میں مغالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جزو محققینِ سلف کے نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم و فہم پر حیرت ہوتی ہے۔ جو اس جزوِ اول کے عدمِ ذکر کو ذکرِ عدم بنا کر دوسرے جزو کا مفہوم و مطلب بھی اپنی تدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا و من متحریف المبطلین۔

① مولانا السید نور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

المراء بحديث الانبياء احياء في قبورهم يصلون انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم

ترجمہ۔ اس حدیثِ حیاتِ انبیاء کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام رُبدن میں روح لوٹ آنے کی، اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جدا نہیں کی گئی۔

② قاضی شوکانیؒ شرح حصین میں فرماتے ہیں:-

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپؐ کی روح اقدس آپؐ کے جسدِ اطہر

لنسخة الاسلام ص ۳۱ ۱ تحفة الذاکرین للشوکانی ص ۲۵ مصر

سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البيان المسد من حضرت المجدد

③ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق و سباق میں نقل فرمایا ہے :-

برزخ صغرے چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است، گنجائش ترقی دارد و احوال
ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی القبر شنیدہ
باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ و علی آکہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں قبر حضرت
کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نمازی گزارد۔
اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیات برزخی کسی ایک جہت سے
حیات دنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخ صغرے میں بھی ترقی مقامات
کی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جو تابع عرض ہے کہ اس سے مراد ”قرب الہی“
میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقاء کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور اس ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے
حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اصول و ضوابط پیش نظر رہیں۔

حضرت کے نزدیک ”عالم خلق“ ”عالم امر“ سے افضل ہے اور وہ ”قرب عالم خلق“ کو ”قرب
اصلی“ اور ”قرب عالم امر“ کو ”قرب ظلی“ قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقاء کا انداز یہی ہے کہ یا ”قرب ظلی“ سے ہی

”قربِ اصلی“ میں انتقال ہو اور یا ”قربِ اصلی“ ہی میں قوت و زیادت ہو تی چلی آئے۔
 اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات
 ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے، اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش
 نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں مستحق پذیر ہو گا۔ اس قرب سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہے جو کسی اور حالت
 میں حاصل ہو گا۔ پس نماز کے ساتھ ”قربِ الہی“ میں بڑھتے چلے جانا ”قربِ اصلی“ پر فائز المرام ہونا
 ہے اسی لیے فرمایا۔

الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔

ترجمہ۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔
 پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں تلذذِ اعمل میں لارہے ہیں قرب
 الہی میں سامانِ ارتقاء ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؑ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلمہ ہے
 کہ قرب کے باب میں عالمِ خلق عالمِ امر سے افضل ہے، تو اس بنیاد یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام
 کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قربِ الہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل
 ضرور علمِ خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ حضرت مجدد و قربِ عالمِ خلق ہی کہ قربِ اصلی قرار دیتے ہیں
 اور ظاہر ہے کہ ان کے عملِ صلوٰۃ کا عالمِ خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے
 اجسادِ کریمہ کے ساتھ فائزِ الحیات ہوں اور یہ اداۓ نماز انہی اجسامِ عنفریہ سے عمل میں آ رہا ہو۔ اگر
 یہ عمل صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالمِ امر سے متعلق ہو گا اور واضح ہے کہ حضرت مجددؑ کے
 کلام میں اسے قربِ اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؑ کے نزدیک اس حیاتِ انبیاء کا مفہوم مطلب
 یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجسادِ عنفریہ سے فائزِ الحیات ہیں۔

④ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ ”الصلوة تستدعی جذا حیا۔“ (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ۔ نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہو سکتا ہے۔

⑤ حضرت علامہ شرابیؒ فرماتے ہیں۔

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامہ
ترجمہ: صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں
اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

⑥ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں آپ استمرار حیات سے زندہ ہیں۔
ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبا موت بل یستمر حیا و
الانبیاء احياء فی قبورہم۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی
پر موت کبھی نہ آئے گی۔ آپ ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرام اپنی قبروں
میں زندہ ہی ہوتے ہیں۔

نماز کسی ایک وقت کی نہیں ہر روز پانچ وقت ہوتی ہے سکن فی القبر (قبر کا سوال و جواب) ایک ہی
دفعہ ہوتا ہے لیکن نماز روزانہ کا ایک عمل ہے نماز نہ بدول خبر عمل میں آسکتی ہے نہ بدول جگہ۔ دنیا والوں
کے لیے اس کی جگہ مسجد ہے اور بزرگ کے لیے قبر وہ وہیں پڑے کی زندگی میں محو نیاز ہیں انبیاء علیہم
السلام کی ارواح قدسیہ یہاں اٹلی ہیں یہاں یا اسی کے لیے نماز کے لیے انہیں ایک بدن اور جگہ کی ضرورت ہوتی ہے
حدیث الانبیاء احياء میں کوئی حیات ملام ہے؛ یہاں ان کے نماز پڑھنے کا بیان ہے تو لازمی طور
پر اجازت سے مراد روح اور جس کی زندگی ہے اس کے لیے جگہ انبیاء کرام کی اپنی اپنی قبر شریفہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا علامہ بدر الدین لکھتے ہیں۔
هذا صریح فی اثبات الحیۃ لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوۃ وانہ قائم
ومثل هذا لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالتبر
دلیل علی هذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتاج لتخصیصہ بالقبر۔

ابوعلیٰ کے سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور سب میں اقبال موجود ہے۔ محدث کبیر حافظ ہاشمیؒ فرماتے ہیں:-

رجال ابی یعلی ثقات۔

سوا سبہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے جو اوپر کے ہیں اور جن پر حدیث کا دارومدار ہے۔

المبحث الثانی — فی احوال الرواة لابن یعلیٰ

① — ابوالکھیم الانزرق

بن علی الخنقی ابوالجهم صدوق یغرب من الحادیة عشرة۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

صدق اور سچے راوی حدیث ہیں۔

② — یحییٰ بن ابی بکیر

واسمه نسر الکرماتی کوفی الاصل نزل بغداد :

ثقة من التاسعة مات سنة ۱۹۸ ھ۔

ثقہ راوی حدیث ہیں۔ رجال صحیح میں سے ہیں۔

③ — مسلم بن سعید

امام احمد اور ابن حبان انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صدوق۔

یعنی ثقہ اور سچے راوی حدیث ہیں۔

④ — حجاج بن الاسود الاسود

یہ ابن ابی زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بہانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور کئی دوسرے بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اس سے جویر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادة اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں امام احمد لویحی بن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

جمع الزوائد ۱۰ تقریب ۵۴۵ ھ فتح الباری ۱۲۸ ھ تقریب ۲۸۵

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب روایات اعلیٰ درجے کے قابل اعتماد اور ثقہ روایات حدیث ہیں اور حدیث بالکل حدیث ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علماء کا کام وجہ جرح کو تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جو جرح مبتن السبب نہ ہو اور اس کے مقابل ائمہ فن کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر نکتہ ہونے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو خبر منکر کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا کون سی شانِ دیانت اور حق طلبی ہے؟ ہاں عوام کی آنکھوں میں خاک بھونکتے کے لیے کہ دیکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے یہ ایک بہانہ ضرور ہے۔ آئیے اب اس پر کچھ غور بھی کر لیں۔

حجاج بن الاسود

ذہبی (۴۴۸ھ) کہتے ہیں ”ماروی عنہ فیما علم سوی مستلم بن سعید“ کہ مستلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے، سوا سے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جاسکتا۔

یہی توثیق تو یاد رہے کہ امام یحییٰ بن معین اور امام احمد دونوں اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن الاسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن زید، ابی نضرہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سنی ہیں اور اس سے جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ، عیسیٰ بن یونس، مسلم بن حمید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح
الحديث وذكره ابن حبان في الثقات ١

ترجمہ۔ امام احمد نے فرمایا، حجاج ثقہ راوی ہے اور مرد صالح ہے۔ امام یحییٰ بن معین لکھتے
ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے اُسے
ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف الستارة عن وجه النكارة

حافظ ذہبی کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مترکب ہے یعنی ثابت بُنانی سے روایت کرتے
میں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔ پس ”منکر الروایة“ ہے۔ ذہبی لکھتا ہے۔
فانی بخبر منکر عنه عن انس في ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون
رواه البيهقي ٢

ترجمہ۔ حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو ”منکر“ ہے
کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔
یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بُنانی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں
مخالفت مل جائے، یعنی انہوں نے اسے اس طرح روایت کیا کہ حیاتِ انبیاء کا مضمون اس سے ٹکرا
رہا ہو اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی نہ بن سکے۔ لیکن افسوس کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی ہمیں
کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی۔ ومن ادعى فعلیه البيان۔

غایتِ تامل سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیشِ نظر حضرت موسیٰ
سلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

اس لیے کہ اس روایت کا سلسلہ اسناد بھی عن ثابت البنانی عن انس بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال — پر منہی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوٰۃ موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس عن النبیؐ۔

اور صلوٰۃ جمیع الانبیاء فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حجاج بن الاسود عن ثابت عن انس عن النبیؐ۔

حافظ ذہبیؒ کے اقراض سے ایسا متبادہ ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں اور اس لیے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکالت کامرکب قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

مالا لکھ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں پس نکالت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے ٹکرا رہا ہے۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ ذہبیؒ وجہ ہے کہ خاتمہ الخطوط حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبیؒ کی مذکورہ جمع بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد اور امام بخاری بن معین جیسے ائمہ جمع و تعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نفی فرما رہے ہوں۔ اس کی روایت کیسے نشانہ ضعف بن سکتی ہے۔ فتقروا یا اولی الابصار

اغرض حجاج اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نفی فرمائی ہے۔ حافظ ذہبیؒ کا منشاء اقراض یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، مالا لکھ ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں۔ رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

علامہ ذہبی کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبیؒ کے ذہن میں حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے مسلم بن سعید کے۔ اکوفی اور روایت کرنا نہ ہو۔ ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریر بن عازم، حجاج بن سلمہ، روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو خبر منکر کہا ہے جسے یہ طریقت اٹھائے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر متوفی ۷۳۲ھ لسان المیزان میں حافظہ ذہبیؒ کی پوری تردید کر دی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ بن معین اور ابن حبان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے اب نہ حجاج مجہول راوی رہا نہ اس کی روایت کسی قاعدہ حدیث سے منکر ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں شیخ علی بن سید بن بغدادی (۳۳۷ھ) علامہ محمود آلوسی (۱۲۸۰ھ) کے ساتھ ہیں انہوں نے العقد الثمین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے اس میں ہے۔

اخرج ابو يعلى والبيهقي وصححه عن ابن شاذان النخعي عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الانبياء احياء في قبورهم يصلون
 علامہ آلوسیؒ کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (۱۳۱۷ھ) نے عدم سماع موتی پر ایک کتاب الآيات
 البينات في عدم سماع الاموات على مذهب الحنفية السادات لکھی ہے اس میں آپ حیاة انبیاء
 کے بارے میں لکھتے ہیں۔۔۔ فام ثابث بالاحادیث الصحیحة۔

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احياء فی قبورہم يصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔
 علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ نے الاحادیث الصحیحة میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے علامہ البانیؒ نے
 الآيات البينات کی اس حدیث کی تخریج کی ہے اس میں آپ لکھتے ہیں۔

حقیقۃ فی الاحادیث الصحیحة (۳۳۸ھ) ویقین فیہ صحۃ الحدیث وہم من طعن فی
 احد رواۃ فراجعہ فانہ بحث مفید عزیز قلما تراه فی کتاب

ترجمہ میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور صحت مذکور کو دفع کیا ہے اور جس نے
 اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید

حدیث صلوٰۃ موئے فی القبر کو محدثین نے اس حدیث ”الانبياء احياء فی قبورهم یصلون“ کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے پس دونوں کو ایک حدیث کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں:-

وشاهد هذا الحديث ما ثبت في صحيح مسلم من رواية حماد بن سلمة
ترجمہ صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے۔ وہ اس حدیث (الانبياء
احياء فی قبورهم یصلون) کی شاہد ہے۔
هذا ما ظهر لي والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

المبحث الثالث

حضرت ثابت بنائی سے یہ حدیث حیات انبیاء صرف حجاج اسود روایت کر رہے ہیں
راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے تاہم
تائید مزید ملاحظہ کیجئے:-

حضرت ثابت بنائی یہ روایت کرتے تھے:-

اللهم ان كنت اعطيت احدا من خلقك ان يصلّي لك في قبره
فاعطني ذلك۔

ترجمہ۔ اے اللہ! اگر تُو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا
ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔
دوسری سند میں یوسف بن عطیہ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

سمعت ثابتاً يقول لحيد الطويل هل بلغك يا ابا عبيد ان احدا يصلّي في قبره
الا انبياء قال ”لا“ قال ثابت ”اللهم ان اذنت لاحد ان يصلّي في قبره“

فلان الثابت ان یصلی فی قبرہ ۛ

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنانیؓ کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا۔ تبھی تو وہ اپنے لیے بھی اس کی دعائیں کر رہے تھے۔ پھر ان کا ابو عبیدہؓ سے یہ کہنا کہ کیا تمہیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیائے کرام کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیائے کرام سے متعلق اس دعوے پر ابو عبیدہؓ کا حکم نہ کرنا اس حقیقتِ حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عبیدہؓ کو بھی یہ مضمون حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ورنہ غیر انبیاء کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب حجاج اسودؓ حضرت ثابتؓ سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابو عبیدہؓ عن ثابتؓ عن انسؓ کی تصریح نہیں، تاہم اس کا مجموعی مفاد اس روایت کی تائید ضرور کردہا ہے اور حضرت ثابتؓ کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جبرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانیؓ کو خود قبر میں اتارا تھا۔ عید طویل بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے اُن پر اینٹیں برابر کر دیں تو ایک اینٹ گر پڑی۔ ثابتؓ کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی سے کبھی برزخ کا پردہ اٹھا دیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

فلما سونا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فاذا رایتہ یصلی فی قبرہ فقلت لانتی

معی الا تری قال اسکت فلما سونا علیہ وفرغنا اتینا ابنۃ فقلنا لہا ما

کان عمل امیک ثابتؓ قال فی دعائہ اللہم ان کنت اعطیت احدا

من خلقک الصلوۃ فی القبر فاعطینہا ۛ

وقال ابن سعد فی الطبقات وابن ابی شیبۃ فی المصنف والامام احمد فی الزہد اخبرنا

ہفان بن مسلم قال حدثنا حماد بن سلمۃ عن ثابت البنانی ہکذا واللہ اعلم بالصواب۔

المبحث الرابع

کن کن اکابر محدثین اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نفس فرمائی ہے یا اسے قبول کیا ہے یا اسے استدلالاً ذکر کیا ہے۔

- | | |
|--|---|
| ① ابن بزار (۲۹۸ھ) | ② حافظ ابوعلی الموصلی (۲۰۷ھ) |
| ③ ابن عدی (۳۶۵ھ) | ④ حافظ ابو نعیم (۴۳۰ھ) |
| ⑤ حافظ بیہقی (۴۵۸ھ) | ⑥ حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) |
| ⑦ حافظ توربشتی (۶۶۲ھ) | ⑧ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) |
| ⑨ حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) | ⑩ حافظ تاج الدین سبکی (۷۷۴ھ) |
| ⑪ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) | ⑫ حافظ حصینی (۸۰۷ھ) |
| ⑬ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) | ⑭ حافظ بدر الدین البیہقی (۸۵۵ھ) |
| ⑮ علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) | ⑯ حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) |
| ⑰ علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) | ⑱ علامہ شعرائی (۹۷۳ھ) |
| ⑲ حافظ منذری (۱۰۰۳ھ) | ⑳ علامہ قاری (۱۰۱۴ھ) |
| ㉑ امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) | ㉒ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ) |
| ㉓ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۳ھ) | ㉔ علامہ احمد بن محمد النجاشی المصری (۱۰۶۹ھ) |
| ㉕ علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) | ㉖ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) |
| ㉗ قاضی شہار اللہ راپانی پتی (۱۲۲۵ھ) | ㉘ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) |
| ㉙ علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) | ㉚ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) |
| ㉛ علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) | ㉜ نواب قطب الدین شارجہ مشکوٰۃ (۱۲۷۹ھ) |
| ㉝ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) | ㉞ مولانا تذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) |

- (۲۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۲۶) مولانا خلیل احمد محدث سہیل پوری (۱۳۴۶ھ)
 (۲۷) حضرت امیر شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) (۲۸) حکیم الامت حضرت مولانا محتاقی (۱۳۶۳ھ)
 (۲۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) (۳۰) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

حدیث پر تواتر کا دعویٰ

حياة النبي في قبره وسائر الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام
 عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار
 ابن من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم

توالجات از بعض عبارات

① حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلیٰ الموصلی ابن عدی اسے اپنی اپنی سندوں سے لاتے ہیں
 ان میں حافظ ابو یعلیٰ کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی صدی میں یہ روایت اسی
 طرح چلی۔ پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی اور ابو یعلیٰ کی سند بھی روایت کیا
 ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

أخذنا الثقة من أهل العلم قال ابننا أبو عمرو بن حمدان قال أئبنا

أبو يعلى الموصلي حدثنا أبو الجهم الأزهري..... الحديث

امام بیہقی کا محض روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور
 عقائد کی بحث میں اسے استدلالاً لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور
 درجہ رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو متیسرے

۱۔ فتاویٰ حافظ جلال الدین سیوطی جلد ۲، مطبع مصر و نسخہ فی مرقاة السعود و نظم المتنشر من الحدیث المتواتر ص ۳

آسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے۔

واخرجه البزار ولكن وقع عنده الحجاج الصواف وهو وهم والصواب
الحجاج الاسود كما وقع التصريح في رواية البيهقي وصححه البيهقي
ترجمہ۔ اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس کے ہاں یہ حجاج صواف
کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے۔ صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی
کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے
صحیح بھی کہا ہے۔

② حافظ شہاب الدین فضل اللہ تورشتی (۷۶۲ھ)

حدیثی درست است کہ ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء الى ان
قال هم احياء في قبورهم يصلون واول هم پیغمبر مابہ خیزد۔
ترجمہ۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجساد زمین پر حرام
کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی) اور یہ بھی آپ نے فرمایا
ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں،
اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اٹھیں گے۔

③ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

علامہ بدرالدین بعلی الجنبلی نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اختصار کیا ہے۔ اس
میں ہے۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون۔

وقد کے الفاظ کپوذر کا سہو ہیں یا بطور سہو کہے گئے ہیں۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبروں میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے۔ کئی دوسری طاعات میں بھی کبھی اشتغال رکھتے ہیں۔ اس کی تشریح کچھ بھی ہو حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں مستم ہے اور صحیح ہے۔

④ علامہ تاج الدین السبکیؒ (۷۷۴ھ)

عن النبیؐ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء في قبورهم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حتی فالحی لا بد من ان یكون اما علما او جاهلا ویحوز ان یكون النبیؐ جاهلا۔

ترجمہ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا باشعور ہو گا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں:-

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام علی ما بیننا۔

ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ ہم (اہل سنت) کے عقیدہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بدن مبارک میں حس موجود ہے۔ علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو رامت کا صلوٰۃ و سلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

اور اس سے پہلے آپ یہ لکھ آئے ہیں۔

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم فإين الموت له
ترجمہ۔ اور ہم (الطہنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں (اس وقت اُن پر) موت کہاں؟

⑤ علامہ نور الدین، سیبشیؒ (۷۸۰۰ھ)

رجال ابی یعلی ثقات۔

ترجمہ۔ ابو یعلیٰ کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور سچے) ہیں۔

⑥ خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۸۵۲ھ)

اخرجه من طريق يحيى بن ابی بكير وهو من رجال الصحيح عن المستمل
بن سعيد وقد وثقه احمد وابن حبان عن الحاج الاسود وهو ابن ابی
زياد البصري وقد وثقه احمد وابن معين عن ثابت عن انس واخرجه
واخرجه ايضا ابو يعلى في مسنده من هذا الوجه واخرجه البزار لكن
وقع عنده عن الحاج الصواف وهو وهم والصواب الحاج الاسود كما وقع
التصريح في رواية البيهقي وصححه البيهقي۔

ترجمہ۔ یہ حدیث یحییٰ بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں
میں سے ہے۔ اس نے مسلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور
ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؒ سے لی ہے اور
انہوں نے اسے حضرت انسؒ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ نے بھی اپنی مسند میں

اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔ بزار کی تخریج میں وہم سے حجاج متوافق آگیا ہے۔ صحیح حجاج اسود ہی ہے جیسا کہ امام بیہقی نے تصریح کی ہے اور امام بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی "امام بیہقی" کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔

وفي البيهقي عن النسائي وصححه ووافقه الحافظ في المجلد السادس ان

الانبياء احياء في قبورهم يصلون له

الانبياء احياء في قبورهم له

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بیہقی کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحب بھی امام بیہقی کی اس تصحیح کو خاصا وزن دے رہے ہیں۔ تفکر

④ حافظ بدر الدین العینی (۵۸۵۵)

الانبياء — فانهم لا يموتون في قبورهم بل هم احياء وامّا
سائر الخلق فانهم يموتون في القبور ثم يحيون
يوم القيمة. ۛ

⑤ حافظ شمس الدین السخاوی (۵۹۰۲)

نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یرزق فی قبرہ وان جسدہ
الشریف لا تاكلہ الارض ۛ

ۛ فیض الباری جلد ۲ ص ۱۴۴ ممر ۛ فتح الباری جلد ۷ ص ۷۲ ۛ عینی جلد ۲ ص ۲۰۰
ۛ القول البلیغ ص ۱۲۵ طبع ہند

ترجمہ ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (وہاں کے مناسبت) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد اطہر پر زمین کا کوئی اثر وارد نہیں ہوتا۔

⑨ حافظ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ)

حیۃ النبی فی قبرہ و سائر الانبیاء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قلنا عندنا من الادله فی ذلك وقواترت به الاخبار

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر میں حیات اور (اسی طرح) تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علماً قطعاً درجے میں ہے ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تو اتر (قدر مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

ان من جملة ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیۃ الانبیاء فی قبورہم۔
ترجمہ جو روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

⑩ علامہ سہودیؒ (۹۱۱ھ)

لا شک فی حیۃ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته و کذا سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام احياء فی قبورہم حیۃ اکمل من حیۃ الشہداء الی اخبار اللہ بہا فی کتابہ العزیز

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفا میں کسی شک کو راہ نہیں

دی جاسکتی۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات
شہداء کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ
کامل ہے۔

⑪ علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۷۹۷ھ)

قد صحت الاحادیث انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره يصلّي
بإذان وإقامة ۛ

ترجمہ: یہ حدیثیں پوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں
زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

⑫ علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

الانبياء احياء في قبورهم. هذا حديث صحيح ۛ

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح درجے کی حدیث ہے۔

⑬ مجد دمانہ دہم تلامذ علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباریؒ (۱۰۱۴ھ)

صَحَّ خَبَرُ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءَ فِي قُبُورِهِمْ يَصَلُّونَ ۛ

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوٰۃ من صلى عليهم ۛ

ترجمہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو یہ بات عالم امکان میں ہے کہ آپ اس

شخص کا ملوۃ و سلام نہیں جو آپ پر درود و سلام پڑھے۔

ای یوصلون من امتی السلام اذا سلوا علی قلیلاً و کثیراً و هذا
مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقده المنور و مضجعه المظهر و فيه
اشارة الى حياته الدائمة و فرجه ببلوغ سلام امته الكاملة و ایماء
الى قبول السلام حيث قبلته الملائكة۔ ۱۷

ترجمہ۔ فرشتے میری امت کا سلام قلیل ہو یا کثیر مجھے پہنچاتے ہیں اور یہ اس کے لیے
ہے جو درود جو آپ کی قبر منور سے اور آپ کی آرامگاہ پاک ہے اس میں آپ کی حیات دینی
اور خوشی کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو آپ کی امت کے سلام ملنے سے حاصل ہوتی ہے
اور اس میں اس سلام کے قبول ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ فرشتوں نے اس سلام کو
آگے پہنچانے کے لیے قبول کر لیا ہوا ہے۔

وہ سلام کسی وجہ سے لائق رد ہوتا تو فرشتے اسے کبھی اٹھا کر نہ لے جاتے۔ فرشتوں کا اسے
لے لینا ہی اس بات کا نشان ہے کہ اب سلام قبول ہو چکا۔

وما افاده من ثبوت حياة الانبياء حياة بها يتعبدون ويصلون في
قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا امرية فيه۔
ترجمہ۔ یہ بات کہ انبیاء کرام کے لیے وہاں ایسی حیات ثابت ہے کہ اس سے
وہ اپنی قبروں میں شغل عبادت اور مصروف نماز ہیں اور فرشتوں کی طرح
یہاں کے مادی کھانے پینے سے مستغنی ہیں یہ ایسی بختہ بات ہے کہ اس میں شک نہیں۔
وقد ورد به الاحاديث والانباء وانهم احياء في قبورهم فانهم افضل
من الشهداء و احياء عند ربهم۔ ۱۸

ترجمہ۔ اور اس موضوع پر بہت سی احادیث و اخبار وارد ہیں اور بے شک

وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ کیونکہ وہ (بالیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے
ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

انہ علیہ السلام فی قبرہ حتیٰ وقال تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق
صوت النبی ﷺ

ترجمہ بے شک حضور علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
کہ تم اپنی گواہیوں کی آواز سے اُن کی آواز نہ کرو۔

وفیہ دلیل علی ان الانبیاء احياء حقیقۃ ﷺ

ترجمہ۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں۔
المعتقد المعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ کسائر الانبیاء
فی قبورہم وہم احياء عند ربہم وان لا رواحہم تعلقاً بالعالم
العلوی والسفلی ﷺ

ترجمہ۔ وہ عقیدہ جس پر اعتقاد کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس
طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ (انبیاء
کرام) اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم
علوی اور اس جہانِ ارضی دونوں سے ہے۔

①۴ مجتہد مائتہ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا شیخ سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

برزخ منغرے چوں از یک وجہ از موطن دُنیری است گنجائش ترقی دارد و احوال
ایں وطن نظر باشخاص متفادۃ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی
القبور شنیہ باشند۔

ترجمہ۔ یہ پہلا برزخ چونکہ ایک پہلو سے موطن دنیوی بھی ہے اس میں ترقی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس موطن دنیوی کے حالات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں آپ نے یہ حدیث توسنی ہوگی کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

①۵ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزیؒ (۱۰۵۰ھ) شارح جامع صغیر

لانه حتى دائمًا وروحه لا تفارقه لان الانبياء احياء في قبورهم^۱
ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ (آپ) دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

①۶ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)

ابو یعلیٰ بن بقل ثقات از روایت انس بن مالکؓ آورده قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون^۲
ترجمہ۔ ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

①۷ علامہ احمد بن محمد انخفاجیؒ (۱۰۶۹ھ) شارح ثغفار

وقد ثبت بالاحادیث الصحيحة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سائر الانبياء احياء
حياة حقيقية كالشهداء^۳

۱۔ السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۸۵ ۲۔ دارج النبوة جلد ۲ ص ۵۱۹ حمة الطابع ۱۲۷۱ھ بذب القلوب ص ۱۸۳ نسیم الیاض ص ۲۹۹

ترجمہ۔ اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لیے حاصل ہے، زندہ ہیں۔

①۸ علامہ محمد بن عبد الوہاب الزرقانیؒ (۱۱۲۲ھ) تشریح مواہب اللدنیہ

وحياة النبي في قبره هو وسائر الانبياء معلومه عندنا قطعيا لما قام عندنا من الادلة في ذلك وتواتر الاخبار به.

ترجمہ۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات (ان کی قبروں میں)، ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تواتر کے درجے کو پہنچی ہیں۔

①۹ علامہ یوسف الشافعیؒ (۱۱۰۳ھ)

وینحاطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان الانبياء احياء في قبورهم يصلون ويحجون كما ورد.

ترجمہ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایہا النبی سے خطاب کیا جائے، کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

②۰ مجدد ملت دوازدہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

تشریح المواہب جلد ۵ ص ۲۴۴ ۲ کتاب الانوار فی فقہ الامام الشافعی جلد ۲ ص ۴ طبع ۱۳۶۲ھ مصر

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔ جب آپ مدینہ منورہ میں روضۃ النور پر حاضری دیتے تھے۔

لما دخلت المدينة المنورة ووزرت الروضة المقدسة..... رأيت روحه صلى الله عليه وسلم ظاهرة بارزة لا في عالم الارواح فقط... ثم توجهت الى القبر الشامخ المقدسة مرة بعد اخرى.... وانه الذ اشار اليه بقوله ان الانبياء لا يموتون وانهم يملكون ويحجون في قبورهم وانهم احياء الى غير ذلك ولما سلم عليه قط الا وقد انبسط الحياء وانشرح له اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجئے۔

وہی المکفی عنہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الارذالہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام وقد شاهدت ذلك مالا احصى فی مجاورتی المدينة سنة الف ومائة واربعة واربعون۔ ترجمہ۔ اور یہ اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے۔ مجھ پر متوجہ کر دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس پر سلام لوٹاؤں اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روضۃ النور پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

(۲۱) محدث کبیر قاضی ثناء اللہ فانی فنی (۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المنطبری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي غلبا بلغته۔

۱۔ فیوض الحرمین ص ۲۸ مطبوعہ دیوبند ۲۔ حجتہ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۲۴۹ تفسیر منطبری جلد ۱ ص ۲۴۹

②۲ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) صاحب تفسیر فتح العزیز

ارواح کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء کو اس بقا کے علاوہ دوا مرزائد دیئے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا مائل بھی ہی دوا مرز ہیں۔ اول یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے اور دوا مرز اس پر ہے کہ جو سوط بدن شہداء کو روزی دی جاتی ہے..... انبیاء علیہم السلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال ان کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں.... چنانچہ عوام کی دنیوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔

②۳ علامہ ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) شارح الدر المختار

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث۔
 ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم۔
 ترجمہ۔ حدیث میں وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

②۴ قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب تفسیر فتح القدیر و شارح منتهی الاخبار

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره و روحه لا تفارقه لما صح ان الانبياء
 احياء في قبورهم۔

ترجمہ۔ بیشک حضورؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپؐ کی روح اقدس آپؐ کے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات صحیح طریق سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرامؑ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

۱۔ فتاویٰ عسزیزی جلد ۱ ص ۱۶۱ ۲۔ رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۳ مصر
 ۳۔ رد المحتار الشامی جلد ۳ ص ۳۶۲ باب المغنم ۴۔ تحفۃ الذاکرین شرح الحسن الحصین ص ۲۸

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان
الحياة فيهم متعلقة بالمجد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في
الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم

رواه المنذرى وصححه البيهقي.

ترجمہ: قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب
کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسد سے تعلق
رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات کس درجہ قوی ہو
گی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں
میں زندہ ہوتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ بعد موقہ کما فی حدیث الانبیاء احياء
فی قبورهم وقد صححه البيهقي والاف في ذلك جزءاً

ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بعد الوفاۃ زندہ ہیں جیسا کہ حدیث
میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ بعد موقہ کما فی حدیث الانبیاء احياء
فی قبورهم..... ویؤید ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء یرزقون فی

قبورهم والنبي صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم منهم واذا ثبت انہ حتی فی
قبرہ کان المبعی الیہ بعد الموت کالمبعی الیہ قبلہ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد پھر زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبیاء
احیاء فی قبورہم سے ثابت اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور

انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو شہیدوں

میں سے ہیں۔

اور حبیب خنود علیہ السلام کے لیے قبر میں حیات ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر
مبدک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے آپ کے پاس عافری دینا تھا۔

②۵ علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

والمراد بتلك الحیوة نوع من الحیوة غیر معقول لناهی فوق حیاة الشهداء بکثیر و حیوة نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم اکمل و اتم من حیاة سائرهم علیہم السلام الی ان قال تملك الحیوة فی القبر و ان كانت یترتب
علیہا بعض ما یترتب علی الحیوة فی الدنیا المعروفة لنا من الصلوة و الاذان و الاقامة و رد السلام
المسموع و نحو ذلك الا انها لا یترتب علیہا کل ما یمکن ان یترب علی تملك الحیوة المعروفة
والحیوة فی القبر تستلزم الخروج و انا اقول بمعانی حق الانبیاء علیہم السلام
حاصل اس کہ آنحضرتؐ کی حیات شہداء سے بہت اعلیٰ اور اتم ہے اس حیات فی القبر پر اگرچہ بعض دنیوی
امور مرتب ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا لیکن اس دنیا کی حیات
معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

②۶ نواب قطب الدین خاںؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ و صاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ سہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف
نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے نہ
(نوٹ) دنیا کی سی ہے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ مشبہ اور شبہ بہ میں تغائر ضروری ہے باعتبار عالم
وہ حیاة برزخی ہے اور ابتیار سے اسی طرح جسمانی محسوس کہتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ایک جسمانی زندگی
رکھتے تھے اور وہی جہد فائز حیات ہے جو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ کیا گیا۔ گو یہاں والوں کو محسوس نہ ہو۔

②۷ نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ)

نواب صاحب اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں اس کی سند حید ہے۔
 من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی نایا بلقہ رواہ ابو الشیخ۔
 قریب سے درود و سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں جیسا کہ
 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔

②۸ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ)

اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

②۹ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (صاحب عون المغبوط شرح سنن ابی داؤد

اجساد الانبیاء ای من تاملہا فی قبورہم احياء۔
 ترجمہ: انبیاء کرام کے اجساد مٹی پر حرم ہے کہ ان کو کھائے وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

③۰ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۷ھ)

المواد بالسلام عند القبر وقت حضورہ للزيارة..... ان روح المقدسة في
 شان ما في الحضرة الالهية فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالى روحه
 المطهرة من تلك الحالة الى ردم من سلم عليه۔

آنحضرت حیات میں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے مسجد نبوی کی حد
 میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

(۳۱) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۳ھ)

فی البیہقی عن انسؓ وصححه ووافقه الحافظ فی المعجلہ السادس ان الانبیاء
احیاء فی قبورہم یصلون لہ

ترجمہ بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ
ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی چھٹی جلد میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر ہوا کی ہے حدیث یہ ہے
کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

(۳۲) حکیم الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم
السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

(۳۳) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

امابعد وفاته فروجہ المقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الخفق الاعلیٰ
مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ولا یتوہم من هذا انکار حیاتیۃ فی قبرہ الشریف
فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً بہ
وبدنہ فی ضریحہ غیر مفقود واذ استمر علیہ المسلمون اللہ علیہ روحہ حتی یرد
علیہ السلام كما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن کشف ادراکہ وغلظت
طباعہ عن هذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو علمہا وتعلقہا وتأثیرہا
فی الارض وحیاء النبات والحیوان بہا۔

المبحث الخامس — الکلام علی عالم المثال

قبر عالم برزخ کی ایک قرار گاہ ہے اگلی قرار گاہ عالم آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں
۱۔ جنت ۲۔ جہنم۔ مقام اعراف بھی عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔

یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرار گاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے۔ دائمی قرار گاہ
عالم آخرت ہے۔

۱۔ عالم ادوارح۔ ۲۔ عالم دنیا۔ ۳۔ عالم برزخ اور ۴۔ عالم آخرت۔ یہ چاروں عالم بالترتیب
چلیں۔ پہلے قبور اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوع انسان کی قرار گاہیں اور چوتھا جہاں مستقل
طریقہ ہماری قرار گاہ ہے۔ یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں۔ یوں سمجھئے چاروں جہاں عالم
شہادت کے مختلف پیرائے ہیں۔ علمائے ان کے متوازی ایک اور جہاں کا پتہ دیا ہے۔ یہ جہاں عالم
مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہ حقائق کی دنیا نہیں۔ یہاں حقائق کی ان کے اپنے
مناسب حل تصویریں اترتی ہیں۔ عالم مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں۔
خود اس شخص کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی۔ *رايت الجنة والنار مثلتين*۔
حضرت شیخ محمد الدین ابن العربیؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے
کوئی اور آدم گندے ہیں اور اس پر انہوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں۔

حضرت امام ربانیؒ مجتہد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں۔ عالم شہادت
میں صرف وہی ایک آدم گندے ہیں جنہوں نے صفت جامعیت پر غفلت پائی۔ ان کے آنے سے
پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ الشرب العزیز کی ایجاد سے عالم مثال
میں وجود پاتا رہا اور صورت آدم میں اس کا ظہور ہوتا رہا۔

حضرت امام ربانیؒ شیخ سرہندی کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے

ہیں کہ جس طرح اودام مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے۔ اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالم مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالم مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ انبیاء کرام کا اپنے قبور میں نمازیں پڑھنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ جبہ عنقریب سے نعیم قبر اور عذاب قبر اسی عالم مثال میں ہوتے ہیں۔

جو اباعرض ہے کہ پہلے حضرت مجدد کے کلام میں عالم مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ آپ کے ہاں عالم مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی کوئی صورت و ہئیت نہیں۔ جتنی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوامل سے اس آئینہ مثال میں عکس دے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالم مثال کوئی رہنے کا محل نہیں، اسے عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حقیقت کسی صورت و شکل کو متضمن نہیں۔

عالم مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ روح آدم خلقت آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالم مثال میں اقامت گزیر نہ تھی۔ قرون متطاوۃ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہر حال عالم ارواح میں تھی نہ کہ عالم مثال میں۔ اس لیے کہ عالم مثال رہنے کی جگہ نہیں۔ فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق و معانی اُتاتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح اودام مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالم مثال میں چلے جاتے ہیں، کس طرح بنائے قاسد علی القاسد ہے۔
اعلانا اللہ منہا۔

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ

نوشہ بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالم مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالم مثال خواهد رفت، پس عذاب قبر در عالم مثال خواهد بود

بدانند کہ اس قسم خیالات از صدق قلیل انصیب است بعالم مثال کار ندارد
 نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق بیش از این نیست کہ در بعضی اوقات بتوفیق اللہ سبحانہ
 بعضی از احوال خود را در مرآة عالم مطالعہ می نماید عالم مثال از برائے
 دیدن است نہ برائے بودن، جائے بودن عالم ارواح است یا عالم اجساد، عالم
 مثال بیش از مرآة این دو عالم نیست عذاب قبر از این قبیل نیست کہ حقیقت
 عقوبت است نہ صورت و شبہ عقوبت۔

ترجمہ: آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالم مثال میں
 رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلی جاتی ہے پس عذاب
 قبر اس عالم مثال میں ہوتا ہے۔ جو ابا آپ کو جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات انہی
 لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں
 قلیل نصیب ہیں۔ روح کا عالم مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ
 ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب
 العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے
 ہوں۔ لیکن عالم مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں۔ وہ تو محض دیکھنے کا ایک پردہ
 ہے، جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں، رہنے کی جگہ یا عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔
 عالم مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عذاب قبر اس
 مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے کسی عذاب
 اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانیؒ نے جو تصریحات فرمائیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل

ہے۔

- ① معاملات قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت و انعکاس نہیں۔
- ② وجود عالم مثال فقط شبہ و صورت ہے، کسی شے کی حقیقت نہیں۔
- ③ روح کا تعلق عالم مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہوا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازال۔

④ معارفِ بدن کے بعد روح اور اطوارِ روح کو عالم مثال میں ٹھہرانا روح کی نئی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ انبیائے کرام کی ارواح قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملات قبر کو عالم مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا، کس قدر شانِ علم و دیانت ہے۔

المبحث السادس — فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود و اطراف کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنادیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معاملہ کرنا چاہیں، تو اسے تنگی کی آخری انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا ہی فراخ دکھائی دے۔ اسی طرح کسی بندہ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے، وہ رحیم مطلق جب چاہے اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالم برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت و وسعت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگانِ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ صد فیائے کرام کے ان ارشادات سے کہ ”قبر حقیقت میں اس ظاہری زمین نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔“ — اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے ایک بالکل جدا مکان کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ عالم برزخ کہ اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ البتہ قبر اپنی وسعت و فسحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ ظاہری قبر اور اس کی باقی حدود اس پردے میں ہیں، جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ ظاہری قبر حقیقت قبر سے کلیتہً جدا نہیں، صرف بعض اعتبارات سے اس سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم برزخ کا ایک پہلو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے۔ اسے حقیقت قبر سے کنایہ قرار دینا، تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجاز ہی مجاز کہے چلے جانا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پچھے اس پر پوری بحث ہو چکی ہے اور آپ یہ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ :-

”انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ نے دو شخصوں کو عذاب ہوتے دیکھا۔ ایک ان میں سے پیشاب کے پھینٹوں سے نہ بچتا تھا اور دوسرا خچلی کھانے کا عادی تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقت قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیتہً علیحدہ نہیں

۱۔ ان القبراؤل منانل الاخرة (مسند رک جلد ۱ ص ۴۲) واحوال البرناخ اشبه باحوال الاخرة (فتح الباری ص ۲۹)

۲۔ عن ابن فورک انه صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃ لا مجازاً قال ابن عقیل من

المنابلة هو صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ یصلی (الموضحة البہیة فیما بین الاشاعرة والماتریدیہ ص ۱۸ مطبوعہ

حمید آباد دکن)۔ ۳۔ راجع لہ البخاری جلد ۱ ص ۱۸۴

بلکہ یہ علیحدگی صرف وسعت و فسحت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے

اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق مقام آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

دَلَّوْخُ عَلٰی قَبْرِهَا ۱۷

ترجمہ: مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپؐ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا۔

اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظِلْمَةً عَلٰی اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰهَ يَنْوُرُهَا لِمَنْ

بَصُلُوْتِيْ ۱۸

ترجمہ: بے شک یہ قبر اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے اُٹی پڑی ہیں اور اللہ

تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت و نور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبر میں جو ہذا کا مشارالہ

ہیں۔ ہاں اس کے باقیبرزخی پہلو اور وسعت و فسحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں وہ اس ظاہری

نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جسبرزخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس

کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس آپؐ نے دیکھی تھی۔

ان تعلق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالمبرزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً غلط

ہے۔ مقام افسوس ہے اور محل حیرت درحیرت ہے۔

آنحضرتؐ نے اس حدیث حیات انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا ”الانبياء احياء“ (انبیاء

زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ ”فی قبورهم“ (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرمادی۔

تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام کیبرزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے ”فی قبورهم“

کے الفاظ سے اس پر متنبہ کر دیا کہ یہاں محلِ حیات وہی ہے، جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسامِ عنصریہ ہی بعد الوفات قبور میں اتارے جاتے ہیں پس اُن کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیاتِ انبیاء کی وضاحت فی قبورِ ہمو کے الفاظ سے کی، بلکہ آپ نے یصلون کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں، کی تصریح فرما کر حیاتِ جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجودِ جسمانی کو چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو قبر میں ہے۔

الصلوة تستدعی جسدًا حیًا۔ (حاشیہ نسائی)

افصح العرب والعجم، صاحب جوامع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔
الانبياء احياء فی قبورهم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

① احياء میں حیات کا بیان مجملہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔

② فی قبورهم میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوئی۔

③ یصلون میں حیاتِ حقیقی کا جس میں اعمالِ طیبہ سے تعطل نہ ہو، بیان ہوا۔

پس انجوائے حدیث شریف آنحضرت اپنے روضہ شریفہ میں (تأثیر روح یا دخول روح سے) اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ فائز الحیات ہیں اور بدستور اشغالِ طیبہ میں اشتغاق ہے۔ یہ عمل تلذذ ہے نہ کہ وجوباً علامہ علی بن شیخ احمد غزینی لکھتے ہیں:-

تلذذاً لان التکلیف انقطع بالموت۔ ۱۰

ترجمہ۔ یہ عبادت تلذذ ہے کیونکہ مکلف ہونا اور دہموت سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

مقدمہ میں ہم معنی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہو گا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا مفہوم قبر سے بالکل بے تعلق نہیں مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں انہی گڑھوں پر اترتی ہیں اور بسا اوقات نور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابویوب انصاریؓ کی قبر سے نور کا مینار اٹھا

حضرت ابویوب انصاریؓ (۵۱ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہؓ کا دور خلافت تھا۔ آپ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ رات کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کئے گئے۔ امام محمد بن احمد الشری (۴۸۳ھ) بیان کرتے ہیں:-

فدفنوه لیلاً فصعد نور من قبره الى السماء ورأى ذلك من كان بالقرب
من ذلك الموضع من المشركين فجاء رسولهم من الغد فقال من كان
هذا المیت فیکم فقالوا صاحب البیتنا فاسلموا بماراؤا۔

ترجمہ۔ انہیں سائھیوں نے رات کے وقت قبر میں اتارا۔ آپ کی قبر سے نور کا ایک شعلہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور اس منظر کو دوسری طرف کفار نے بھی جو سرحد کے قریب تھے دیکھ لیا۔ صبح ہوئی تو ان کا ایک قاصد آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ سر نبی الاکون بھقا جسے رات تم نے دفن کیا، انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ جس نبی کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے اس نبی کی اپنی شان کیا ہوگی کس طرح آپ کے لیے آسمان رحمتیں برساتا ہو گا اور زمین بھی اپنی برکتیں اُگلتی ہوگی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابویوب انصاریؓ کی قبر سے کئی گنا زیادہ منع نور ہوگی۔

الفصل الخامس

وفيه ستة من المباحث

قال ابو الشيخ في كتاب الصلوة حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسين بن الصباح حدثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على من بعبدا علمته — وفي رواية من صلى على نائيا بلغته ۛ

ترجمہ: جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنوں گا اور جس نے دُور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

المبحث الاول — في معنى الحديث

اس حدیث میں من صلی عام ہے جس نے بھی حضورؐ پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپؐ کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر مبارک کے پاس درود پڑھے، اسے حضور اکرمؐ خود سنیں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ سامعہ کیا اتنی تیز تھی کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب — ہاں۔ جب حضورؐ خود دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپؐ نے منوں مٹی کے فاصلے سے اُن مردوں کی آوازیں نہ سُنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟

سوال، کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضورؐ قریب سے کہے گئے سلام کو سنتے ہیں؟
جواب: ہاں، حضورؐ نے فرمایا، ما من احد یسلم علی الارءد الله علی روحی حتی ارد علیہ السلام جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں رد اللہ علی روحی کی بحث پہلے آچکی ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ کا قریب سے صلوٰۃ و سلام سنانا خود ثابت ہے۔

ثانیاً، حضورؐ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی فرمایا:۔

لَنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَا حَبِیْبَتَہٗ ۛ

ترجمہ۔ اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ان کا جواب دوں گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبر مبارک پر آپؐ خود مُسنتے ہیں۔ اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

ثالثاً، حضورؐ نے فرمایا:۔

لَیْسَ مِنْ عَبْدِ یَصِلْ عَلٰی الْاَبْلَغْنِ صَلَٰوَتَہٗ رَوَاہُ الطَّبْرَانِی ۛ

ترجمہ۔ جو بندہ خدا مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے۔

یہاں پہنچایا جانا نہیں کہا، پہنچایا کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو قریب سے

پڑھے، دُور والے کا پہنچایا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پہنچتا ہے۔ بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کا تب سے

۱۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۴۹، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۵۲۴ ۲۔ رواہ البیہقی و رجالہ رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۳۱،

المجامع الصغیر جلد ۲ ص ۱۳۲ رواہ البیہقی کما فی الصحاحی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۹، روح المعانی ۲ ص ۲۵۲، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۹

مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۹۵ ۳۔ نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱۱ مسند ابی یعلیٰ جلد ۳ ص

بلغنی صوتہ کے نغموں میں منتقل ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حلقہ یہ ہے کہ جو درود دُور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یہ معنوں ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

① ان لله ملئكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام

ترجمہ: بیشک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی محمد پر سلام پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

② يبلغوني صلوة من صلى علي من امتي

ترجمہ: وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی محمد پر درود پڑھے

③ ان صلواتكم معروضة علي

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے۔ بعض روایات میں صرف صلوة کا بیان ہے، بعض میں صرف سلام کا۔ اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے ہیں اور سلام بھی۔ دونوں میں افراد ہو تو بھی احناف کے ہاں جائز ہے اور صلوة و سلام جھاڑے جائیں تو بھی جائز ہے اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں۔ صلوة و سلام حضور کو دُور سے خطاب کر کے بھی عرض کیا جاسکتا ہے یا اس اعتقاد کہ فرشتے اسے اسی طرح روحانہ پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہ میں پیش کر رہا ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جاسکتا ہے۔ بایں اعتقاد کہ آپ خود سنتے ہیں۔

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سنتے ہیں یا نہیں۔

لہ روایہ النسائی جلد ۱ ص ۱۵۴، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۴۴۱، سنن دارمی ص ۳۹۲، المعصن لابن ابی شیبہ جلد ۳

البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶، تخریبات حدیث مولانا حسین علی ص ۱۱۱

لہ روایہ الدارقطنی (القرن البدیع ص ۱۱)

لیکن حضور کا سماع عند القبر مجمع علیہ ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں:-

انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

مجدد صدی دہم سیدنا ملا علی قاریؒ فرشتوں کے درود پہنچانے کے بارے میں لکھتے ہیں:-

هذا مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقدہ المنور ومضجہ المظہر و

فیہ اشارة الى حیاته الدائمة وفرحہ ببلوغ سلام امتہ الکاملة وایماء

الى قبول السلام حیث قبلتہ الملائکة وحملتہ الیہ علیہ السلام۔

ترجمہ فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضور کے مرقد منور آمد آپ کی اتر حجت گاہ مطہر سے

دور ہو اور اس میں آپ کی حیات ائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپ کی اس خورشیدی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کا مدد کا

سلام پہنچنے سے ہوتی ہے اور اس میں سلام کرنیوالے کے سلام کے قبول ہونے کا اشارہ بھی ہے بائیں طہر

کہ فرشتوں نے اسے قبول کر لیا ہے اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے ہیں۔

ترجمہ۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ روضہ پر پڑھے گئے درود و سلام کو حضور خود سنتے ہیں حضرت

ملا علی قاریؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

من صلی علی عند قبری سمعته احم سماع حقیقی بلا واسطہ۔

ترجمہ۔ حدیث یہ جو مجھ پر میری قبر پر آ کہ درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں، کا مطلب

سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔

یہ دونوں مضمون کہ روضہ پر پڑھے گئے صلوة و سلام کو حضور خود سنتے ہیں اور دور سے

پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہم متعدد دوسری روایتوں سے جزرہ جزرہ اپیش

کرائے ہیں۔ ابوالشیخ کی اس روایت میں صرف یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دونوں مضمون یک جا جمع ہیں۔

سو جن حضرات نے اس حدیث کو صرف اس لیے ہدف طعن بنا رکھا ہے کہ اسے ابو عبد الرحمن محمد بن

مردان الہدی نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس روایت کے دونوں مضامین اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بھی ثابت ہیں اور ان روایات سے ثابت ہیں جنہیں اکابر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

نوٹ

سماع عند العبر کی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

نیز ابن عمرؓ آمدہ من صلی علی عند قبری زدت علیہ ومن صلی علی فی مکان
آخر بلغونیہ۔

ترجمہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پر آکر درود پڑھتا ہے
میں اس کا جواب اس کے بڑھ کر دیتا ہوں اور جو کوئی کسی دوسری جگہ پڑھتا ہے وہ فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔
حضرت مولانا مھتانویؒ اسے حضرت انسؓ سے مروی بھی بتلاتے ہیں:-

بروایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے
پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا
ہے وہ مجھ کو پہنچا یا جاتا ہے یعنی بخیر فرشتوں کے۔

سویہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم تین صحابہ
سے مروی ہے۔

ہمارے مخالفین اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اسے مطلقہ عامہ ٹھہرتے ہیں۔ یہ بھی نہ ماننے
کی ایک ادا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کے ساتھ آپ کا اسے متفلاً شننا ضروری نہیں۔ یہ تحقیق سمع
آئندہ کسی وقت ہو جائے تو بھی مطلقہ عامہ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ کسی
وقت سنادے یہ ساتھ ہی سننا کہاں سے لازم آگیا؟

حدیث میں کوئی نکتہ ایسا نہیں جو اس تاویل کو راہ دے اور حال یہ ہے کہ دن رات کے اوقات میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہزاروں زائرین روضہ اطہر پر صلوٰۃ و سلام عرض نہ کر رہے ہوں۔ اگر قبر مبارک کی عافری اور وہاں درود و سلام دائمًا نہ پڑھا جا رہا ہوتا تو بات اور بھتی۔

سو اس موجودہ صورت میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہ ہو گا دائمہ مطلقہ ٹھہرے گا۔ جب درود و سلام ہر وقت پڑھا جا رہا ہے تو آپ کا اسے سننا بھی دائمی ہے۔ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ ہے مطلقہ عامہ نہیں۔ دائمہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمول کا جو یہاں سمعہ ہے۔ مرفوع کے لیے جو من صلی علی عند قبلی ہے دائمہ ہو۔

ہم نے ضروریہ مطلقہ نہیں کہا۔ جیسے کل انسان حیوان بالضروریہ دائمہ مطلقہ کہا ہے جیسے کل نبی صادق بالدوام۔ سو جس طرح صدق ثبوت سے شرعاً ممتنع السلب ہے۔ کوئی مومن روضہ اطہر پر درود پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنیں، یہ شرعاً ممتنع ہے۔ قاضی صاحب اس حدیث میں کوئی قید لگا کر تو اسے مطلقہ عامہ بنا سکتے ہیں۔ حدیث کے اپنے الفاظ میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہیں ہے۔

فالقضية دائمة اذ من المعال العادی ان یخلو الوجود كله عن واحد یسلم علیه فی لیل او نهار فنحن تؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمع ما دام المصلون یصلون علیہ علی قبرہ الشریف ولا تذهب ساعة من الساعات ولا وقت من الاوقات الا ویصلی علیہ فی مسجدہ الشریف صلی اللہ علیہ وسلم بالدوام او بالضرورة۔

المبحث الثانی — فی بیان الشاہدین الحدیث

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کے ضمن میں ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ امام نسائی اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر مل جاتی ہیں۔

اخبرنا عبد الوہاب بن عبد المحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن
سفيان بن سعيد واخبرنا محمود بن غيلان قال حدثنا وكيع و
عبد الرزاق كلاهما عن سفيان۔

سند حضرت سفیان بن سعید الثوریؒ :-

عن عبد الله بن السائب عن نراذان عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم ان لله ملكة سياحين في الارض يبلغوني
من امتي السلام۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر ہر وقت مصروفِ سیاحت
ہیں وہ امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا دور والوں سے ہی متعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام
عرض کر دیتے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں؟ قبر مبارک پر پہنچ کر — قبر کہاں ہے؟ زمین پر — حدیث میں
ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے، سو جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پر ہیں،
قبرِ اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پر ہے۔ فرشتے درود بھیجنے والوں اور روضۂ اطہر کے مابین مصروف
سیاحت رہتے ہیں۔ وہ درود بھیجتے ہیں اور یہ پہنچاتے ہیں اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ ان کی آن

میں درود لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہے کہ قریب سے آپ خود سُن رہے ہیں، تبھی تو فرشتوں سے آپ خود سُنتے ہیں، جو روضہ اطہر پہ حاضر ہو کہ دور والوں کا سلام عرض کرتے ہیں اور یہ مضمون اس حدیث میں عبارتہ النص سے مذکور ہے کہ دور والوں کا سلام حضورؐ کو پہنچایا جاتا ہے۔

سوجوبت حدیث ابو ہریرہؓ میں بیان کی گئی ہے وہ بعینہ اس حدیث میں بھی موجود ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ میں اس حدیث کا پہلا جزو دلالتہ النص اور دوسرا عبارتہ النص سے ثابت ہے اور حدیث ابو ہریرہؓ میں دونوں باتیں عبارتہ النص میں مذکور ہیں۔ دوسرے درود کا اس طرح پہنچنا بتلاتا ہے کہ قریب سے آپ خود سُنتے ہیں ورنہ تبلیغ صلوة و سلام کے لیے سیاحین فی الارض کے بیان کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال

عبد الوہاب بن الحکم ثقہ ہیں معاذ بن معاذ ثقہ ہیں سفیان ثوری ثقہ ہیں عبد اللہ بن السائب ثقہ ہیں اور ان سب کی توثیق قریب التہذیب میں ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵ پر علی الترتیب موجود ہے۔ ابو عبد اللہ زاذان کنڈی کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے مگر کثیر الخطا کہل ہے جمہور علمائے اُن کی یہ جمع قبول نہیں کی اور جرح جب تک مفسر نہ ہو اس کا اعتبار کیا؟ ابن سعد عجبی اور خطیب یتیمز اسے ثقہ کہتے ہیں بعض نے اُن کی کنیت ابو عمر بھی لکھی ہے۔ امام فن سحی بن معین کہتے ہیں ثقہ لا یسئل عن مثله۔ یہ ایسے ثقہ ہیں کہ ایسے حضرات کے متعلق مزید تحقیق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری سند کے راوی

محمد بن غیلان اوپر کے راوی جرح و تعدیل کے امام دیکھ بن الجراح ۱۹۷ھ میں۔ یہ اور عبد الرزاق (۲۱۱ھ) صاحب المصنف امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ

سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ ہاشمی فرماتے ہیں:-

رواہ البزار و رجالہ رجال الصیح

یہ حدیث اور کن کن کتابوں میں ہے

مسند امام احمد جلد ۴۴، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۴، سنن دارمی جلد ۲، سنن دارقطنی (القول البدیع جلد ۱۵)، البیہقی جلد ۲، مستدرک حاکم جلد ۲، البدایہ والنہایہ جلد ۱۵، علیہ ابی نعیم جلد ۱، الجامع الصغیر جلد ۹۲، مشکوٰۃ جلد ۸۶، وفار الوفار جلد ۲، دیگر کئی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

کن کن محدثین نے اسے صحیح کہا ہے

- ① علامہ فرہبی صاحب میزان الاعتدال (۸۴۸ھ) تخفیف المستدرک میں لکھتے ہیں صحیح ہے۔
- ② علامہ سمہوری (۹۰۱ھ) لکھتے ہیں امام نسائی اور اسماعیل قاضی نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔
- ③ علامہ عزیزی (۸۰۰ھ) شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں حدیث صحیح ہے۔
- ④ علامہ ہاشمی (۸۰۰ھ) لکھتے ہیں رجالہ رجال الصیح۔
- ⑤ علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والخلی وابن حبان والحاکم قال صحیح الاسناد۔
- ⑥ علامہ ابن عبدالبہادی (۸۴۴ھ) مختلف طرق سے صحیح آسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے محدثین میں یہ حدیث اس درجہ مشہور اور مقبول ہے کہ اس کے تواتر معذی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

جمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۸، مستدرک جلد ۲ ص ۴۲، وفار الوفار جلد ۲ ص ۴۲، السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۸

جمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۴، القول البدیع جلد ۱ ص ۱۱، الصارم المنکی جلد ۱ ص ۱۱۸

ہر آئینہ خدائے را فرشتگان اند سیر کنند گاہ در زمین سے رسانند مرا از امت من
سلام را و بتواتر رسید این معنی بلہ

ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے۔ مجھے میری امت
کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم جن کا مضمون اس سلسلہ پر ماہنامہ تعلیم القرآن لاہور میں
چھپا ہے اور اس سے محدث حلیل حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر العلوم
سہارنپور (بہبودی تحصیل و ضلع کھیل پور) نے پورے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پر جمع ہونے
کی دعوت دی ہے۔ وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :-

فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دُور سے
بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر
صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بفسر نفیس سُنتے ہیں۔

کاش! کہ ہمارے کرم فرما اسی نقطہ اتحاد پر جمع ہو جائیں اور درود و ضلہ انور کا یہ سماع تسلیم کر لیں۔

المبحث الثالث۔۔۔ ابوبہر النقی فی تحقیق اسانید ابی الشیخ والبیہقی

حضرت ابوبہر ریہ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس ڈٹھے میں سنتا ہوں جو دُور سے پڑھے
و مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسے
مروئی بتلایا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابوبہر ریہؓ کی روایت پر بحث کریں گے۔ اس حدیث
کو حافظ ابوالشیخ الاصبہانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور اعدا الاعلام ہیں۔ کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں
روایت کرتے ہیں اور امام بیہقی اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں۔ اصبہانی
اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں۔ اصبہانی کی سند حمید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بیہقی کی سند کا ایک

راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مردان السدی ضعیف ہے۔ ایک سند کا ضعف جب دوسری صحیح سند سے اٹھ جاتا ہے تو کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں کہ جمید سند کو بالائے طاق رکھ کر عوام میں صرف ضعیف سند کو متعارف کرایا جائے اور دیدہ دانستہ قول رسول کی تضحیک کی جائے۔ یہ اتنی بڑی جسارت کلب پوری قوم اس عذاب کی زد میں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث صرف بہت ہی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ عوام میں مشکوٰۃ بڑی عام اور متداول کتاب ہے۔ ہمارے کرم فرما اسے مشکوٰۃ کے حوالے سے ہر جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں ابو عبد الرحمن محمد بن مردان پر جرح ہوتی ہے اور جب لوگوں کو بتایا جائے کہ ابوالشیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بھی پیش کی ہے جو صحیح ہے تو پھر یہ دوسرا پیترہ بدلتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن تو کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے اور یہ حدیث کہتی ہے حضور سُنتے ہیں، ہم قرآن کو مانیں یا اس حدیث کو؟

اولاً تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ قرآن کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے۔ قرآن کریم میں تو یہ ہے، اَنَّا لَا تَمْعَعُ الْمَوْتِی «آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے»، اللہ تعالیٰ جسے چاہے سُنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اِسْمَاع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ پھر یہ تو عام دعوئے ہے اسے شہیدوں اور پیغمبروں پر منطبق کرنا اور ان کی حیات کے خصوصی دلائل کو دبا جانا کیا یہ قادیانیوں کا طریقہ نہیں جو اموات غیر اَحیاء سے اور قد خلت من قبلہ التَّسْل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام کا ایسا کر یہ بہ منظر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

اس وقت ہمیں اس استدلال سے بحث نہیں، نہ ہم یہاں سماع موٹے کی بحث لانا چاہتے ہیں۔ ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ ہمارے مہربانوں نے جب نیت ہی کی ہو کہ اس حدیث کو نہیں ماننا تو جب ان کا پہلا وار (کہ یہ حدیث ضعیف ہے) خالی جاتا ہے تو پھر کس جرأت سے قادیانی طرز استدلال پر آجاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ائمہ اعلام میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے

تایاح نہیں یہ اسکے خلاف تھا تو اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ولو کان بعضهم لبعضی ظہیراً۔

مغلطے کا ایک اور انداز

سبہتی کی سند کا راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان ہے اور ابوالشیخ کی روایت کا ایک راوی عبد الرحمن بن احمد الاعرج (۳۰۰ھ) ہے جو ضعیف نہیں۔ عبد الرحمن کا نام چونکہ دونوں میں آتا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ابو عبد الرحمن کی جرح عبد الرحمن بن احمد پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابوالشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے ان هذا الاہتمام عظیم۔

المبحث الرابع

تحقیق روات سند ابی شیخ

- | | |
|----------------------------|--------------------------------------|
| ① ابوالشیخ الاصبہانی | ② ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج |
| ③ الامام الحافظ حسن الصباح | ④ ابو معاویہ محمد بن خازم |
| ⑤ سلیمان بن مہران الاعمش | ⑥ ابو صالح ذکوان (اسحاق الزیات) |

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

① ————— ابوالشیخ الاصبہانی

علامہ ذہبی ان کو حافظ۔ امام اور سند زمان کہتے ہیں۔ ان کے تقولے و تدوین کو تسلیم کرتے

ابو عبد الرحمن بن الاعرج سے قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (دیکھئے تاریخ صنفیان جلد ۱ ص ۱۱۱) اور ابوالشیخ اصبہانی بھی (دیکھئے جلاء الافہام للحافظ ابن العیثم ص ۱۹) امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دوروی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہ سکتا (دیکھئے سنن دارقطنی جلد ۲ ص ۳۶۱) تو جب اس پر مشتمل سند کو علماء محدثین نے جیہ تسلیم کیا ہے۔ من روی عنہ ثقات فقدر نفع جمالتہ وثبتت عدالتہ۔ تو کیا اب

بھی عبد الرحمن کی تعدیل نہ ہوگی۔ اس اصول کے لیے دیکھئے : (فتح المغیث ص ۱۳۷)

ہیں۔ ابن مردودہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابو نعیم ان کو اعدالاعلام اور ثقہ کہتے ہیں۔
ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر ابو الشیخ — فهو الحافظ الكبير... ثقہ۔

② — ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج

والد کا نام ابو یحییٰ ابو نعیم اصفہانی (۵۴۳) کے تاریخ اصفہان جلد ۲ ص ۱۳ میں
اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے قاضی ابو احمد محمد بن احمد اور ابو الشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی
ہیں اور اس نے سلمہ بن شیبہ اور الامام الحافظ حسن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں
حافظ ابن حجر عسقلانی سلمہ بن شیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-
احد الثقات حدث عنه الائمة والقدماء۔

سلمہ بن شیبہ سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبد الرحمن بن احمد بھی ہیں۔

البتہ عبد الرحمن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے :-

قال ابو الشیخ لم یکن بالقوی فی الحدیث۔

③ — الحسن بن الصباح

صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ قریبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر غلت الفاظ سے
ذکر کرتے ہیں جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح جو اسماعیلی فرقے کا بانی تھا مشہور کر رکھا ہے وہ
خدا کا خوف کریں۔

④ — ابو معاویہ محمد بن خازم

کوفہ کے مشہور محدث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حافظ اور ثبت کہتے ہیں۔ صحاح ستہ کے
راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں کسی اور سے روایت کریں تو ہو سکتا ہے اس میں
کچھ اضطراب ہو۔

۱۔ دیکھئے تذکرہ للذہبی جلد ۲ ص ۱۴ ۲۔ لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۹ ۳۔

۴۔ لسان المیزان جلد ۲ ص ۱۴ ۵۔ تذکرہ جلد ۲ ص ۵۵ ۶۔ دیکھئے تذکرہ جلد ۱ ص ۲۱

یحییٰ بن معین کہتے ہیں ائمش سے روایت کرنے میں اثبت ہیں۔

⑤ ————— سیحان بن مہران الائمش

صحاح شہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور ذلیل القدر محدث ہیں۔ ان پر شیعیت کا الزام ہے۔ مگر ان دنوں شیعیت رفض کے معنوں میں نہ تھی تحریف قرآن، عقیدہ امامت اور انکار خلافت راشدہ و افضل کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

⑥ ————— ابو صحاح ذکوان

صحاح مستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں :-

ثقة ثقة من اجل الناس و اوثقهم

ترجمہ ثقہ ثقہ ہے بڑے اور پختے لوگوں میں سے ہے اور سب سے زیادہ لائق وثوق لوگوں میں سے ہے اور اس زمانے میں تو راویوں کی پڑتال اور غیر مبین السبب جرح سامنے لانے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حدیث تسبیح بالقبور ہے یا نہیں۔ یہی راہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے۔ اب دیکھئے کن کن ائمہ فن نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان امت نے اس کے مضمون کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں :-

① ————— شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

② ————— حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ)

③ ————— خاتمہ الحافظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

④ ————— سخاویؒ (۹۰۲ھ)

- ⑤ — علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ)
 ⑥ — علامہ عبد الرزاق المنادیؒ (۱۰۰۴ھ)
 ⑦ — تلامذہ علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ)
 ⑧ — قاضی شمس الدین یحییٰؒ (۱۲۲۵ھ)
 ⑨ — علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۲۰ھ)
 ⑩ — ذاب صدیق حسن خاں (۱۲۰۷ھ)
 ⑪ — حضرت مولانا عبدالحی کلندرؒ (۱۳۰۳ھ)
 ⑫ — علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

حوالجات از بعض عبارات

① حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت

صلواتی حیثما كنت فان صلواتكم تبلغني قال فاحمد صلی اللہ علیہ وسلم
 انه يسمع الصلوة من قريب و يبلغ ذلك من بعيد
 ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا، مجھ پر درود پڑھا کر وہاں بھی تم ہو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھے
 پہنچتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا یہ ہے کہ آپ قریب سے پڑھے گئے درود
 کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو پہنچا یا جاتا ہے۔

یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی ابو داؤد کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور دوسری وہی امام بیہقی
 والی — امام ابن تیمیہؒ اس دوسری حدیث کی سند سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کی کمزوری آپ کو معلوم
 ہے۔ مگر آپ اسے اس کے شواہد کے باعث قبول کر رہے ہیں۔

وقد روی ابن ابی شیبہ والدارقطنی عنہ من صلی علی عند قبری سمعہ
ومن صلی علی نائیا ابلغتہ و فی اسنادہ لین لکن لہ شواہد ثابتہ فان
ابلاغ الصلوۃ والسلام علیہ من البعد قدر واه اهل السنن من غیر وجہ
ترجمہ۔ اور ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے حضور سے روایت کی آپ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پر
اگر زود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دوسرے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا
جاتا ہے اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں
آپ کو دور سے صلوۃ و سلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے

② حافظ ابن القیم کی شہادت

یہ جو کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے یہ ابوالشیخ کی سند کے بارے میں نہیں۔ ابن ابی شیبہ
اور دارقطنی کی سند کے بارے میں ہے اور ممکن ہے یہ وہی کمزوری ہو جو بیہقی کی سند میں تھی۔ مگر چونکہ بقول
ابن تیمیہ اس کے شواہد موجود ہیں اس لیے یہ روایت بھی قبول کر لی جائے گی اور یہ محدثین کا اصل ہے
کہ روایت اپنے شواہد سے قوی ہو جاتی ہے۔

ان شواہد میں وہ حدیث بھی ہے جسے اہل سنن (نسائی وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کو دور سے پڑھا گیا صلوۃ و سلام (فرشتوں کے توسط سے) پہنچایا جاتا ہے۔ امام سیوطی
بھی اس کے شواہد کا ذکر کرتے ہیں۔

قلت هذا الحديث اخرجه الطبرانی و ابونعيم في الحلية وله شواهد يوثق بها
الى درجة الحسن۔

یہ سب تاہم اسی روایت کی ہے جو امام بیہقی نے لکھی ہے۔ یہ ائمہ فن بتاتے ہیں کہ اس کا ضعف
ان شواہد سے کلیتہً اٹھ جاتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) نے جلال الافہام میں ابو الشیخ کی پوری سند کے کر حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے من صلی علی عندقبری سمعہ ومن صلی علی من بعدی اعلیٰ لہ

سندیہ ہے۔

قال ابو الشیخ فی کتاب الصلوۃ حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاثری حدثنا حسین بن الصباح حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب الروح میں لکھا ہے۔

وقد صح عنه ان اللہ تعالیٰ وکلّ بقبرہ الملائکۃ یبلغون عن امتہ السلام۔ ترجمہ اور حضورؐ سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی قبر پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو حضورؐ کو آپ کی امت کا صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں۔ فرشتے یہاں (رُضۃ اقدس پر) حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھیجی پہنچاتے ہیں کہ حضورؐ یہاں خود سنتے ہیں مدد فرشتوں یہاں آنے کا کیا مطلب۔ اور جو درود و سلام دور پڑھا جائے یہاں پہنچایا جاتا ہے۔ یہ حافظ ابن قیم کی طرف سے اس حدیث کی اور اس کے معنی کی پوری تصدیق کی ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔ فالروح هناك ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیہ وتعلق بہ بحیث یصلی فی قبرہ ویرسل سلام من سائر علیہ۔

ترجمہ روح اقدس اپنے مقبر میں ہے اور اس کا قبر میں پڑے بدن کے ایک اتصال اشرف اور ایک تعلق ہے بایں طور کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضورؐ اپنے روضہ اقدس پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور اس سماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

③ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت

اخرج ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على نائياً بلغته ۱۰

ترجمہ۔ ابوالشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر دُرود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دُور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے جو صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی ہے اس کے بعد آپ اس کے شواہد ذکر کرتے ہیں ① پہلا ابوداؤد کی روایت سے ② دوسرا ابوالشیخ کی روایت سے ③ تیسرا ابوداؤد اور نسائی کی روایت فان صلوتکم معروضة علی سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ اسی روایت کو لائق قبول بنا رہے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی اور اس پر شواہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اٹھا دی ہے ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہوئے وہ ضمنی بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے نقل کی ہے۔ حافظ کی پوری عبارت یہ ہے :-

ومن شواهد الحديث ما اخرجہ ابوداؤد من حديث ابی هريرة رفعه وقال فيه صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتہ سندہ صحیح واخرجہ ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى نائياً بلغته وعند الحنفی داؤد والنسائی وصححه ابن خزيمة وغيره عن ابي ان قال فان صلوتکم معروضة علی فقالوا كيف تعرض وقد امنت ۱۰

④ عاقل شمس الدین سخاویؒ کی شہادت

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته رواہ
ابوالشیخ وسند جید۔^۱

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دور
سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید
ہے عمدہ ہے

⑤ علامہ ابن حجر مکیؒ کی شہادت

اذا صلی وسلم عند قبر سمعہ معاً حقیقاً ویند علیہ من غیر واسطۃ
وان صلی وسلم من بعید لیسعہ الا بواسطۃ۔ يدل علیہ احادیث کثیرہ۔^۲
ترجمہ: جب آپؐ کو درود و سلام آپ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور
سلام کا جواب براہ راست دیتے ہیں اور اگر دور و دور سلام دور سے پڑھا تو آپ اسے
نہیں سنتے مگر فرشتوں کے واسطے سے۔ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔
اور ابوہریرہؓ انتظم میں لکھتے ہیں:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یبلغہ الصلوۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعہا
اذا کان عند قبر الشریف بلا واسطۃ۔^۳

ترجمہ: بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے
جب وہ دور سے آئے اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب
پڑھنے والا آپ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى لِلطَّبْرَانِيِّ لَيْسَ مِنْ عَبْدِ يَصْلَى عَلَى الْإِبْلَغِ صَوْتَهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ
الْأَنْبِيَاءِ أَوْ فَمَعَهُمُ الْحَيُّ كَيْسِيَّةً كَمَا سَمِعَهُمُ الظَّاهِرِيَّةَ ۚ

ترجمہ: اور طبرانی کی ایک دوسری روایت میں ہے: کوئی مسلمان مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کی
آواز مجھے پہنچتی ہے۔ ہم نے کہا امد آپ کی وفات کے بعد کیا ہوگا حضورؐ نے فرمایا وفات کے
بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجسادِ زمینی پر حرام کر دیئے ہیں
کہ انہیں ریزہ ریزہ کرے۔ انبیاء کا سنا ایسا ہے کہ اس کیفیت حتیٰ ہے جیسا کہ
ان کے دوسرے حواس (قائم ہوتے ہیں)۔

اجسادِ انبیاء کہاں محفوظ رہتے ہیں؟ اپنی قبر میں — حضورؐ نے جب خبر دی کہ درود پڑھنے
والے کی آواز مجھے پہنچتی ہے تو صحابہؓ کا ذہن فورا آپ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں آپ کیسے
سُنیں گے آپ نے اپنے جسدِ اطہر کے محفوظ رہنے کی خبر دی — ابن حجرؒ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ
انبیاء کے دوسرے ظاہری حواس کی طرح ان کی قربِ سامعہ حسی طور پر محفوظ ہے۔

حضورؐ جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سُنیں اور دور کی
بات سے اطلاع پائیں۔ وفات کے بعد جب قربِ سامعہ اسی ظاہری انداز پر ہے تو ظاہر ہے کہ قبر
مبارک میں بھی آپ قریب سے سُنیں گے اور دور والے کا درود و سلام آپ کو پہنچایا جائے گا —
سودھ حدیث الابلغنی صوۃ عاتقا ابن حجرؒ کی ہاں عند قبری سے خاص ہوگی اور اس سے اس کی
ان احادیث صحیحہ سے بھی تطبیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا توسطِ ملائکہ پہنچایا مریخ نقطوں
میں پایا جاتا ہے۔ ابن حجرؒ نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آکر درود پڑھے
— یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔
تَوَالِطُ بِلُغْفِ صَوْتِهِ (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کئے ہیں معلوم ہوتا ہے بلغنی صوۃ

میں تصحیف ہوئی ہے۔ سو اگر اسے اسی شکل میں لیا جائے تو اسے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اس حدیث میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شاہد میں ذکر کی جاسکتی ہے

② حافظ ابن کثیرؒ (۷/۴۷۴)

باجودیکہ آپ اس کی بیہقی والی سند پر جرح کرتے ہیں اس کے راوی محمد بن مردان العدوی الصغیر کو متروک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو مقبول قرار دیتے ہیں یہ قطعی بالقبول ہے۔

③ علامہ شہاب الدین انخفاجیؒ (۸۹۹ھ)

وبما تقر فی هذه الاحادیث علم ان مصلی اللہ علیہ وسلم تبلغه الصلوة والسلام اذا صدر من بعيد وسمعها اذا كان عنده قبره الشريف بلا واسطة۔^۱
لانه صلى الله عليه وسلم في قبره يسمع دعاء زائريه۔^۲

ترجمہ۔ اور ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے۔ یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

④ حضرت علامہ عبد الرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ای بعیدا (ابلفتحہ) ای
اخبرت به من احد من الملائكة وذلك لان لروحه تعلقا بمقرب منه
الشريف وحرام على الارض ان تلچكل اجساد الانبياء۔^۱

ترجمہ۔ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا یا جاتا ہے فرشتہ میں سے کوئی مجھے اس کی اس کی اطلاع دے دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح اقدس کا آپ کے مقبرہ (قبر مبارک) سے ایک تعلق ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے۔

④ ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (۱۰۱۴ھ)

① ورواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید۔

ترجمہ۔ اس حدیث کو ابوالشیخ اور ابن حبان نے ثواب الاعمال میں سند حمید سے روایت کیا ہے۔

② من صلی علی عند قبری سمعہ ای سماعاً حقیقیّاً بلا واسطۃ۔

ترجمہ۔ جو مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور سنتا

ہوں بلا واسطہ۔

③ انه قد ثبت من صلی علیہ نائياً بلغه ومن صلی علیہ عند قبره سمعہ۔

ترجمہ۔ یہ ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے درود پڑھے وہ آپ کو پہنچا یا جاتا ہے اور جس نے آپ کی قبر مبارک کے پاس درود پڑھا اسے آپ خود سنتے ہیں۔

④ ان النواثر اذا صلی وسلم علیہ عند قبره سمعہ سماعاً حقیقیّاً ورد علیہ من

غیر واسطۃ۔۔۔ لما جاء عنہ بسند جید من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی

علی من بعد اعلتہ۔۔۔ ترجمہ۔ زائر جب آپ کی قبر کے پاس آکر آپ پر درود و سلام پڑھے تو

آپ اسے حقیقتہً سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں بلا واسطہ۔۔۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے سب جید بات پہنچی ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے

وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا یا جاتا ہے۔

⑩ علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۳۳ھ)

فانه يسمعها اي اذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم وتبلغ اليه اي
يبلغها الملك اليه اذا كان المصل بعيداً

⑪ قاضی شمس الدین پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر المنظہری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على
غائباً بلغته

⑫ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ (۱۱۵۹ھ)

انه يسمع من يسلم عليه

ترجمہ: آپ اس درود کو جو آپ پر (قبر کے پاس) پڑھا جائے خود سنتے ہیں۔
مولانا اسماعیل غزنوی نے آپ کے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اسے ان الفاظ میں پڑھیے:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرتؐ پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔
آل شیخ کے مقتدر عالم علامہ نجیب الدین محمد بن عبد اللطیف رقمطراز ہیں:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا رشتہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن بزخی زندگی کے ساتھ
اور شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر آپ کی زندگی ہے اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے وہ سنتے ہیں۔

⑬ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)

جو خود روضہ پر حاضر ہوں اور صلوٰۃ و سلام بالکل سامنے عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ و سلام

طحاوی مرقی علی الفلاح ص ۵۵ نمبر ۲ مظہری جلد ۱ ص ۲۲۴ اتحاد النبلاء ص ۴۵ ترجمہ سالہ از مولانا اسماعیل غزنوی ۱۹۲۷ء

آپ خود سنتے ہیںؑ

روضۃ اطہر پر حاضر ہو کر صلوة و سلام پڑھا جائے تو نبی کریم خود من کر جواب دیتے ہیں
یہ سند سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہےؑ

⑭ نواب صدیق حسن خاںؒ (۱۳۰۷ھ)

اسنادہ جید — اس حدیث کی سند جید ہےؑ

⑮ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

اخرجه ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید من صلی علی عند قبری سمعہ
ومن صلی علی فانیاً بلفظہؑ

⑯ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خود سنتے ہیںؑ
ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حضورؐ کے اپنی قبر مبارک پر سلام سننے کو تلقی بالقبول کا
درجہ حاصل ہے اور محدثین کا اس پر اتعلق ہے کہ تلقی بالقبول سے حدیث بلاشبہ لائق اعتماد ہو جاتی ہے اس حدیث
پر ابو الشیخ کی سند جید نہ بھی موجود ہوتی تو بھی یہی کی روایت تلقی بالقبول کے باعث لائق اعتماد ہے
محدث سہارنپوری نے بذیل المعجم جلد ۲ ص ۱۱۷ اور ص ۱۱۸ پر اور المہند علی المفید میں اپنے عقیدہ کو بڑی
وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے کرم قراؤں نے المہند کے خلاف القول المسند فی رد المہند لکھ کر
قوم کے سامنے بڑی بے کار بات پیش کی ہے۔

①۴ حکیم الامتہ مجدد الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

خود حضرت کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی کے روایت عبد اللہ بن مسعودؓ آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کر نیوالے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔

①۵ مولانا عبد الغفور غزنوی امرتسریؒ (۷۰۰) مترجم مشکوٰۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اجماعیت کا یہی اعتقاد ہے۔

①۶ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب التعليقات السلفیہ

انما احياء في بيوتهم يصلون وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم من صلى على
عند قبري سمعته ومن صلى على نائياً بلغته

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھے
میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ
صلوٰۃ و سلام صحیح ہے اور اس بلوغ اور (سلام) کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

المبحث الخامس

علامہ ابن عبد الہادی کا اُسے قبول کرنا

علامہ ابن عبد الہادی کی نظر ابو الشیخ کی سند پر نہیں گئی۔ ان کے پیش نظر امام بیہقی والی سند ہی تھی آپ نے محمد بن مروان صدی صغیر پر بڑی سخت جرح کی ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر نہیں بھی چارہ نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر ابو الشیخ والی سند نہ بھی ہوتی تو بیہقی کی روایت ان کے ہاں دوسرے شواہد کی روشنی میں تلقی بالقبول کا درجہ پا چکی تھی۔ کیا محدثین اور کیا فقہاء کیا احناف اور کیا شوافع کیا موالک اور کیا حنابلہ، پوری امت میں کوئی مقتدر عالم ایسا نہیں ملے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع بلا واسطہ کا قائل نہ ہو۔ فرشتے کا توسط صرف دور کے سماع کے لیے ہے اور اس کی اختلاف نہیں۔ علامہ طحاوی لکھتے ہیں:-

يبلغها الملك اذا كان المصلي بعيداً ۱۔

ترجمہ: فرشتہ اس صورت میں درود و سلام پہنچاتا ہے جب کہ درود بھیجنے والا قبر مبارک سے دور ہو۔
علامہ ابن عبد الہادی لکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں:-

وهو صلى الله عليه وسلم يسمع السلام من العتب وتبلغه الملكة الصلوة والسلام من البعد ۲۔

ترجمہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک سے سلام خود سنتے ہیں اور فرشتے وہ صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں جو دور سے پڑھا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبد الہادی سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہیں۔ آپ کو امت کی

چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہلسنت کہلائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد البہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

فلما ذلک الحدیث وان کان معناه صحیحاً فاسنادہ لا یحتج بہ وانما یثبت
معناه بالحدیث اخر فانه لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان
السدی صغیر عن الاعمش کما ظنہ البیهقی وما ظنہ فی هذا متفق علیہ۔
ترجمہ : اور یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں
جس سے احتجاج کیا جاسکے یہ معنی کہ حضورؐ اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں۔ دوسری
احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تکمیل حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش
کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوتی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو
خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان یہ روایت لے رہا ہے ،
انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اساتذہ سے
اس ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو سچ کہیے اس میں ابو معاویہ جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی
ہیں اور وہ کونہ جیسے مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا
شخص اس شخص پر حجت نہیں جیسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں واقعی محمد بن مروان منفرد ہے۔ اس کا کوئی متابع نہیں لیکن اس کا
مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا اور
کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے اس کے اپنے طریق اور علم کے
مطابق درست ہے۔

اب کوئی شخص بیہقی کے طریق میں ابو معاویہ کو داخل کرے تو کیا یہ واقعی موضوع روایت نہ ہوگی؟ بیہقی کی سند میں علاء بن عمرو الحنفی محمد بن مروان ہے اور وہ ہمیش سے اس حدیث کا راوی ہے۔ یہ سند محمد بن مروان کی وجہ سے واقعی ضعیف ہے گو یہ ضعف دوسرے شواہد سے دور ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یوں بیان کرے، علاء بن عمرو الحنفی عن ابی معاویہ عن الأعمش تو اسی سند کو موضوع کہنے سے چارہ نہیں رہے گا لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام بیہقی کی محمد بن مروان بن الأعمش والی سند موضوع ہے وہ موضوع نہیں ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت موضوع ہوتی تو امام بیہقی اسے روایت کرنے کے بعد یہ نہ فرماتے۔

ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدعي فيما ادى ونيه
نظرو قد مضى ما يوكده

ترجمہ: یہ ابو عبد الرحمن جیسا کہ میں سمجھا ہوں محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور اس کے لائق محبت ہونے میں کلام ہے اور وہ روایات پہلے بیان ہو چکیں جو اس روایت کی تائید کرتی ہیں۔

معلوم ہوا امام بیہقی کو پوری طرح معلوم ہے کہ محمد بن مروان پر کس طرح کی جرح ہے۔ بایں ہمہ وہ اسے کلیۃً ترک نہیں کرتے۔ دوسرے شواہد سے اسے مؤکد کرتے ہیں اور یہی محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ ایک سند کی کمزوری کو دوسرے قرائن سے منبج کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس حدیث کے ظاہر معنی سے خود ابن عبد الہادی کو بھی انکار نہیں۔ تو اب کسی عالم کو اس انکار کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔ سو یاد رکھیے امام بیہقی کی روایت فنی نقطہ نظر سے متروک نہیں مؤکد ہے۔ عباتے حق کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بیہقی کے الفاظ وقد مضى ما يوكده کو کبھی نہ تبدیل کریں اور بیہقی کی اس روایت کو ہرگز نہ پھوڑیں۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں رسالہ "حیات الانبیاء" میں لکھی ہے

اور اس وقت ان کا مقصد اس رسالہ سے کہ امتیہ کا رد تھا۔ آپ کا اس رسالے میں اس حدیث کو لانا جتنا ہے کہ آپ کے ہاں اس حدیث میں مخالفین کے سامنے محبت بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے اسلحا خود اس پر جرح کی اور معنی خود اسے قبول کیا ہے۔ اور کوں ہے جو اس کا انکار کرے؟

اہل سنت کے مختلف مسالک میں جو اختلاف ہے وہ فروع کا ہے اصول کا نہیں۔ کرامیہ اور معتزلہ شیعہ اور خوارج سے ہمارا اختلاف اصولی درجے کا ہے۔ فروعی اختلاف خطا اور صواب کے درمیان دائرہ ہوتا ہے۔ مگر اصولی اختلاف میں ہمیشہ حق اور باطل کے فاصلے ہوتے ہیں۔

امام بیہقی سے اگر ہم نے فروع میں کبھی اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصولی مسائل میں بھی ہم ان سے اختلاف کرنے لگیں۔ اصول اسلام میں سب صحابہؓ، سب ائمہ اور سب علماء ایک ہیں اور ہمارے یہ سب اسلاف اکابر اہل السنۃ والجماعہ ہیں۔

ابوالشیخ کی سند تو امام بیہقی کی سند کے علاوہ ہے اور اس کے سب راوی سچے اور قابل اعتماد ہیں محدثین سے اسے بالاتفاق جتہ مانا ہے۔ مگر افسوس کہ اس پر ہمارے کرم فرمایہ بحث لے اڑے جتہ ہی تو کہا ہے صحیح نہیں کہا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

جتہ اور صحیح میں فرق

امام ابن الصلاح (۷۴۳ھ) اصول حدیث کے مسلم امام ہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح اس فن میں آپ کا شاہکار ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحیح اور جتہ ایک ہی درجے میں ہیں۔ علامہ بلقینی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

لے محدث ابن عبد البر (۴۶۳ھ) ایسے موقع پر حدیث پر صحت کا حکم لگاتے ہیں۔ قاضی شوکانی ان سے ایک بحث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقي العلماء له بالقبول فردّه من حيث

الاسناد وقبله من حيث المعنى۔ (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۰۰)

من ذلك يعلم ان الجودة يعبر بها عن الصحة.

ترجمہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو جتید ہونے سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ جس طرح مختلف اُمادیث پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں، آپ نے اپنی سنن کے ابوابِ القَب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے۔
هذا حديث جتيد غريب.

دعویٰ غرابت اور اس کی وضاحت

حافظ ابن قیمؒ نے ابوالشیخ کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کرم فرما اس حدیث کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں۔ ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔ اس حدیث کی اکثر روایات میں اُبلغتہ یا بلغتہ کے الفاظ ہیں۔ متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہتی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے۔ لیکن ابوالشیخ کی روایت میں اعلتہ (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغتہ میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلتہ میں یہ مضر ہی نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایات میں ابلغتہ کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلتہ کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی مضر نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباہی نہیں۔ مشکوٰۃ تو ہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہے ہی اٹھا کر دیکھ لیں۔

ان الغرابة لا تنافي الصحة. حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔

کیا صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے۔

فرع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیدہ وقال اللہ اکبر خربت خیب... قال ابو عبد اللہ دع فرع

یدیدہ فانی اخفق ان لا تکن محفوظا وان کلن فیہ فرع یدیدہ فانہ غریب جدا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مروان صدی صغیر جو امام بیہقی کی سند کا راوی ہے، اس پر مشتمل سند کو

کمزور تو کہا جاسکتا ہے موضوع نہیں اور ابوالشیخ کی سند تو بالاتفاق جتید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۹۶۷ء کی اکتوبر کی اشاعت میں ہے :-

اس حدیث کی جو سند صدی صغیر پر مشتمل ہے، اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور

کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے۔۔۔۔۔ بلا علی قاریؒ

انہی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قال مبرک نقل عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ

..... باسناد جتید۔

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ آپ کو کوئی جلیل القدر عالم اس کا

مخالف نظر نہ آئے گا۔ ہاں کسی خطیب اور واعظ کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام

کی بھی تو کچھ ذمہ داری ہے کہ وہ آواز اور خطابت کے دام میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری علیہ

رحمۃ ربہ الباری فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں۔

وفیہ اشعار بان من خالف السنۃ وان کلن فی الظاہ من ینا خطیبا مکوما

عند الناس فهو فی الحقیقۃ نجس اخس من الکلب۔

ترجمہ۔ اور اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے

گو ظاہر وہ بڑا بنا ٹھنڈا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اپنے لوگوں میں اس کا

مقام بھی ہو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ خیس ہے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۱ ۲۔ ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۳۷ ۳۔ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷

(ماخوذ از حیات الانبیاء ص ۱۴۲)

یہ ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی ہوتی تو اصولاً سیہتی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی۔ اس لیے کہ اونچے درجے کے علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کر لیں وہ دوسروں کے لیے حجت ہو جاتی ہے اور فقہاء کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

① حافظ ابو بکر الجصاص (اللازی د ۴۷۰ھ) ایسی ہی ایک روایت پر لکھتے ہیں:-

ان الفقہاء قد تلقت هذا الحديث بالقبول وعملوا به فثبت حجه

بقبولهم له كقوله عليه السلام لا وصية لوارث بلہ

② حافظ ابن عبد البر المالکی (۴۶۳ھ) بھی اس اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتد ٹھہراتے ہیں۔ قاضی شوکانی (د ۴۷۰ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقى العلماء له بالقبول بلہ

ترجمہ۔ اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبد البر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

③ علامہ ابن عبد الہادی (۴۴۴ھ) حدیث من صلی علی عند قبری کو ضعیف کہتے ہیں (گو ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں) لیکن وہ اس کے معنی سے بدتعلق بالقبول پر ہی طرح متفق ہیں۔ حدیث کی سند کا مکمل فیہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط ہونا اور بات ہے۔ اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تعلق بالقبول سے کبھی کوئی حدیث اعتماد کا درجہ نہ پاتی۔ تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چیزیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) جید سند کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس کے جید السند ہونے کا علمائے کبار کی ایک جماعت نے اقرار کیا ہے۔

المبحث السادس

ارشاد العوام لعرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام علی خیر الانام عرض کرنے کے لیے ماضی ہو اور مومن یہ سعادت پالے کہ اس کی آواز حضورؐ کی سماعت کے شرف سے مشرف ہو جائے تو وہ اسے حضورؐ کی خدمت میں حاضری سمجھے۔ یہ تصور لے کر نہ آئے کہ وہ ایک میت کے لیے دعا کرنے آیا ہے یہ صحیح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات آئی۔ آپ پر اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اب آپ میت نہیں ہیں، بعد الوفاات زندہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضورؐ کی قبر کی زیارت کی اور یہ سمجھے کہ حضورؐ اس قبر میں میت ہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک ایسا کہنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ صورت حال یہ نہیں۔ حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے کا صلوٰۃ و سلام خود سنتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں فروع و احکام کے اختلافات تو ہیں۔ اصول و عقائد میں چاروں امام اہل السنۃ و الجماعت میں سے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ان مجتہدین کا عقیدہ ہم معتقدین پر حجت ہے علامہ سمہودی حضرت امام مالکؒ کا فتوے نقل کرتے ہیں :-

نقل عن الامام مالک انه كان يكره ان يقول رجل نزلت قبر النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن رشد من اتبعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموقف وهو صلى الله عليه وسلم احياء الله تعالى بعد موته حياة تامه.

ترجمہ حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) سے منقول ہے آپ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے میں نے بنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا نطق عام طور پر موتی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نوازا رکھا ہے (ان کے لیے زیارت کا نطق کیوں؟) فقہاء احناف احتیاطاً اس مقام پر زیارة النبی یا زیارة الرسول کا عنوان اختیار فرماتے ہیں یہ حاضری قبر پر حاضری نہیں، آپ کی خدمت میں حاضری ہے اور نہیں تو نور الایضاح جو عام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی میں دیکھ لیجئے :-

يُبَغْيُ لِمَنْ تَحْضُرُ زِيَارَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْثُرَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ
فَإِنَّهُ يَسْمَعُهَا ۱

ترجمہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہے اسے چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضورؐ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روضہ اطہر پر حاضری آپ کی خدمت میں حاضری ہے۔ حضورؐ کی خدمت میں بایں تصور جانا کہ حضورؐ میرے لیے اللہ رب العزت سے مغفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے حضورؐ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضری کا ایک موضوع یہ بھی تھا :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوْجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (پہلے انصار ع ۹ آیت ۶۴)

ترجمہ اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ رسول کے بھی ان کے لیے استغفار چاہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرے اور بہت مہربان پائیں گے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہے۔ یہ اسی صورت میں مقصور ہے کہ وہ حضورؐ کو روضہ انور میں حیات سمجھے۔

محدث کبیر حضرت مولانا طہر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ ثابث ہوا کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

حضورؐ کی قبر مبارک پر حاضری کی تمنا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ بجز العلوم عبد العلی یہ دُعا بدیں الفاظ

لکھتے ہیں :-

وارزقنی من زیارة رسولک صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ اور مجھے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی زیارت نصیب فرما۔

سوجب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی خدمت میں حاضری ہے تو وہاں صلوة و سلام عرض کرنے

کے ساتھ حسب آیت کریمہ واستغفر لہم الرسول استغفار کی گزارش بھی بلا تردد جائز ہوگی اور شفاعت کے لیے عرض کسی طرح بے جا نہ ہوگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

فقہائے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت پیغمبر کا عرض کرنا مکھیا

ہے۔ پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱ھ) نے قبر اطہر پر حاضری کے لیے آداب بتائے ہیں۔

کہ یہ قبر پر حاضری نہ رہے اس میں حضورؐ کی خدمت میں حاضری کی جھلک آجائے۔ اس صورت میں قبر کی

زیارت کے الفاظ موجب کراہت نہ رہیں گے۔ کیونکہ حکم کی علت جاتی رہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تیرا چہرہ

قبر کی طرف رہے اور تو کہہ السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ — اور یہ اس تصور کے

ساتھ کہ حضورؐ قبر شریف میں اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہیں — اور آپ پر کثرت سے درود

شریف پڑھے اور یہاں تک کہ توبہ کرے اور آنسو نکل آئیں :-

و یجتہد فی خروج الدمع فانہ من امارات القبول و ینبغی ان یتصدق بشئ

علی حیران النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یصرف متباک یا متعسراً علی الفراق
 الحضرة النبویة والقرب منها ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة یقول
 یا رسول اللہ اسألك الشفاعة یا رسول اللہ اسألك الشفاعة وأتوسل بك الی اللہ
 ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک ویزکر کل ما کان من قبیل استعطاف
 ترجمہ۔ اور وہ آنسو لانے میں جہد کئے یہ آنسو دعا کی قبولیت کے آثار ہیں اور یہ بھی چاہیے کہ
 وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں پر کچھ صدقہ کئے۔ پھر وہ روتا ہوا وہاں سخت
 ہو۔ دربار نبوت کی جدائی اس پر گراں اور اس کا قرب اس کا تقاضا ہو پھر وہ نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں شفاعت کی درخواست کرے۔ اے اللہ کے رسول! میں
 آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور میں آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور لاتا ہوں
 کہ میں آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر سہماں رہتے ضرور اور ہر وہ بات یاد کئے
 جس سے نرمی اور نیاز مندی میں اضافہ ہوتا ہو۔

امام ابن ہمامؒ نے اس سے پہلے سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ (۲، ۷۷) کی یہ حدیث نقل کی ہے۔
 روی ابو حنیفہ فی مسنده عن ابن عمر قال من السنة ان تأتي قبر النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم من قبل القبلة وتجعل ظہرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک
 ثم تقول السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں سنت یہی چلی آ
 رہی ہے کہ تم حضورؐ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ۔ ہتھاری پشت قبلہ کی طرف رہے
 اور قبر مبارک سامنے ہو اور پھر وہاں سلام عرض کرو۔

سو امام ابن ہمامؒ کا مذکور فقوئے بلا اصل نہیں ہے۔ اسے ایک جلیل القدر صحابیؒ کی سند

حاصل ہے۔

قبر مبارک پر حاضری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھئے کہ یہ غائبانہ پکار ہے اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ روضۃ النور پر عرض کی گئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی ستمبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ہے۔

عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔
اللہم صل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین۔

ہذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

(مولانا) عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی
اجواب الصحیح
لاشی (مولانا) غلام الشرحاں
۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ

مہر دارالافتار

حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

آہستی جس ادا سے اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات پیرایہ شریعت کے خلاف نہ ہو لیکن جو کلمات علمائے محققین نے لکھ دیئے ان سے سلام کہے تو بہتر ہے۔ حافظ ابن ہمام الاسکندری نے یہ چھ سلام لکھے ہیں۔

① السلام علیک یا رسول اللہ ② السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔

③ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ ④ السلام علیک یا حبیب اللہ۔

⑤ السلام علیک یا سید ولد آدم ⑥ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر اہمّتی اپنے عقیدہ توحید و رسالت کا اقرار اور حضور کے احسانات کا بایں طور اعتراف کرے
اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے :-

یا رسول اللہ انی اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ — وانک عبدہ
رسولہ — واشہد انک یا رسول اللہ قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ
ونصحت الامۃ وکشفتم الضمۃ فجزاک اللہ عناخیرا جازاک اللہ عنا
افضل ما جازى نبیاً عن امتہ۔

اللہم اعط سیدنا عبدک ورسولک محمدًا الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ
العالیۃ الرفیعۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ وانزلہ المثل
المقرب عبدک انک سبحانک ذوالفضل العظیم۔

اس کے بعد اپنے لیے رقت کے پیرایہ میں اور چھلکتے آنسوؤں سے شفاعت کی درخواست
کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضور یہ اہمّتی اب آپ کے بغیر کس منہ سے اللہ کے حضور
ماضر ہو۔ آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کبرئے کے مقام پر آپ کے سوا کوئی
نہ آسکے گا۔

اہمّتی پھر ان دوستوں کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر میں سلام عرض
کرنے کے لیے کہا تھا اور خالی جگہ میں اس کا نام مع ولایت کے ذکر کرے۔
السلام علیک یا رسول اللہ من ————— بن —————

گنبدِ خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام ہو

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ اب شیخین کریمین سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ
پر بھی سلام عرض کرے۔ یہ حضرات گواہی دیتے ہیں کہ ان کا قبر پر سننا قطعی ہو۔ لیکن بایں سبب

کہ حضورؐ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا خیر ایک مٹی سے ہوا۔ کما رواہ الخطیب۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبدِ خضریٰ پر عرض گئے سلام کو سنتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں۔ ابن ہمام لکھتے ہیں:-

یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے اور ان کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

ويبلغه سلام من اوصاه فيقول السلام عليك يا رسول الله من فلان ابن فلان
يستشفع بك الى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين

ترجمہ۔ اور زائر حضورؐ کو اس کا سلام پہنچاتے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے حضورؐ فلاں بیٹا فلاں کا سلام عرض کرتا ہے اور آپؐ شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے۔ انبیاء۔ تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اوروں کے بعد الوقات اپنی قبروں پر سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کاہلین اور شہداء و صالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں اور جو دوسرے اس سے متفق نہیں، انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قائل اسلام میں قطعی اور یقینی وجہ رکھتا ہے۔ اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:-

قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے معترضین اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جو انہیں ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے زیارتِ قبر کے شفاعتِ مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

ہمارے دور کے کرامی حضرات نے اپنے اس موقف کو قطعیت دینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا معارضہ ڈالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مروجہ نہیں سنتے اور قبر پر صلوٰۃ و سلام سنے جانے کی روایات قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں، نامناسب نہ ہو گا کہ چلتے ہوئے ہم اس معارضے کو بھی اٹھاتے جائیں۔

ان تدعوهم لا يسمعوا دعاءكم ولو سمعوا ما استجابوا لكم ويوم القيامة يكفرون بشرككم ولا ينبئك مثل خبير۔ (پ ۲۲، فاطر ع ۲ آیت ۱۴)

ترجمہ۔ اگر تم ان کو پکارو، نہیں سنیں گے تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتلائے تجھے جیسے ذات خیر تجھے بتلا رہی ہے۔

ومن اضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيامة وهم عن دعاءهم غافلون۔ (پ ۲۲، الاحقاف آیت ۴)

ترجمہ۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو جو نہ پہنچ سکے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔

① — ان دونوں آیتوں میں کہیں پاس سے سننے کی نفی نہیں — دونوں جگہ پکار سننے کی نفی ہے، پکار کے کہتے ہیں دُور سے بلانے کو — دُور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سنتے — سو ان آیتوں سے حضور کی قبر مبارک پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو نہ سنے جانے کے معرض میں لانا اور ان کے اسے سننے کی نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے۔ یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اہل علم کے ہاں اس کا کچھ وزن نہیں۔ جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو قہوم قہوم کہ پڑھنا اور اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا امر دیکھ ہے۔ ولست باقول قارورة كسرت في الاسلام فليبك على الاسلام من كان باکیا۔

② ————— پھر ان تدعوہم سے براہ راست انبیاء و شہداء مراد لینا اور یہ کہ وہ کہیں بھی سنتے نہیں کیا ہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آئی ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء اور شہداء کو ٹھہرانا سلف صالحین کا کیا ہی طریق تھا اس پر بھی کچھ غور فرمائیے۔

کیا تفسیر مدارک جلد ۳ صفحہ ۱۴ پر ان میں بتوں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۵ میں یہ نہیں لکھا۔ لانہما جمادات لا ارواح لہما۔ کیا روح المعانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟ قاضی شاکر کا فی کولیمے لکھنا جمادات تفسیر فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۴۴۲ کیا آپ کے سامنے نہیں۔ مفسر حقانی نے لکھا ہے۔

اگر تم اُن کو پکارو، وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔

کرامی ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لا یسمعوا دعاءکم کی بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضور اپنے روضہ پر عرض کئے گئے صلوة و سلام کو نہیں سنتے۔

③ ————— پھر غافلون کا یہ معنی کرنا کہ ”انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا“ کیا صحیح ترجمہ ہے یا مراد یہ ہے کہ انہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

لقد كنت في غفلة من هذا فكشفنا عنك غطلك فبصرك اليوم حديدہ

(پ ۲۶ اق ع ۲)

ترجمہ تو بے خبر ہوا اس دن سے سوہم نے اٹھا دیا تیرا پردہ۔ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبرؐ جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھانی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے۔ سو یہاں غفلت کا معنی یہ نہیں کہ پتہ ہی نہ ہو۔ یہاں نفی دھیان اور توجہ کی ہے۔ دھیان کی نفی اور شعور کی نفی اس سے ہوتی ہے جو فی الواقع زندہ ہو مگر ادھر دھیان نہ ہو۔ اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے رہے ہو وہ موردِ موت ہیں یا اصلاً بے جان ہیں جن میں حیات کبھی آئی ہی نہیں اور انہیں خبر تک نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے و ما یشرعون ایتان یبعثون۔

وہم عن دعائهم غافلون سے کیا یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ انہیں کوئی اس طرح دھیان نہیں اسے نہ سننے کی دلیل بنانا اور اسے اس پر قطعی الدلالتہ ٹھہرانا معلوم نہیں کون سی شانِ علم ہے کفار سننے تو تھے دھیان نہیں دیتے تھے۔ اسی پر انہیں کہا گیا۔ لقد کنت فی غفلة من هذا۔ افسوس کرامی حضرات وہم عن دعائهم غافلون کا ترجمہ کرتے۔ اس آیت لقد کنت فی غفلة من هذا کو یکسر محمول جلتے ہیں۔

یاد رکھیے آیات کے عمومات سے دعویٰ ابطال احادیث یہ طریقہ کبھی بھی اہل حق کا نہیں رہا۔ سب سے پہلے معتزلہ آئے جنہوں نے یہ ہتھیار اٹھایا اور آج ان کی شاخ کرامیہ اسی راہ سے حدیث کا مذاق اڑا رہی ہے۔

ہم بصمیم قلب یقین رکھتے ہیں کہ حضورؐ روضہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سننے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور کرامی حضرات آپ کے نفی سماع پر جو آیات پیش کرتے ہیں ان آیات میں انبیاء کرام کے عند القبر سماع کی ہرگز نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ وہی کچھ سنتے ہیں جو اللہ چاہے اور وہی کچھ کہہ سکتے ہیں جو اللہ چاہے اور آپ پر عرض صلوٰۃ و سلام کرنے والے اسی عقیدے سے آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔ ہماری آواز آپ کی سماعت

سے مشرف ہو اس سے بڑھ کر ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں؟
 مولانا حسین علی مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہ تھے۔ آپ کے خلیفہ عظم
 حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں پھیلا ہے
 لکھتے ہیں:-

میں اور مولانا غلام اللہ خاں عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے
 بعد برزخی حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں
 کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی سنتے ہیں اور جواب
 دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن
 میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات
 میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سننا اور ہر
 جگہ سے.....

مولانا عبدالرحمن جامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضری دیتے تو درود و سلام
 کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقت واپسی عرض کرتے:

خواجه بسفرے روم چہ فرمائی
 ”آقا میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے۔“ جواب ملا۔
 بسلامت روے و باز آئی

”سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں“

ایک سال صرف یہ جواب ملا ”بسلامت روی“ پھر آنے کی بات نہ آئی اور واقعات نے
 بتایا کہ یہ آخری حاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود و سلام ہی نہیں سنتے نعت بھی سن لیتے ہیں اور عرضداشت بھی۔
 اور یہ سب سننا اور سننا اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔

مولانا عبدالرحمن جامیؒ کی بات اگر آپ کو پسند نہیں تو صحابی رسول حضرت بلال بن الحارثؓ (۶۰ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضہ اطہر پر حضور اکرم کو یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا۔

یا رسول اللہ استسق لامتك فانهم هلكواؓ

ترجمہ۔ یا رسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں ۱۸۰۰ھ کا ہے۔ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا۔

انت عمر فاقرأہ السلام واخبرہ انہم مسقونؓ

ترجمہ۔ آپ عمر کے پاس جائیں اور اسے میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ لوگ بارش سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہوا صحابہؓ روضہ انور پر صرف صلوٰۃ و سلام ہی نہیں کہتے تھے کوئی اور عرضداشت (بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی) پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے۔ حضرت امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاذ یہ محمد بن غازم سے لی ہے اور یہ وہی سند ہے جو

حدیث من صلی علی عند قبری سمعته کی بطریق ابی اشیخ ہم پیش کرتے ہیں۔

ابو سعادیہ محمد بن الحازم (۱۹۸ھ) اعمش (۱۲۸ھ) ابو صالح ذکوان السمان
اُس حدیث کو ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس حدیث کو حضرت
مالک الدار سے نقل کرتا ہے۔ حضرت مالک الدار کو علامہ ذہبی صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس میں کوئی
شک نہی کہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت بلال بن الحارثؓ کا دور پایا ہے۔ سو
یہ سند متصل ہے اور اس کی جملہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے تاریخ الملک والامم جلد ۴ ص ۹۸ میں اسے نقل کیا ہے۔ پھر امام
بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن اثیر جزیری (۶۳۰ھ) نے اپنی
تاریخ میں الکامل جلد ۲ ص ۵۵۶ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ آئیے اب آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں
علامہ سبکی نے شفاء السقام ص ۱۳ میں اس کی شہادت دی ہے۔ پھر حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ) نے امام
بیہقی کی روایت البدایہ میں پوری سند سے نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ ہذا سند صحیح ہے۔
ابن ابی شیبہ کی سند کی حافظ ابن حجر مستطانی (۸۵۲ھ) پوری تصدیق کرتے ہیں۔

رواہ ابن ابی شیبہ باسناد صحیح من دواۃ الحج صالح السمانؒ

پھر علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) نے وفاء الوفاء میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے جلد ۲ ص ۴۱

روضہ النور پر سلام بہ پیرایہ خطاب

سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر فرماتے تو یوں سلام عرض کرتے۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔

اور شیخین کو یمن پر بھی یوں سلام پڑھتے۔

السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ابیبتاہ

الباب الثانی ذیہ خمسہ فصول

الفصل الاول

مسک خلفائے راشدینؓ

شان و رُودِ خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حنور پیغمبرِ خاتم کی امدادِ بیث شریفہ روضہ منورہ کی حیاتِ جہانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکیں۔ اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفاتِ البنیؓ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی زبان فیضِ ترجمان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیاتِ البنیؓ کا فیصلہ بھی اسی خطبہ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرتِ نبوت کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ پہلے شان و رُود دیکھئے :-

نزولِ وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دُنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلبِ منور پوری طرح عالمِ بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ ان انکشافات میں بظاہر غشی وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمامِ وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیتِ ملکی سے کیفیتِ بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلبِ مبارک پر نزول فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرتؐ پر جب اذاتِ موت کا وعدہ الہیہ پورا ہوا تو بعض صحابہؓ نے اس وُردِ وفات کو

مذکورہ ساقبہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، آپ انہیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دُنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بنا بریں انہوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پر وفات شریفہ کے وارد ہونے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

①— کیا وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

②— ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضور پر وُردِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

③— انہیں وُردِ موت کی پہچان نہ تھی، کیفیت وُردِ موت اور آثارِ موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

④— اس انکارِ موت کا منشاء و مبنی کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ذکی الطبع، سلیم الحس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صفت میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس انکارِ موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے کہ شاید وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں، اگر قلبہ محبت ہی اس کا باعث تھا تو حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رو میں بہ جاتیں، پھر حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر اور نزاکت شناس سے بالکل مغلوب الحاح ہو جانے کی توقع بھی کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز ان کا استدلالی پہلو کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ ان کے حواس میں اختلال ہرگز نہ تھا۔ ورنہ یہاں وہ کوئی اجتہاد کمرے نظر نہ آتے۔ خود

لے مامات رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يموت حتى يقتل المنافقين (ابن ابی شیبہ کافی القسطلانی)
فلیقطعن ایدی رجال وارجلهم (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۷)

فرماتے ہیں :-

والله ان كنت اظن انه صلى الله عليه وسلم سيدى فى امته حتى يشهد عليه

بأخراعمالها وإنه هو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت .

رواه البيهقي وراجع له تفسير «و كذلك جعلناكم امة وسطا»

اگر دوسرے احتمال کو جگہ دیجئے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضورؐ پر ورودِ موت کبھی ہونا ہی نہ تھا، یعنی وہ حیاتِ بلا وفات کے قائل تھے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس انکارِ وفات کی وجہ وجہ حضرت فاروقِ اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتی ہے

ثانیاً حضرت فاروق اعظمؓ خود حافظِ قرآن تھے۔ اُنک میت و انہرمیتوں افان مات
او قتل وغیرہما من الایات ان سے معفی نہ تھیں۔ پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ
تھا۔ ان کا علم و فہم بھی کچھ شائبہ نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ پر یقیناً لذتِ موت کا وعدہ الہیہ پورا
ہوگا۔ حضرت امام شہاب ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں :-

باید دانست که قصه دلالت می کند بر آن که فاروق می دانست که موت بر آن
حضرت شدنی است پس مخالف آیت انک میت وانتم میتون اعتقاد نه
کرده بود، لیکن گمان می کرد که آنچه واقع شده است موت نیست بلکه تعطیل حواس
ظاهر است. ل

ترجمہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ دُرودِ موت آنحضرتؐ پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت اَمَّا مِيتُ الْخ کے خلاف ہرگز نہ تھا، لیکن وہ خیال کر رہے تھے کہ یہ عورت پیشِ افتادہ موت نہیں، بلکہ صرف اُثرِ حیات روک لیے گئے ہیں۔ یعنی جو کچھ واقع ہوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

اگر تیسرا احتمال سامنے رکھئے کہ انہیں ورودِ موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرین قیاس

نہیں۔ ماحولِ عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے۔ ہزاروں سالوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا، موت کی کیفیات بھی کچھ اُن سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔ پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشاء کیا ہے؟

حقیقت الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں اس دنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیاتِ کلیۃً منتفی نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالمِ برزخ میں انتقال ہو سکے اور پردہٴ قبر میں تشریف لے جاسکیں، حضرت فاروقِ اعظمؓ کی نگاہیں اس حیاتِ قلب تک پہنچ رہی تھیں، جو زیرِ پردہٴ مستور تھی (آخر متحد شیت کا مقام کچھ کم منبعِ عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے، اس وجودِ حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی، جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورتِ پیشِ افتادہ اور حالتِ واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ بھی باقی ہے۔ پیشتر ازیں وہ آیت شریفہ **انک میت و انتم میتون** کے پیش نظر آپ پر قرآنِ موت کا تتبع نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورتِ پیشِ افتادہ اور کیفیتِ واقعہ ہی کو وفاتِ نبویؐ کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپ پر ورودِ وفات کی پیشگوئیوں یا امکان کا بیان تھا، ان کا منشاء اسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عمومی مفہوم میں نہ تھیں اور انہیں شرحِ صدر ہو گیا کہ ان آیات شریفہ کا منشاء وفاتِ نبویؐ کے متعلق کیا ہے فرماتے ہیں کہ

ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا :-

”گویا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں“

مقام غور ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضورؐ کے متعلق وعدہ موت اگر اپنی معنوں میں ہوتا، جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی، تو حضرت فاروق اعظمؓ عافظ قرآن اور نہایت ذکی البطیع ہوتے ہوئے یہ ہر گزارشاد نہ فرماتے :-
کاتی لم اقرأھا الا یومئذ۔

ترجمہ گویا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاحب ہے کہ آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا ورود کچھ ایسے طریق سے ہوا، جو عام دوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جب میت سے قرآن موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔ آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا، جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرآن موت سے تطبیق محال تھی، وہ ان قرآن کو غشی سمجھتے رہے۔ کیونکہ ان کے حاشیہ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے، جو عام طور پر معروف ہیں اور جس مستی مقدس کو راز دار نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، ورود وفات سے متصادم نہ جاننا تھا۔ اس وجود حیات اور وقوع وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا۔ اعلان فرمایا :-

فان محمداً اقدمت

ترجمہ حضورؐ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ ہی کو وفات پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرآن موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر ورود وفات کے قائل ہو

گئے۔ باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

معنی قول اُد کا فی لہ اسمعہا ایں است کہ استماع ایں آیت مائل گہ دانید اور را بہ

تتبع قرآن و پیش ازیں میلان باں نہداشت

ترجمہ۔ آپ کے اس ارشاد ”گویا کہ یہ آیت میں نے پہلے سُنی ہی نہ تھیں“ کا مطلب

یہی ہے کہ اس آیت کے استماع نے انہیں تتبع قرآن کی طرف متوجہ کر دیا کہ

یہ صورت پیش افتادہ ہی اس آیت شریفہ کا مورد ہے، اور پیش تر ازیں آپ

کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکار وفات کو عام جذبات

محبت پر بحمول نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے۔ صورت پیش افتادہ میں ان

حضرات کریمین کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا غشی اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرآن سے اسے آیت

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ حَيُّونَ سے منطبق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کوئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ

مختلف تھی۔ ورنہ اول و ثلثہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپؐ پر موت اسی طرح آنے لگی جس طرح عام دوسرے انسان پر

آتی ہے اس لیے ہنوز وہ نہیں آئی جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ

وفات پر بھی آپؐ کی خوشبو کا اسی طرح پھیلے رہنا جس طرح کہ آپؐ کی دنیا کے مین حیات تھی آپؐ کی ایک

عبد قسم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پر آپؐ کے اس عالم سے اس عالم میں منتقل ہونے کا اقرار

کرنا ہوگا۔ جو حضرت عمرؓ نے بالآخر کر لیا اور اسی پر سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح درود وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت

قرار پاتی کہ آپؐ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام ایسے دوسرے موقعوں پر کیا جاتا

ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔

تنوعِ موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرام نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا

اختصاصاتِ لوفاۃ سید الکائنات

① — آپ کو آخری غسل پہلے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا۔ گرتہ تک جبہ اطہر سے نہ اتارا گیا۔

② — نمازِ جنازہ بھی عام امواتِ مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی، بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا کیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نمازِ جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

③ — اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدِ حکمِ شریعت میں ہے، اس کے خلاف قرینا پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

④ — پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیزِ مسکن، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنا دیا گیا اور آپ اسی میں دفن کئے گئے۔

⑤ — اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ کی اہلک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

②۔۔۔۔۔ اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مہکونہ حجروں کو تازہ لیت اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ کے اطلاق سے اپنا نفقہ تا حیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے۔ حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی ارشاد فرماتے ہیں۔۔
 ”ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہوگا۔“

تنوع موت پر دوسری شہادت

سوال: کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ کیجئے کہ کیا شریعت مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟
 جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:-
 النوم اخو الموت

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

۱۔ جامع فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۳ مصر) یراجع حدیث النوم اخو الموت ولا يموت اهل الجنة من الجامع الصغیر (تحیة الاسلام للشیخ الافور ص ۳۳) وكذلك فی کتاب الروح ص ۵ والتعلیقات علی النبراس ص ۳۲۳

اگر انبیاء اور غیر انبیاء میں "تنزع نیند" ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں "تنزع موت" کیسے ثابت نہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
ان عینی تمامان ولا ینام قلبی ۛ

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا :-
انا معاشر الانبیاء تمام اعیننا ولا تمام قلوبنا ۛ

ترجمہ: ہم لوگ جو انبیاء ہیں، ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔

و كذلك الانبياء تمام عینا هم ولا تمام قلوبهم ۛ

ترجمہ: انبیاء کرام کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں، دل نہیں سوتے۔

خاتم احمد ثنین مولانا اسید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

عدم قفص الوضوء بالنوم من خصائص الانبياء ۛ

ترجمہ: سونے سے وضو نہ ٹوٹنا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

انبیاء کرام کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی اُن کے ادراکات جاری رہتے

ہیں۔ ان کے ادراکات کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے۔ نیند کی طرح

ادراک میں بھی تنزع ہے۔ انبیاء کرام کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں۔

روایا الانبیاء وحی (ترمذی) اس کی تصدیق ہے۔ انبیاء کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بڑا

فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں :-

کنا لا فوقظ بنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من منامہ اذا قام حتی یتقیظ ۛ

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کہ خود نہ بیدار ہو جاتے۔

ۛ رواہ الشیخان ۛ احمد بن سعد کافی الخصاص ۛ بخاری ۛ المعروف الشذی مذہ ۛ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۳

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون ان کے ساتھ تھے جب عین منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی، حضرت یوشع نے فرمایا :-

لا اوقفہ ^{لہ} میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خوابِ استراحت سے اس لیے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں ان پر کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں کیوں ان کے لیے سببِ حرج بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی لکھتے ہیں :-

پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت کا بھی کچھ اندازہ کر لیتا پایے۔ کیونکہ النوم اخوال موت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے، مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں۔ یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے ^{لہ}۔

۴۔ سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا

کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

ان عقائد کی روشنی میں غور فرمائیے کہ تنوعِ موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک چھوڑ کر احداث فی اللغة کے الزام سے رد کرنا کون سی شانِ تحقیق ہے۔ تنوعِ موت کا پتہ چلانے کے لیے تنوعِ حیات کر لیجئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوعِ حیات سے تنوعِ موت کیسے لازم نہ آئے گا۔ علامہ راغبؒ فرماتے ہیں :-

الحياة تستعمل على اوجه ^{لہ}۔ لفظ حیات، کلامِ عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے۔

والله اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اعتماد الصديق لحيات الرفيق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وفات شریفہ وارد ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ مقامِ منہج میں تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا :-

مامات رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

ترجمہ: آنحضرتؐ پر جو حالت وارد ہے، وہ ہرگز موت نہیں

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے :-

واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذاک۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میرے ضمیر کا بھی یہی فیصلہ تھا۔

حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے تو آپؐ نے حضور انورؐ کے چہرہ مبارک سے چادر اٹھائی، آپؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بے اختیار رو پڑے اور حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا :-

بابی انت وافی طبت حیا ومیتاً والذی نفسی بیدہ لا یدفک اللہ

الموتین ابداً۔

ترجمہ: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔

اما الموتۃ القی کتب اللہ علیک فقد متہا۔

ترجمہ: جو موت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے لکھی تھی وہ آپؐ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ

بات سُن لی تھی کہ آنحضرتؐ پر جو صورت حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

فكشفت عن وجهه ثم اصب عليه فقبلة وبكى ثم قال بابي انت واثق والله
لا يجمع الله عليك موتين اما الموتة التي كتبت عليها فقد متها
ترجمہ: پس آپ نے حضور کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا،
اور رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ
پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ
آپ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر ہیں :-
اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس شخصیت
سے تذکرہ کیا جا رہا ہے ؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا امواتِ حق
کے لیے آتا ہے یا اس وعادہ صدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے ؟
ثالثاً: یہاں جمع موتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے ؟ ہم یہاں صرف تیسرے بمبٹ
کی تفصیل کرتے ہیں۔

مفہوم موتین کی تعیین

لا يجمع الله عليك موتين (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے) اس کی
شرح میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ پس فکر و نظر سے ان کا جائزہ لیتا چاہیے۔
بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشاد صدیقی حضرت عمرؓ کی ترویید کے لیے تھا کہ اگر
اس صورت پیش کو موت نہ کہا جائے، تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت کبھی نہ آئے گی اور اس
طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہونے لگیں۔ اس کے نئی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ

پروردِ وفات ثابت فرمایا۔

جو اباعرض ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد لا یجمع علیک موتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورت پیش افتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آنحضرتؐ پر پھر کبھی ورودِ وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق حضورؐ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے ورودِ موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورودِ موت ہو چکا ہے، تو اس پر یہ لزوم کیسے لایا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں آپؐ پر موت پھر کبھی آئے گی۔

لا یجمع علیک موتین۔ تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے، جو پہلے ورودِ موت کا قائل ہو اور صورت پیش افتادہ کو موت یقین کر رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہونے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں۔ جب حضرت عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں، تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کارفرما ہو سکتا ہے۔ اس جملہ بلیغہ

رحمہ اللہ بخاری کے حاشیہ پر علامہ کرمانیؒ کا یہ قول بے شک لکھا ہے۔ قالہ ابو بکر رد الما قالہ عمر (جلد ۱ ص ۱۶۶) لیکن جلد ۲ ص ۶۴ کے حاشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قول اول کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں غور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ اگلا خطبہ تھا اور یہ حملہ مہمید میں آگیا تھا اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبہ کے پیش نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ فیہ تہمید لرد مقالة عمر۔ (حاشیہ بخاری ص ۱۵) محدث مہارنپوریؒ کا اس فیصلہ اسی جگہ ہے۔

مطلب یقیناً وہی ہے، جو شیخ الاسلام علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں :-

اراد بالموتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وهما موتان المعروفان
المشهورتان فلذلك ذكرهما بالتعريف وهما موتان الواقعتان
لكل احد غير الانبياء عليهم السلام فانهم لا يموتون في قبورهم بل هم
احياء واما سائر الخلق فانهم يموتون في القبور ثم يحيون يوم القيمة
ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حياة وموتاً فلا بد من
ذوق الموتين لكل احد غير الانبياءؑ

ترجمہ۔ دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے،
اور یہ دونوں موتیں تعلیمات اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ
ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔
انبیاء کو اپنی قبر میں پھر دوسری موت نہیں آتی، بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں
ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں درود موت ہوتا
ہے۔ اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے، اہل سنت والجماعہ کا مذہب
یہی ہے کہ ماسوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں
میں پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خاتمہ الحفظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ منکرین حیات کا جواب دیتے ہوئے، ایک جواب

کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته في القبر لا يعقبها موت بل يستمر
حيا والانبیاء احياء في قبورهم ولعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتين
حيث قال لا يذيقك الله الموتين اي المعروفتين المشهورتين الواقعتين

لکل احد غیر الانبیاء علیہ السلام

ترجمہ۔ احسن ترین جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیات دائمہ حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد پھر کبھی ورود موت نہ ہوگا اور انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارشاد نبوت میں موتین کو الف لام سے لایا گیا ہے۔ پس یہ دونوں موتیں (ایک اسی دنیا میں، دوسری قبر میں) انبیاء کے سوا باقی ہر انسان پر وارد ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ نور الحق محدث دہلوی شارح بخاری لکھتے ہیں :-

لا یدفک الله الموتین ابدالاً یعنی بعد از موت بحیات ابدی زندہ خواہی بود از آن کہ دے رحمتی اللہ عنہ، دانستہ بود کہ انبیاء در عالم برزخ زندہ اند بخلاف سائر مسلمانان کہ در وقت سوال منکر و نکیر زندہ می کنند۔ آں بار باز می میرانند، چنانکہ در تفسیر احییتا الثنین و اما اثنتین گفته اند :-

پھر ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں :-

قول مختار و مقرر جمہور یہیں است کہ انبیاء بعد از اقامت موت زندہ اند بحیات دنیوی۔ ترجمہ۔ ارشاد نبوت کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفات شریفہ وارد ہو چکنے کے بعد پھر آپ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کا عقیدہ تھا کہ انبیائے کرام عالم برزخ میں زندہ ہوتے ہیں باقی عام مسلمان منکر و نکیر کے سوالات کے لیے اپنی اپنی قبروں میں زندہ کئے جاتے ہیں اور پھر ان پر قبر میں دوبارہ ورود موت ہوتا ہے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

موت دوم آنست کہ سائر الناس را در قبر بعد از سوال منکر و نکیر خواہد بود و ایں

جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اندر بحیات کائنات و انبیاء و در عالم برزخ و
بایں معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متبعان پوشیدہ نیست و
ایں قول تند ما احسن اقوال است۔

ترجمہ۔ دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں منکوح و نکیر کے سوالات کے
بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فنیے کے مطابق ہے، وہ عالم
برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید میں آثار و احادیث
وارد ہیں، چنانچہ تتبع کرنے والے اہل حق پر یہ معنی نہیں اور ارشاد صدیقی کا یہ معنی
ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح ہے۔

مراد آنست کہ منی میرد بہوت دیگر در قبر، همچو دیگران کہ زندہ گردانیدہ می شود
برائے سوال باز میرانیدہ می شود و ظاہر آنست کہ موت دیگر نیست بروئے و بعد
از جریان سنت الہی بر اذقت موت و زندہ گردانیدن بعد ازال حیات باقی
و مستمر خواهد بود و ممات بر آن طاری نخواہد شد پس ایں سخن اشارہ است
بحیات آن حضرت۔

ترجمہ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح
آپؓ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عالم لوگوں
کو قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ ورود موت
ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذت و فانی چکھنے
اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپؐ حیات دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپؐ پر پھر کبھی مر یاں
موت نہ ہوگا۔ اس ارشاد عالی میں حضرت ابو بکرؓ کا اشارہ مسد حیات الہی کی طرف ہی تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ الاسلام ذراعتیؒ اور دوسرے اکابر محدثین نے موتِ ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے۔ دوسرے احتمالات غلط اور نقلاً صورتِ حال پر قطعاً چسپاں نہیں ہوتے۔ لایمجمع اللہ علیکِ موتین کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ موتِ ثانیہ جس سے مراد قبر کی موت ہے، اقبیاء پر ہرگز طاری نہ ہوگی۔ وہ موت کی لذت شناسی کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربان! وفاتِ البنی کا اعلان بعد میں فرمایا۔ پہلے حیات بعد الوفات پر اشدہ فرمادیا، تاکہ وقوعِ موت کی صراحت سے کہیں حیاتِ ثانیہ کی نفی لازم نہ کر لی جائے۔ مولانا احمد علی صاحبِ محدث سہارنپوریؒ بھی صحیح بخاری کے حاشیہ پر اہلسنت کی طرف سے منکرینِ حیاتِ قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں:-

والا حسن ان یقال ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم لا یعقبہا موت بل یتم
حیا والانبیاء احياء فی قبورہم۔

ترجمہ: بہترین جواب یہی ہے کہ ایک دفعہ موت چکے کے بعد حضورؐ اور ان کی حیات ایسی ہے کہ پھر اس پر کبھی موت نہ آئے گی اور پھر دائمی طور پر انبیاء کی طرح اپنے روضہ میں فائزِ الحیات ہیں گے۔

غور فرمائیے! حضرت ابراہیمؑ کی بصیرت اور فطرتِ نبوت کی مزاج شناسی کہاں تک پرداز کر رہی ہے۔ کتنی دور کی بات آپ نے ایک جملے میں بیان فرمادی اور کس شان سے آپ کے لیے حیات بعد الوفات کا اثبات فرمایا جامعیتِ شان اور بلاغتِ بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے اس کی نظیر کلامِ عرب میں شاید ہی کہیں ملے۔

ورودِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساسِ نزاکت پر قربان جائیے کہ وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا، جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات کی حیات کا اثبات نہیں فرمادیا۔

تنبیہ

پیش نظر ہے کہ ”لا یذیقک اللہ الموتین ابداً“ کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ اور دوسرے ائمہ محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی تو جہیہ قرار نہیں دیا، بلکہ اُسے پورے اہلسنت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج عن اہل السنۃ ہے۔

ومذہب اہل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیوۃ وموتاً فلا بد من ذوق الموتین لکل احد غیر الانبیاء علیہ

ترجمہ۔ پورے اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں انبیاء کرام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ ”حیوۃ فی القبر“ کے منکرین اہل سنت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنت کے ذمہ ہی ہوتا ہے۔

قد تمسک بہ من انکر للحیوۃ فی القبر واجیب عن اہل السنۃ....

ان حیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیاًؐ ترجمہ۔ حیوۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطبہ صدیقیؒ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اُن کے لیے اہل سنت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضور اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں، انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

اعتقادِ فاروقِ الاظم لِحیاتِ النبی الخاتم

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا۔ اب حضرت فاروقِ الاظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے۔ پہلے اس اصولی مسئلے کو پیشِ نظر رکھئے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ •
(پ ۲۶ : حجرات)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اور آپ کے سامنے
مھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے کہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ
ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضورؐ کی مجلس میں یا آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو۔ جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے
سے چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ آپ کے سامنے دبی آواز سے بات کرنا چاہیئے۔ مبادا بے ادبی
ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَفْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ • (پ ۲۶ : حجرات)

ترجمہ۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں، جن کے
دلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کر لیا ہے۔

اکابرِ اہلسنت اور جمہورِ مفسرین کا اجماع ہے کہ درودِ وفات کے بعد بھی حکمِ قرآنی روضۂ اطہر
کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا متقاضی ہے۔ مسجدِ نبویؐ کی حدود میں شرعی ضروریات کے
علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھئے۔
 حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:-
 آنحضرتؐ حیات میں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبویؐ کی حدود
 میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔
 قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-
 بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بے زمی عرض کرے اور جس کا
 سلام کہتا ہو، عرض کرے۔ یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد

عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فخصبني رجل فنظرت
 الیه فاذا عمر بن الخطابؓ فقال اذهب فاتی لہذین فجئتہ بہما فقال من
 انتما ومن این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد
 لا وجعتكما ترغمان اصواتكما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
 ترجمہ: سائب بن یزید کہتے ہیں، میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے کندھی باری
 کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا، "جاء اور ان دونوں شخصوں کو
 میرے پاس لے آؤ۔" میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا:
 "تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟" انہوں نے کہا، "ہم اہل طائف میں
 سے ہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، "اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں
 سزا دیتا، اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (جس کے سامنے آپ کا
 روضہ منورہ ہے)، اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔"

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ اظہر ہے جس طرح آپ کی اس دنیوی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا، اسی طرح آپ کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جبہ عنبری سے زندہ ہیں۔ حد و مسجد کی آواز کو بلا کسی واسطہ کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ ”اصل“ ہے کہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی، اسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل کو منشاء نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً: علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان اکواب میں ذکر کرتے آئے ہیں جو حضور کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن مالک الامام وغیرہ من الأئمة الاعلام۔ ثالثاً: اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت محض تشریف مسجد کے لیے ہوگی، حکم نکیر براہ راست اس اصناف سے متعلق نہ ہوگا۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظمؓ نکیر ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں پس اس میں تاویل مذکور یقیناً ”صرف عن الظاہر“ ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں ”صرف عن الظاہر“ درست نہیں ہوتا۔

رابعاً: حضرت فاروق اعظمؓ نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی، بلکہ اس اصناف ہی کو دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصود ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرمادی ہوتی۔ اس لیے کہ یہ سلسلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام دربار رسالت نص قرآن اور واضح تعامل کے پیش نظر ضروریہ درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معرض دلیل میں لائے بغیر ہی منشاء نکیر کے طور پر بیان کیا جاسکے۔

خامساً: محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابل اخلال عن المسجد تو ہو سکتا ہے (فعلہ عبد اللہ بن مسعودؓ کما رواہ الدارمی فی سننہ) لیکن اسے قابل سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے

کسی نے نہیں کیا، ہاں آداب رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابل سزا رہا ہے اور یہاں ایجاب کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلہ اتم واحکم فی کل باب۔

اگر حضرت عمر فاروقؓ کے اعتقاد میں حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود نہ سُن رہے ہوتے تو حضرت فاروقؓ اعظمؓ حضور اکرمؐ کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ عدد مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابل سزا قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات، زندہ اور مددک الاموات سمجھتے تھے۔ پیش نظر ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابل اعتماد ہے۔

مزید تائید

قد روی عن ابی بکر الصدیقؓ قال لا ینبغی رفع الصوت علی بنی حیا ولا میتاً وروی عن عائشةؓ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبۃ بمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترسل الیہم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا وما عمل علی بن ابی طالبؓ مصرامیؑ اذہ الا بالمناصعؑ توقیا لذلك ہکذا رواہ الحسینی فی اخبار المدینۃ وھذا مما یدل علی انہم کانوا یرون انہ حییؑ

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ وفات سے پہلے نہ وفات کے بعد۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جب کبھی اُن گھروں میں جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے، کسی منج گننے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم صحیحی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علیؓ

لہ المناصع التی یثقل فیہا اللول او قضاء الحاجة والواحد مصنع یغفر لہ شفاء السقام ص ۳۱۱ مصر

نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جا کر بنوائے تھے تاکہ ان کے بننے کا شور حضورؐ کو اذیت نہ دے، ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے، تو سب سے پہلے جو کام آپ کرتے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کو سب دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

اول کارے کہ عمرؓ ابتداء کر سلام پیغمبر بود، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عثمانؓ کا اعتقاد

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:-
روا ندارم کہ از دارالہجرت خود مفارقت کنم و مجاورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بگذارم۔

ترجمہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دارالہجرت کو چھوڑ جائوں اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ حضورؐ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضور اکرمؐ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔ اگر وہاں حبید اطہر محض بے جس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی، تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورت رسولؐ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۴۴ھ) ۲۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں :-

ان معاویۃ لما ودعه عثمان جین عزم علی الخروج الی الشام عرض علیہ ان
یرحل معہ الی الشام فانہم قوم کثیرۃ طاعتہم للامراء فقال لا
اختار بجوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواہ

ترجمہ حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع
کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں
وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں حضور کے جوار
دہمائیگی پر اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس مجوزہ دُوری کو قبر رسول سے دُوری نہیں کہا۔ خود ذات رسالتؐ کی دُوری قرار دیا
ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔
یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر اس جگہ کو نہیں چھوڑتے جس نے فتح مکہ کے
باوجود اپنے دار الحجرت کو نہیں چھوڑا حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے۔ آپ اپنے آقا کے نقش قدم پر چلے
اور اپنی جان کو خطرے میں سمجھنے کے باوجود آپ نے اپنے دار الحجرت کو نہ چھوڑا۔ دوسری وجہ آپ کے یہ بتائی کہ میں
حضورؐ سے بُدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسولؐ میں نہ رہتے
اس سے پتہ چلا کہ جوار رسولؐ یہیں ہے ہر جگہ نہیں اور عاشقانِ رسولؐ وہیں ڈیرے ڈالتے ہیں
جہاں جمالِ جہاں آرا ہر وقت ان کے سامنے رہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کوئی فوت ہو وہ اسی پیراہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت
عثمانؓ نے جوار رسولؐ سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرینؐ کے سپرد کی اب اگلے جہاں میں (عالمِ برزخ میں) آپ
بدستور جوار رسولؐ میں ہیں۔ گو جنت البقیع میں آپ کی قبر گنبدِ خضراء سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ علما آپ
بھی اپنے پیشروں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسولؐ میں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؑ کا اعتقاد

حضرت علیؑ فرماتے ہیں :-

من دار قبر رسول الله كان في جوار رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: جو حضورؐ کے روضہ اطہر کے پاس حاضر ہو، وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔

اگر حضور انورؐ کی روح اقدس آپ کے جسد اطہر سے مفارق اور بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خصوصیت کے ساتھ قرب روضہ مطہرہ کو ہمسائیگی رسولؐ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت تمھانویؒ نے فرمایا :-

مدینہ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضور انورؐ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیونکہ حضورؐ زندہ ہیں۔

علماء کرام نے حضرت علیؑ کے اس عمل کی علت اسی حقیقت کو قرار دیا ہے :-

اذ هو حي في قبره يصلی فیہ۔

حضرت علیؑ کے اس عمل کی بناء یہی تھی کہ حضور اکرمؐ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

وما عمل علی ابن ابی طالبؓ مصراعی دارہ الا بالمناصع توقیالذلک۔

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؑ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنوائے

تاکہ کواڑ بننے کا کہیں شوق پیدا نہ ہو اور حضورؐ کو اذیت نہ ہو۔

عہ محل بالمدينة كان متبرئ النساء ليدلا قبل اتخاذ الكنف وهي ناحية بئر ابي ايوب. (زرقانی جلد ۴ ص ۲۴ مصر
عہ جنب القلوب ص ۱۸ عہ وعظ النبيل ص ۱۲ جمادی الاولی ۲۴ ھ عہ زرقانی جلد ۴ ص ۲۴ کے شفاء السقام ص ۳ مصر

علاوہ ازیں عاصم بن عبد اللہ مصباح النظم میں حضرت علی المرتضیٰؑ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی حضورؐ انورؑ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی :-

یا رسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سنا، ہم نے آپ سے سُن لیا اور جو کچھ آپ نے خدا سے یاد کیا، ہم نے آپ سے یاد کر لیا، آپ پر جو آیات نازل ہوئیں، ان میں یہ آیت شریفہ بھی ہے :-

وَلَا تَعْمَازُ ظَلَمُوا انْفُسَكُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْجِدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (پ ۵ : النساء)

ترجمہ۔ اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے معافی کرتے، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔
روضہ منورہ سے آواز آئی :-
اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔

حضرت علیؑ کی یہی روایت علامہ ابو حیان اندلسیؒ البحر المحیط جلد ۱ ص ۲۸۳ مصر میں، علامہ سمہودیؒ مفار الوفاء میں (خلاصۃ الوفاء ص ۵ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر جلد ۵ ص ۲۲۵ میں نقل فرماتے ہیں حضرت علیؑ کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہ کرنا، ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ :-

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے آیا، وہ اس وقت حضور اکرمؐ کی سمہائیگی میں ہے۔

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے پس اسناد کا متصل نہ ہونا اور روایت میں کلام ہونا مفسر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف

استشہاد پیش نظر ہے۔

تنبیہ

اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت مذکورہ میں جاء وک (اگر وہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرتؐ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ آنحضرتؐ کو وفات شریفہ کے بعد پھر حیات حقیقی اور سماع حقیقی حاصل ہے اور ان کے حضور میں پھر دعائے استغفار کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس اہمیت شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ جاء وک کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں۔ بلکہ اب بھی آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔

وراجع له شرح المسالك المقسط للملا علی القاری ص ۲۸۱ مصر

وشرح الشفاء للعلامة الحقاہی المصری جلد ۲ ص ۲۹۸

والزہد قافی جلد ۸ ص ۱۹۹، ص ۳۰۶ مصر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

۵۰ فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۳۷ مصر میں ہے ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ واتوکل بک الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتک و سنتک و یذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق..... انتہی قلت وکذلک فی الطحطاوی علی مرقی الفلاح فراجع له تجدہ کافیاً فی کل باب شافياً من کل ارباب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ لہ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۱۰۱

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں ”جاؤ وک“ (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوں) کو عام رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤ وک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول
لوحدوا الله تو آبا رحیماء کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو۔ آپ کا وجود
باوجود تربیب تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی
خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا، جب ہی مقصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

مواہب میں بسند امام ابوالمنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی
نے محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے
بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ
نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: ولو انهم اذ ظلموا
انفسهم جاؤ وک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوحدوا الله تو آبا
رحیماء میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب
کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوں آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے
..... ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ ھ میں ہوئی ہے ۱۰۰ غرض زمانہ
خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نیکر منقول نہیں پس محبت ہو گیا۔
فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی
باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

اعرابی کی حکایت مذکورہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (جلد ۳ ص ۳۲ مصر) میں شیخ المنصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (جلد ۱ ص ۳۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

جميع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، اس حکایت را آوردہ
و استحسن نمودہ و بسیارے انائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت اس کردہ۔
ترجمہ چاروں مذاہبوں کے علماء نے، جنہوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں، اس
حکایت کو بیان کیا ہے۔ اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی
اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی المرتضیٰؑ سے منقول ہو، اختصار کے
باعث محمد بن حرب سے اُدپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور "اعتماد علی محمد بن حرب" کے سبب اس
کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عموم کے
لیے بیان کیا ہے مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

تہذیب و تمدن

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہؓ

علامہ سبکیؒ نقل فرماتے ہیں :-

روی عن عائشہؓ انہا كانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یرضب فی بعض
الدور المظنۃ بمسجد رسول اللہؐ فتوسل الیہم لا تؤذوا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلمؐ

و كذلك فی شرح العلامة الزرقانی جلد ۸ ص ۲۴۳ مصر .

ترجمہ: حضرت عائشہؓ جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے، کسی میخ یا
کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس
آواز سے) اذیت نہ دو۔

عن عائشہؓ قال كنت ادخل بیعی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر معهم فر اللہ
ما دخلت الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمرؓ رواہ احمدؒ

رجال اسناد احمد رجال صحیح (تتبیح الرواة جلد ۱ ص ۳۴۳ مطبع انصاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تھے، چادر کھلے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند
اور میرے والد ہی تو یہاں ہیں جب حضرت عمرؓ وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم،

میں وہاں پر دے ہی سے جاتی تھی امد یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔
 دیکھئے: حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی، جس
 میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن میت مدفون تھا، بلکہ یوں فرما رہی ہیں :-
 ”جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے“

نبوت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذات مدفون محض بے حس و
 بے شعور ہو، تو پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اور اگر کہنا ہی ہو، تو
 محکم طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذات مدفون کو ہرگز رسول اللہ
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی گنجائش نہیں۔ فقط روح اقدس کے لیے تو فقط ”رسول اللہ کے اطلاق
 کے لیے تاویل ہو سکتی ہے۔ روح اقدس اور جسم اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے۔
 لیکن فقط بدن، جس میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں۔ اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاق رسول قطعاً
 نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ حضور انورؐ کو آپ کے روحہ اقدس میں زندہ یقین
 کہتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا سماع موتی سے انکار مشہور ہے۔ مگر یہاں نہ صرف اس کا استثناء ہے۔
 بلکہ روایت بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پر دے کی چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی ستر و حیلہ
 اور پر دے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح
 قبور شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشافات جاری ہیں، پر دے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصود
 وجود باطل ہو کہ نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصود وجود ضائع
 نہیں فرماتے۔ ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصود وجود ذات مدفون کو عامۃ
 الناس سے پر دے میں کرنا ہوتا ہے، عامۃ الناس کو ذات مدفون سے پر دے میں لانا نہیں ہوتا۔
 اگر ایسا ہو تو ضمتا ہوتا ہے۔ پس اگر ذات مدفون کو پردہ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور باہر

والے اسے عادت نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا اور پردہ چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی اوڑھنے والے کو پردے میں لانا ہے۔ اس لیے انکشاف کی حدود اگر اس کے پار نہ ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث عائشہؓ پر یوں لکھا ہے :-

اوضح دليل على حیات الميت وعلى انه ينبغي احترام القبور عند زیارة
مهما امکن لا سيما الصالحون بان يكون فی غاية الحیاء والتأدب بظاہر
باطنہ۔

ترجمہ۔ یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور اس پر کہ قبور شریفہ کا احترام
جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے، خاص طور پر صالحین کی قبور کے سامنے بہت ادب
و حیا ملحوظ رہے۔

حضرت صدیقہ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرتؐ کی حیات طیبہ اور آپ کے حواس کے
مکمل ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی حیات اقدس اور ان
کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ والی مدینہ تھے تو ایک
دفعہ آنحضرتؐ کے روضہ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا، لوگ بہت
گھبرائے یہاں تک کہ :-

جاء سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب و عرف الناس انها قدم
جده عمر بن الخطاب۔

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالمؓ آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا
حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبد خضریٰ کے مکین مٹی کی دبیز ترے سے گزر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظر اس دبیز ترے کو چیر کر مدفون افراد قدسیہ تک جا پہنچے۔ قبر کا یہ انکشاف اور سچی روحانی اثر ان اثر نے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرق عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی حاصل ہونے سے ادھر کی نگاہ اُدھر نہ جاسکے اور دنیا کی آنکھ احوال برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

ہاں برزخ ملے دنیا والوں کو دیکھ لیں اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی حالات کا کچھ مشاہدہ کر لے۔ دسویں صدی کے مجدد محدث شہیر ملا علی قاریؒ (۱۰۴۲ھ) شرح اللباب میں لکھتے ہیں:-

ثم من آداب الزيارة ما قالوا من انه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل راسه لانه اتعب لبصر الميت بخلاف الاول لانه يكون مقابل بصره^۱۔
ترجمہ: قبروں کے آداب زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے۔ کیونکہ اس طرح کرنا میت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے حاصل نہ ہو اور وہ برابر زائر کو دیکھ سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرق عادت اور خلاف قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھادیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھا دیں تو یہ مٹی کی عادت ہے

کہ جب یہ حائل ہو تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصل فقرہ میں یہ بات طے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرق عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر ہوتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائر کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچتی ہوگی اور دائرِ میت کو بالکل شکا دکھائی دیتا ہوگا۔ اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بقیع کے بایسوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔ یہ بات مافی جا سکتی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور گنبدِ خضریٰ کے مکینوں کے باہین مٹی کی دیوڑھتہ حائل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پھر ان مکینوں کی نگاہ اس چادر سے بھی گزر جانی چاہیے جس سے حضرت ام المؤمنینؓ نے روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پردہ کیا ہوتا تھا۔

حضرت ام المؤمنینؓ کا روضہ اطہر میں حضرت عمرؓ سے پردہ کرنا بتلاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضورؐ کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضراتِ شیعین کریمینؓ کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

فیه اوضح دليل على حياة الميت وعلى انه ينبغي احترام الميت عند زیارته
مهما امکن لاسیما الصالحون بان یكون فی غایة الحیاء والتادب بظاہرہ
وباطنہ۔

ترجمہ۔ اس میں حیاتِ میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارتِ قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے جتنا بھی ہو سکے خاص کر نیک لوگوں کا۔ ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیا و دہلیز آئے۔

بتائیں یہ احترامِ میت کس قبر کے کنارے کیا جا رہا ہے اور اسے میت سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔

یا زندہ۔ اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیاتِ میت کی روشن دلیل نہیں کہا؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

حدثنا ابو معاوية عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمرؓ انہ کان اراد ان يخرج دخول المسجد فصری ثم اتی قبر النبیؐ فقال السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابابکرؓ، السلام علیک یا ابتاہ ثم یاخذ وجهہ وکان اذا قدم من سفر یدفع ذلک قبل ان یدخل منزله۔

اخرجہ عبد الرزاق ایضاً بسند صحیح۔ (وفاء الوفاء للسہودی جلد ۲ ص ۴۸)
ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبویؐ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر رومۃؓ اور پھر حاضر ہوتے اور السلام علیک یا رسول اللہؐ، یا ابابکرؓ، اور السلام علیک اے ابابکرؓ! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو محکم لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ و سلام عرض کرتے۔

عبدالرحمنؓ باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدم سے آرد۔ اول بقر شریف می رسید و می گفت۔ السلام علیک یا رسول اللہؐ
وراجع لہ الموطا للامام محمد ص ۴۹۲

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے ہی کا بیغہ ملتا ہے :
السلام علیک یا رسول اللہ۔۔۔ وغیر ذلک۔

البتہ شرح شرعۃ الاسلام میں جو ترکی احناف کے ہاں بہت بڑا علمی اور تحقیقی فہمی سرمایہ ہے۔ یوں بھی مرقوم ہے :-

يقول الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

عن نافع كان ابن عمر يسلم على القبر رأيت في اليوم مائة مرة واكثر
يحيى الى القبر فيقول السلام عليك ۞

ترجمہ حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے دیکھا۔ وہ روضہ اطہر پر سلام
عرض کرتے تھے میں نے ایک ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ، بلکہ اس سے بھی زائد
بار بار قبر شریف پر آتے اور السلام علیک یا رسول اللہؐ پڑھتے دیکھا۔
حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہی صیغہ سلام کے لکھے ہیں :-
السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک
یا حبیب اللہ ۞

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد روضہ اطہر پر غاضری دیں گے۔ حضرت
ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

ولیاتین قبری حتی یسلم علی ولا ردن علیہ رواہ الحاکم وصححہ ۞
ترجمہ حضرت عیسیٰؑ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے اور میں بھی
اس کا جواب دوں گا۔

مسند ابی علی جلد ۲ ص ۱۸۱ میں یہ حدیث بدیں الفاظ مروی ہے :-
والذی نفس ابی القاسم بیدہ لیتزلن عیسیٰ ابن مریم اماماً مقسطاً
حکماً عدلاً... ثم لمن قام علی قبری فقال یا حمتد لاجبتہ۔

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یہی مدینہ منورہ والی یا کوفی
اعلیٰ علین والی۔ یہ آپؐ سوچیں یا محمدؐ کے الفاظ روایت بالمعنی ہوں گے کیونکہ حضورؐ اسے روایت
کر رہے ہیں۔

روضۂ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضورؐ حدود مسجد کے قرب میں خود سماعت کرتے ہیں پس اس طرزِ ادا سے کسی غلط عقیدے کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضورؐ روضۂ مطہرہ پر بھی خود نہیں سنتے، تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرام الفاظِ مومہمہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں صلوٰۃ و سلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :-

قد اختار جماعة من العلماء كليات في الصلوة. ومقتضى كلام ائمتنا
المنع من ذلك الا فيما ورد عنه صلى الله عليه وسلم على من اختاره الفقيه.
ترجمہ علماء کے ایک طبقے نے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات
جائزہ قرار دی ہے۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل ہے کہ ماسوائے ماثرہ
صیغوں کے باقی تمام الفاظِ مومہمہ سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ فقیہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔
پس اگر حضورؐ اپنے روضۂ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود نہ سنتے ہوتے۔
تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا اور
اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب و بعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پر
تواریثِ تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس صیغہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا وجہ
ہوگی۔ اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مومنین کو ہے، کسی معین کو نہیں۔ اور یہاں ایک ذات معین
کو اس صیغہ خطاب سے مخاطب کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاہد کے
جتنے پہلو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں، معین فرد واحد کو خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی
فاہمہ وتفکر۔

حضرت ابویوب انصاریؓ

عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان في ما فوجد رجلاً واضعاً وجهه على
العتبر فاخذ برقبته وقال اقدرى ما تصنع قال نعم فاقبل عليه فاذا هو
ابو ايوب الانصاري فقال جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ات
المحرم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تبكوا على الدين اذا
وليه امله ولكن ابكوا عليه اذا اوليه غير امله

اخرجه الحاكم وقال صحيح الاسناد جلد ۴ ص ۵۵۵ وافر عليه الذهبي فقال صحيح

ترجمہ۔ ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روئے الزر پر منہ رکھے ہوئے
دیکھا۔ اس نے اسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا ”بانتا ہے کہ تو کیا کر رہا
ہے؟“ اس نے کہا، ہاں۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت
ابو ایوب انصاریؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا ”میں رسول اللہ کے پاس آیا ہوں، پتھروں
کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین

لہ رواہ احمد ایضاً بسند حسن قال حدثنا عبد الملك بن عمرو حدثنا كثير بن زيد عن
داؤد بن الحبح صالح قال الخ قال الهيثمي رواه احمد والطبراني في الكبير
والاوسط وفيه كثير بن زيد وثقه جماعة وضعفه النسائي (كافي كتاب الضعفاء و
المتروكين للإمام النسائي) وغيره ورواه يحيى بن الحسين بن جعفر الحسيني في اخبار المدينة
حدثني عمر بن خالد حدثنا ابونباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله قال السبكي
وابونباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لاضيف فان احمد
رواه عن عبد الملك بن عمرو وهو ثقة عن كثير بن زيد وقد حكم السبكي
بوثيقه (كافي وفاء الوفاء جلد ۴ ص ۴۳)

پردہ رونا جب اس کے والی اُس کے اہل ہوں بلکہ اس وقت رونا جب کی دین
کی ملایت غیر اہل ہا مقول میں آجائے۔

پیش نظر ہے کہ یہ مقام فقط اپنی حضرات کا ہے، جنہیں انکشاف ہو رہا ہو اور وہ قبر سے
نہیں، صاحب قبر سے معروف نیاز ہوں۔ پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقام انکشاف کے بغیر
روضات عالیہ یا قبور شریفہ سے لپٹے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں۔ اس حدیث میں کوئی دلیل
اور محبت نہیں۔ ان کے لیے ایسے امور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے، وہ قطعاً
ناہانہ ہے۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی حضورؐ کی خدمت میں یہ حاضری بتاتی ہے کہ ان کا ملین کے لیے
کس طرح برزخی پردے اٹھے ہوئے تھے حضرت ابوالیوب انصاریؒ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے
تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے برزخی مقام کا شعلہ نور کمیں پر شکوہ پیرائے میں پورے فوجی کمپ کو منور کر گیا
علامہ سرخسیؒ (۷۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:-

ودفنوه لیلاً فصد من قبره نور الى السماء وراى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع.

ترجمہ مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا مگر آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اٹھا اور
وہ اور پر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی حیات برزخی اس وقت ہی ہر وارد و صادر پر کھل گئی تھی۔
خلاصۃ البیان

یہ کہ آنحضرتؐ کے ارشادات عالیہ، خلفائے راشدینؓ کے عقائد قدسیہ، ام المؤمنینؓ
کے عملی فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان سب میں قدر
مشرک یہ ہے کہ حضورؐ انورؑ اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوة و سلام
کو فرد سنتے ہیں۔ ۱۔ حدیث خمسہ اور خلفائے ربیعہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالک اربعہ ملاحظہ کیجئے:-

مذہبِ اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذہبِ اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے چھوٹے اختلافات ہیں مگر حضورؐ کی حیات بعد الوفاؑ پر چاروں متفق ہیں کیوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں مسئلہ حیات النبیؐ میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک فریق اس مسئلہ میں دوسرے پر پیٹ فارم ترتیب دے سکتا تھا لیکن مسئلہ حیات النبیؐ کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں طبقے اپنے دوسرے بے بسیوں اختلافات کے باوجود اس میں سب موافق ہیں ایک دوسرے سے مختلف نہیں دیارالعلوم دیوبند کا یہ ۱۳۰۵ھ کا مفصل فتوے یہاں ہدیہ قارئین ہے غور فرمائیں کہ پنجاب کے مماتی گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت علمی قوت اور استدلالی شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینی میں کوئی ایک معروف شیخ الحدیث بھی ان کا ہمنوا نہ ہو اور یہ بدعتی ٹولہ صرف پنجاب میں ضداد انتشار کے سہارے ایک اختلافی مسلک بنائے بیٹھا ہو

الفصل الثانی

مذہب اربعہ در حیاتِ نبویہ

مالکیہ

سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں آپ روضہ اطہر کے پاس ہی مسجد نبوی میں درسِ حدیث دیتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المؤمنین! تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز مت بلند کرو، کہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد وہی ہے، جو حالتِ حیات میں تھا، سو ابو جعفر دب گیا۔

(و كذلك في وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۳ طبع مصر)

نقل عن الامام مالك أنه كان يكره ان يقول رجل نزارت قبر النبي قال ابن رشد من اتباعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموتى وهو صلى الله عليه وسلم احياء الله تعالى بعد موته حياه تامه واستمرت تلك الحياه وهي مستمرة في المستقبل وليس هذا خاصة به صلى الله عليه وسلم بل يشاركه الانبياء فهو حي بالحياه الكامله مع الاستغناء عن الغذاء الحسى الدنيوى (و كذا في وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۳، ص ۴۱۴ مصر)

لہ نشر الطیب از حضرت مفتا نوی مذاہب مطبوعہ دیوبند رحمہ اللہ ایمان بزیاہ حبیب الرحمن ص ۱۲ مولانا عبدالمجید فرنگی محل

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبی (جلد ۵ ص ۲۵۵) امام ابو حیان اندلسی (سبحر المحيط جلد ۱ ص ۶۸۳)، علامہ ابن السحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جبرہ وغیرہم من الکبار نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

شوافع

شوافع میں سے امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے حیاتِ انبیاء کے عذاب پر مستقل تصانیف سپرد قلم کی ہیں۔ علامہ طیبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالیؒ اور علامہ سبکیؒ نے بھی اپنی حقائق کی تصدیق قرآنی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی، کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلکِ اہلسنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

جمع اکابر شافعیہ بھی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیات جسمانی ہے اور وہی حبسِ اطہر فانی حیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قزوینیؒ (شافعی مسلک) کا تفرّد اس میں تو ہے کہ وہ انبیاء کے کرام کے استقرارِ قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کے کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبورِ شریفہ سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور علماء اعلیٰ میں استقرارِ پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ انبیاء کرام کی روحیں ان کے اجسادِ کریمہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیاء کے کرام کے یہ دنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیاتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیاتِ جسمانی پر ہر صورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا یہ حیات فی القبر، پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرّد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ علامہ سبکی الشافعیؒ طبقاتِ شافعیہ میں لکھتے ہیں :-

عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى نحس ويعلم ونعرض عليه اعمال

الامة وبلغ الصلوة والسلام.

ترجمہ ہم شافعیہ کے نزدیک حضورؐ زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے آپ پر اہمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ علامہ یوسف اردوبیلی الشافعی کتاب الانوار لا اعمال الابراہیم میں لکھتے ہیں:-

ویناطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان

الانبياء احياء في قبيورهم يصلون ويحجون كما ورد.

خاتلہ

خاتلہ میں سے حافظ ابن قیمؒ کی یہ تحقیق ہے کہ حضورؐ اپنے رد منہ اطہر کے قریب عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود بواضع سنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریر: باحوالہ بقید صفحہ و مطبع آپ کے سامنے چکی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کی تصریحات بھی یکے بعد دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

قال ابن عقيل من الخاتلة هو صلى الله عليه وسلم حتى في قبره يصلي.
ترجمہ: خاتلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حنفیہ کرامؒ

① علامہ شرنبلالیؒ ذرا الايضاح میں فرماتے ہیں: دیکھ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے

ولما هو مقرر عند المعقنين انه صلى الله عليه وسلم حتى ينشق متفتح بجميع

لہ طبعات شافعیہ جلد ۲۲ ص ۲۸۲۔ کتاب الانوار جلد ۲ ص ۴۱ مصرعہ: الروحنة البهية ص ۱۳۰
۱۔ مسالک العرب میں سے اس مسک کو باوجودیکہ یہ رتبہ: تحقیقا اور قبولا باقی سب مسالک پر فائق و
مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی واور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے
بلاد میں کم پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

الملاذ والعبادات غیرانہ اسحب عن ابصار القاصون عن شریف المقامات۔
ترجمہ محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انورؐ زندہ ہیں اور آپؐ کو رزق بھی
ملتا ہے اور عبادات سے آپؐ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان
ہنگاموں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

② مراقی الفلاح میں ہے :-

یذنی لمن قصد زیارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر الصلوة علیہ
فانہ لیسمعہاں بتبلغ الیہ۔

ترجمہ۔ جو شخص حضور اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیے کہ کثرت سے
درد عرض کرے کیونکہ آپؐ اُسے خود سُن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپؐ
کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

③ طحاوی میں ہے :-

(فانہ لیسمعہا) ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم (وتبلغ الیہ)
ای ینبلغہا الملک اذا کان المصلی بعیذاً۔

ترجمہ۔ آپ صلوٰۃ وسلم کو اس وقت خود سُنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا
رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ

علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختار محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو
اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق و توثیق نہ کرتے پلے جاتے
ہو کسی مقام پر اُسے نشانہ ضعف کیا جاتا جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے۔ تو اس
یقین سے چارہ نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انورؐ اپنے روحانہ اطہر میں جسمانی طور پر

فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ واللہ اعلم

④ محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں :-

تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته
..... وذلك انه عليه السلام فح القبر الشريف المكرم على شفه

الايمن مستقبل القبلة فليكثر دعاءه بذلك في الروضة الشريفة عقب
الصلوة وعند القبر وبجته في خروج الدمع فانه من امارات القبول

وينبغي ان يتصدق بشيء على حيلان النبي ثم ينصرف متباكيا متحصرا
على الفلج الحضرة النبوية والقرب منها ثم يسئل النبي الشفاعة
فيقول يا رسول الله اما لك الشفاعة يا رسول الله الخ

ترجمہ۔ تم حضور الود کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ
عرض کرو۔۔۔۔۔ اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں دائیں کر دے قبلہ
کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں، روضہ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس
پھر کثرت سے دعا کرے اور اس کو آجانے کی حد تک زاری کرے کیونکہ یہ قبولیت
کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضہ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے
پھر رہتا ہوا آپ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم سناٹھ لیتے ہوئے واپس
ہو۔۔۔۔۔ پھر حضور الود سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یا رسول اللہ
میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

⑤ علامہ ابن عابدین شامی :-

امام شافعی کے نزدیک مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی
وفات شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچنا ہے۔ کیونکہ آنحضرت کو یہ حق قیادت اور قیام بامور العامہ کی تبار

پر پہنچا تھا اور اب آپ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بصورت خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں، بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد شرعاً نہیں۔ پس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے، حقیقت نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقت باقی ہے۔ یعنی حضور اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا صحیح نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں :-

افاد فی الدر المنقہ انه خلاف الاجماع قلت وما نسب الی الامام الاشعری
امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان
والمصرح فی مکتبه وکتب اصحابه خلاف مانسب الیه بعض اعدائه
لان الانبياء علیہم السلام الصلوٰۃ والسلام احياء فی قبورهم وقد اقام
النکیر علی افتراء ذلك ابوالقاسم القشیری

ترجمہ۔ در منتقی میں ہے کہ حضور کی رسالت آپ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی حقیقت باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہلسنت امام اشعری کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے، وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اشاعرہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقت باقی نہ رہنا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

ان المنع هنا لا تنقام الشرط وهو ما عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما انتضاء
الحديث واما عدم موث الوارث بناء على ان الانبياء احياء في قبورهم
كما ورد في الحديث

② علامہ عینیؒ

انہم لا یبقون فی قبورہم بل ہم احياء۔
ترجمہ یقیناً انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہیں۔
③ امام ملا علی قاریؒ

ان الانبیاء احياء فی قبورہم فیمکن لہم سماع صلوٰۃ من صلی علیہمؑ
ترجمہ بے شک انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ
من سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

المعتد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم
وہم احياء عند ربہم وان لا رواسمہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما
کانوا فی الحال الدنیویؑ

ترجمہ عقیدہ میں پُر اِستقامت ہے، وہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں
اور اسی طرح تمام انبیاءؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ابداء قدسیہ کو عالم
علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے اور ایسا ہی تعلق انہیں اس دنیا
میں بھی حاصل تھا۔

اکابر فرقہ اہل حدیث

اہلسنت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقہ اہل حدیث ہیں۔ اُن کے اکابر کی تصریحات
بھی دیکھئے۔

① قاضی شوکانیؒ

روحہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احياء فی قبورہمؑ

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۱ ص ۲۹۷ ۲۹۸ شرح اشعار للعلی القاری جلد ۲ ص ۴۲۲ ۴۲۳ تحفۃ الذاکرین ص ۲۸۸

ترجمہ حضور اذکر کی روح مبارک اپنے جسد اطہر سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔

انہی فی قبرہ وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته۔

ترجمہ حضور اکرمؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔

② شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی :-

والذی نعتقد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانہی فی قبرہ حیۃ مستقرۃ ابلغ من حیاة الشہداء المنصوص علیہا فی التذیل اذا هو افضل منهم بلا ریب وانہ یسمع من سلیم علیہ۔

ترجمہ ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرمؐ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپؐ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے، جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپؐ ان سے بلاریب افضل ہیں اور آپؐ اپنے روحہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

③ نواب صدیق حسن خان :-

حدیث "من صلى على عند قبري سمعته" (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے، اُسے

عہ آپؐ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبد اللہ نے اس میں ان تمام النامات کی تردید ہے جو اس طبقہ سے منسوب کئے جاتے ہیں آپؐ متعلقہ غیر متعلقہ تھے۔

لے نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۸۸ لے اتحاف النبلاء ص ۴۵ مطبوعہ کانپور

میں خود سنتا ہوں، کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ اسنادہ جیدۃ

حج الکرامۃ ص ۲۸۵ میں واقع تثرہ نقل فرمایا ہے کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ ”میں ان دفوں حجرہ شریفہ سے اذان اور اقامت سنتا تھا“ روضۃ الطہر سے آواز آنے کی اس روایت کے متعلق ذاب صاحب لکھتے ہیں۔

ابن جوزیؒ بسند متصل تا سعید بن المسیبؓ لایا ہے کہ سعیدؓ نے ایسا فرمایا۔

④ حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دُور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

⑤ مولانا وحید الزماں حیدر آبادی (۱۳۳۸ھ) تلمیذ حضرت میاں صاحب

اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔ جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے۔۔۔۔۔ وہ مرنے کے بعد بھی جب حکم الہی ہوتا ہے تو اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اور ان کی روح سے زائر کو بہت فیوض پہنچتے ہیں۔۔۔۔۔ اگر مردوں میں عموماً احساس اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں مشروع ہوتا کیا لکڑی پتھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے کا دیا۔ اس کا وہی قائل نہ ہو گا جو نادان ہے۔

⑥ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) شارح سنن ابی داؤد

ان الانبیاء فی قبورہم احياء ص ۲۸۵ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور حدیث عامن احد یسلم علی الارواح اللہ علی روحی کے تحت لکھتے ہیں۔

والقول الصیح ان ہذا لمن زارہ ومن بعد عنہ تبلغہ الملائکۃ سلامہ۔

عہ و سیاقی تفصیلہ و راجع لہ ص ۲۸۵ من ہذا الکتاب سہ الدلیل الطالب ص ۸۴۴ ۲ حج الکرامۃ ص ۲۸۵

۳ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۵۵ منیمہ ۴ تیسرے بار کی کتاب الدعوات جلد ۲ ص ۹۸ ۵ عون المعبود ص ۵

④ التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے :-

انہما احیاء فی قبورہم یصلون وقد قال النبیؐ من صلی علی عند قبری سمعته
ومن صلی علی نائیاً بلغته۔
(التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص ۲۴)

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضورؐ
نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور
جو دُور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

التعلیقات السلفیہ جلد ۱ ص ۱۹۵ پر سنن نسائی مطبوعہ دہلی جلد ۱ ص ۱۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیاتِ قبریہ
کے حیاتِ جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان
ہے) منقول ہے اور مولف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔
⑤ مولانا فضل الرحمن ہری پوری

کل پیغمبروں کے اجسام زمین کے اندر صحیح و سالم ہیں قبر شریف میں۔ اور اہلحدیث کا یہی اعتقاد ہے۔
⑥ مولانا شمس الحق ملتانی از دارالحدیث رحمانیہ ملتان

عالم برزخ میں خصوصیت نبوی سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ درود و سلام زائر
کا سنتے ہیں اور دُور سے صلوة و سلام پہنچایا جاتا ہے۔
⑦ مولانا شہار الدین امرتسری

آپ میت کی حیات فی الجبر اور اعادہ روح دونوں کے قائل تھے۔ آپ لکھتے ہیں :-
فرشتے میت کو سمجھاتے ہیں یعادس و جدہ بھی ہے۔

یہ ان دس حضرات کا بیان ہے جو جماعت اہلحدیث میں لائق تقلید سمجھے جاتے ہیں۔ اب
سعودی عرب کے منبلی علماء جو گو مقلد ہیں مگر اہلحدیث حضرات کے ہاں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے
گو کسی وجہ سے ہو۔ ان کا موقف بھی اس باب میں ملاحظہ کر لیجئے :-

لے رسالہ درود شریف از مولانا فضل الرحمن لے فتویٰ ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ لے فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۱۹۲

اب علمائے نجد کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علمائے نجد کا عقیدہ

① شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی کا بیان آپ اس کتاب میں ص ۱ پر استخفاف النبلاء المتعین کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں۔

② علامہ نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف من آل ایشیخ کا عقیدہ آپ اس کتاب کے ص ۱ پر ملاحظہ کرسچکے ہیں کہ مدآپ اپنی قبر میں زندہ ہیں بزخنی زندگی کے ساتھ۔

③ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور الہی کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے کمال و افضل ہے اور سلام کہنے والے کا سلام آپ سنتے ہیں۔

④ پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبد الحمید الخطیب فرماتے ہیں :-
کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا حرام ہے ؟ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تمام اسلاف و ہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد و ہابیہ کے ساتھ غلط ملط کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک جماعت اور نغ وہابی کے نام سے مشہور ہے مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں۔
اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اعلیٰ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔ اس قصیدہ میمیتہ کا پہلا شعر یہ ہے :-

علیک سلام اللہ یا مسید الوریٰ

ومن قدرہ عندالہ عظیم

یہ پورا قصیدہ ”تختہ للحبیب“ علامہ مذکور نے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر خود پڑھا۔

لہ الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الودائیۃ النجدیۃ ص ۴۴ مطبوعہ مصر دیا چہ رسالہ اسمی الرسالات ص ۵۵

عقائد متکلمین در حیات النبیین

علم کلام کے مشہور امام علامہ تودیشیؒ فرماتے ہیں :-
 صلوات و برکات چنداں کہ ہم از او پر شود و اندیشہ در دگم گردد از سر پر وہ
 کبریا کے ادنیٰ شمار رواں پاک و کالبد زندہ ساکن مدینہ
 پھر اہلسنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 و ازاں جملہ اس سست کہ بدانند کہ کالبد وے از زمین نخورد و بوسیدہ نشود
 و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بجاں خود باشد و حشر وے و جملہ
 انبیاء جنیں باشند و حدیثی درست است کہ ان حرم علی الارض اجساد
 الانبیاء — ہم احياء فی قبورهم یصلون — و اول ہم پیغمبر مابریخیزد
 از گور — دانستن این ہمہ کہ یاد کردیم ہم است

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ

① ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التبرحی محسّ و یعلم و تعرض علیہ اعمال
 الامۃ واللہ تعالیٰ خلق ملئکة سیاحین یبلغون الیہ الصلوۃ من امتہ
 ترجمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، علم و احساس آپ میں
 برابر موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے
 فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے دیتے ہیں اور امت کا صلوة
 و سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

② عندہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ

اشاعرہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام ابو منصور الشافعی البغدادی اکابر ائمہ اہلسنت میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ طاعلی قادریؒ نے شرح فقہ اکبر میں آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے۔ آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ مولانا طغرا احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

(۳) قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاته۔

ترجمہ۔ امام ابو منصور بغدادیؒ نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب محققین متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔ غنائے راشدینؓ مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے۔ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ ایک دین مسلسل پر ایمان رکھتے ہیں جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔

زمرۃ الفضل، عقائد علمائے دیوبند اور المہند

مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے هجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان کو لپٹا لیا۔ ما انا علیہ واصحابی سے عہد وفا باندھنے والوں کے خلاف معتزلہ وغیرہ اٹھے تو یہ متکلمین اسلام ہیں جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودہویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت پھر اہل سنت سے صف آرا ہوئے۔ اس تحریک کا آغاز دیوبند ہوا۔ پھر ربیعی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خان ۱۲۴ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے۔ اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیوبند) پھر اپنے عقائد کا ایک خاکہ مرتب کریں۔ المہند ان کے انہی عقائد کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات النبیؐ پوری صراحت سے موجود ہے۔

الفصل الرابع

شواہد الحیات من بیان الوقعات

واقعہ حرہ

اسلامی تاریخ کا یہ سونچہ زید کے عہد حکومت میں پیش آیا۔ منظرِ عالم کو بلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونِ المیہ سے رنگی گئی۔ زید نے اہل مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کرامؓ تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیرے حرہ کے مقام پر ڈالے۔

وحرہ هذا ارض بظاہر المدينة لها حجارة سود كثيرة۔^۱

ترجمہ: حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبویؐ میں حضرت سعید بن مسیب کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن المسیبؓ بڑے جلیل القدر تابعی تھے، ان کے عظمتِ شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا، جن کی آنکھیں آنحضرتؐ کی دولت دیدار سے بارہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام دارمیؒ، ابن سعدؒ، ابوالنعمانؒ، زبیر بن بکّارؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت سعید بن المسیبؓ نے ارشاد فرمایا:-

اذا حانت الصلوة اسمع اذاناً يخرج من قبل القبر الشريف لا يأتي

وقت الصلوة الا وسعت الاذان من القبر ثم اقيمت الصلوة فتقدمت

فصليت وما في المسجد احد غیریؑ

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا، پھر اقامت

بھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا

اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخاویؒ نے بھی القدر البدیع میں نقل کیا ہے۔ نواب صدیق حسن

خال صاحبؒ فرماتے ہیں:-

ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیبؓ لایا ہےؑ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

وقضیہ سماع سعید بن المسیبؓ ایام قرعہ اذان از حجرہ شریفہ تاسعہ روز

کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودندؑ

ترجمہ: آیام قرعہ میں سعید بن المسیبؓ کے حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے

کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری

میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا۔ اس سے سورۃ ببارک الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی جتنی کہ اس

نے تمام سورۃ شتم کی۔ صحابہؓ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، تو

آپ نے فرمایا :-

هي المانعة المنجية وتنجية من عذاب القبر.

ترجمہ: یہ سورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

اسے امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے، حکیم الامت حضرت مہتادئیؒ نے بھی الکشف ص ۴۴ پر نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واعلم فی کل کتاب۔

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ قرہ کو ”واقعہ حال“ کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ اکابر علمائے ثقات اسے ایک اصول اور ضابطے کے مائت ذکر کرتے آئے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید نور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ان كثيرا من الاعمال ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدار

وقراءة القرآن عند الترمذيؒ

ترجمہ: بے شک سے بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے کہ داری کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ قرہ) اور ترمذی کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ سلطان نور الدین شہید محمود بن زنگیؒ (۵۵۵ھ)

سلطان نور الدین شہید (شاہ مصر) نے ایک رات سردارِ انبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ ”جلدی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو“ سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آ رہا ہے۔ سلطان مذکور نے اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف

چل پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔^{۱۷}

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیزگار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے،
روضہ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سُرنگ کے ذریعے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ حبیب اطہر کو وہاں سے
منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔

جس رات وہ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابد و باراں اور وعد و برق کا ظہور ہوا
زمین کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں
اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالآخر ملعون فریب کا قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ
شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چار دیواری بنا دی تاکہ حبیب اطہر تک پھر کسی رسانی
نہ ہو سکے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

اس قصہ را جمیع مورخان مدینہ منورہ و مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین
فیروز آبادی و غیرہ اشیا از علمائے اعلام ذکر کردہ اند و تصحیح نمودہ۔^{۱۸}

قلت و كذلك في خلاصة الوفاء باخبار دارالمصطفى ص ۱۶۱ و اتفق الشيخ
الممہودی بالاسناد والاعتقاد۔

تتمۃ الفصل

عجب طبری ریاض النقرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں :-
روافض حلب کی جماعت دالی مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مغالطہ یا) بہت سی رشوت اور

لاپس دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرہ شریفہ تک بار یا بی دے (تاکہ وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسادِ مطہرہ کو کسی اور جگہ منتقل کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے، گرنے کے آلات اور شمع لے کر ”باب السلام“ پر آگئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔

خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس سٹون کے قریب ہی تھی جو حضرت عثمانؓ کے ایند کردہ حقتہ مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے۔ دانی مدینہ، جو بد مذہب اور منافق تھا، انجام کار کا منتظر تھا اس نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، پونے کا پورا سنا دیا۔

امیر نے کہا، کیا تو دیدار نہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے ؟

میں نے کہا، امیر خود جا کر دیکھ لیں، ان کے دھسنے کے آثار اور ان کے کپڑوں کے نشان

ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کہتے ہیں۔

انہ دھسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کبیر کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اٹھا کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جاسکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا اگرچہ ”روضۃ من ریاض الجنۃ“ کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ شریفہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ یہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ قدسیہ سے ذرا پہلے تھی۔ تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا۔ ان ملعونین کے جو حصے دھسنے سے باقی رہ گئے۔ پھر ان پر حکم قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۱۱۶ مطبوعہ لکھنؤ دیکھئے۔ وراجع لہ کتاب الاستنصار

للفاضل السہناتی القاضی۔

طبری نسبت اس حکایت بہ ثقات سے کند کہ بہ صدق و دیانت مشہور اند و بعضی مورخان
مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔

ارشادات نبوت، خلفائے راشدین کے نظریات قدسیہ، ام المؤمنینؓ اور صحابہ کرام کے بیانات
عالیہ، مذاہب اربعہ کی تصریحات، متکلمین کرام کے فیصلے اور شواہد واقعات یکے بعد دیگرے آپ نے
ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ اسلامی کے ان مختلف ادوار میں حیات انبیاء کا سلسلہ اس کثرت سے بیان
ہوتا رہا کہ ان تمام نقل کا استقصار اور دلائل کا احصار قریب قریب ناممکن ہے۔ ہاں یہ حقیقت
لفظ سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ سلسلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک
مثال بھی نہیں ملتی کہ سوادِ اہلسنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطہ حیات سے سُرِ مو بھی
ستجاوز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ و اکابر اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیانِ امت میں
سے کسی کا اس پر نیکیر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیاء کرام کی حیات برزخیہ
کے جہانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہل حق اہلسنت کا تاریخ ملت کے ہر دور میں
اجماع رہا ہے۔

شہادات اجماع

① محدث کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ:

نحن نوؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یزقی فی قبرہ ان جسدہ
الشریف لا تأکلہ الارض والاجماع علی ہذہ۔

ترجمہ۔ ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں
زندہ ہیں، آپؐ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپؐ کے جسد اطہر کو مٹی نہیں کھاتی،
اور اس عقیدے پر اہل حق کا اجماع ہے۔

② شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ۔

ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حياة وموتاً فلا بد من ذوق
الوقتین لكل احد غیر الانبیاءؑ

ترجمہ۔ پورے اہلسنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت
یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسوائے
انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔

③ علامہ محقق محمد عابد السنديؒ استاذ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ۔

امامهم (ای الانبیاء) فحیاتهم لا شک فیہا وخلاف لاحد من العلماء فی ذلك....
فہو صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوامؑ

ترجمہ۔ انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے
اختلاف ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

④ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔

حیات متفق علیہ است، یصح کس را دروے خلافی نیستؑ

ترجمہ۔ حضور اقدسؐ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں) کسی کا اختلاف نہیں۔

⑤ ذاب قطب الدین صاحب دہلویؒ۔

”زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں“ یہ مسئلہ متفق ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں

کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی عسی ہے۔

لہ عینی علی البخاری جلد ۷ ص ۶۱۰ ر ۲ رسالہ مدنیہ ص ۴۱۰ شتہ الملحات جلد ۱ ص ۲۱۱ منظر حق جلد ۱ ص ۲۴۵ عہ جن ایمان
امت نے آنحضرتؐ کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن فائز الحیات ہے
جو اس دنیا میں تھا نہ یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لازم وہاں ثابت ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیوی حیات کا
مفہوم ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں ”انبیاء کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھنا سوں“ لطائف قاسمیؒ

② قلب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ
قبر کے پاس..... انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں ہے

جب جمع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر روضہ اطہر کی

حیاتِ جسمانی کا انکار

آخر کن کا مذہب ہے؟

① شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:-

من انكر الحیوة فی القبر وهم المعتزلة ومن غا نحوهم واجلب اهل السنة
عن ذلك

ترجمہ: جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے
ہم عقیدہ ہیں، اہلسنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

② حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرین حیاتِ اہل سنت میں
سے نہیں ہیں۔

قد تمسك به من انكر الحیوة فی القبر واجيب عن اهل السنة..... ان
حیوۃہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیاً

ترجمہ: منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلسنت کی طرف سے
ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حنڈ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور
آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد ۱ ص ۱۵ پر نقل اور تسلیم کیا ہے۔

لہ فتاویٰ رشیدیہ منہ ۱۷ عینی علی البخاری جلد ۱ ص ۱۷ لہ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۷

الفصل السابع

وفیه اربعۃ من المباحث

مبحث اول

حیات فی القبر

مجمع اہل السنۃ و الجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں دیا جہاں بدن میت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں، سب میں پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو ”دخول روح در جسد“ سے قائم ہوتا ہے یا اس کا تحقق ”الغالب روح بجسد“ سے ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو قبر میں زندگی ضرور ملتی ہے۔

سوال و جواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اُسے ”موت فی القبر“ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو اس لیے کہ روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادت الہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ روح و حیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر، یہ تو سوال و جواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا روح کے بغیر لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی ”حیات فی القبر“ روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ ”اعادۃ روح بجسد“ کے ساتھ خواہ ”الغالب روح بجسد“ کے ساتھ۔ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن

کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ امانت جتنی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا رہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے۔ اس باب میں سوادِ اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادۂ روح کا قائل ہے اور دوسرا اتصالِ روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کے حاصل ہے، براہِ راست ہمارا موضوع نہیں۔ ہاں، یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدن مدفن ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے فائز الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر حکمی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت شناسی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر قائم ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”حیات فی القبر“ کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اعادۂ روح کے قائل ہیں اور بعض اتصالِ روح یا تاثیرِ روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیات ثانیہ اعادۂ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق اتصالِ روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہوگا۔

آئیے؛ چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادۂ روح سے قائم ہوتی ہے، یا اتصالِ روح۔

حضرت براہ بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

فتقاد روحه فی جسده قیاته ملکان فیجلسانه فبقولان له من ربك
الحديث رواه احمد ۱۰

ترجمہ پس اس مرنے والے مومن کی روح پھر اس بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے سامنے آتے ہیں پس اُسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے۔

والحديث صحيح۔ (تتقيح الرواة جلد ۱ ص ۳۴)

ماظ ابن قيمؒ فرماتے ہیں :-

سواء الامام احمد و ابو داؤد و روى النسائي وابن ماجة اوله و رواه ابو عوانة الاسفرائني في صحيحه و ذهب الى القول بموجب هذا الحديث جميع اهل السنة والحديث من سائر الطوائف ۱۱

النص الصحيح الصريح وهو قوله صلى الله عليه وسلم " فتقاد روحه
في جسده ۱۲

فالحديث صحيح لا شك فيه ۱۳

رواه احمد محتج بهم في الصحيح والحديث حسنة المنذرى و رواه ايضا
ابو داؤد والحاكم وابن ابى شيبة وابن منده و ابو نعيم و ابو عوانة الاسفرائني
في صحيحه من طرق صحيحة و البيهقي وقال هذا حديث صحيح لا سناد ۱۴
ابن منده کی پوری روایت ماظ ابن قيمؒ نے کتاب الروح ص ۵۶ تادمہ نقل کی ہے۔ اس میں
ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائکہ سے فرماتے ہیں :-

وعداد روح عبدك الى الارض فاني وعدتهم ان اودهم فيها ۱۵

ترجمہ میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹا دو کہ میرا وعدہ ہے کہ میں انہیں
پھر زمین میں لوٹاؤں گا۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سجدین سے تعلق قائم کر کے وہاں سے ہو کر پھر زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

هذا حديث ثابت مشهور مستفيض صحيحه جماعة من الحفاظ ولا
نعلم احدا من ائمة الحديث طعن فيه بل ردوه في كتبهم و تلقوه
بالقول وجعلوه اصلا عن اصول الدين

ترجمہ۔ یہ حدیث ثابت ہے مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری
جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض
نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اس کو
اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثاني

رد الاشتباہات فی تحقیق الروات

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد :-

قال الحافظ ابو نعیم الاصفہانی واما حدیث البراء رواه المنہال بن عمرو
عن زاذان عن البراء و حدیث مشہور رواه عن المنہال الجمر الغفیر و
رواه عن البراء عدی بن ثابت و محمد بن عقبہ و غیرہما و رواه
عن زاذان عطاء بن السائب قال و هو حدیث اجمع رواه الاثر علی شہرتہ
و استفاستہ و قال الحافظ ابو عبد اللہ بن منذہ هذا الحدیث اسنادہ متصل

مشہور رواہ جماعة عن البراء (شرح حدیث النزول ص ۴۴ لحافظ ابن تیمیہ)
حافظ ابن تیمیہ کا ایک اور حوالہ :-

وهو حدیث صحیحہ جماعة من الحفاظ

اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ الجہمیہ لابن القیم ص ۴۲

امام احمد کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ :-

اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ "فتعاد روحہ فی جسدہ" کے قطعہ روایت میں منفرد ہے۔ ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے "لیس بالقوی"

جو اباعرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ امام عجلؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں۔ ابن حزم چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تصنیف کر دی اور منہال بن عمرو کو ضعیف کہہ دیا۔ تنقیح الرواة میں ہے :-

وفی اسناد الحدیث منہال بن عمرو وثقہ ابن معین والعجلؒ وقد تکلم

ابن حزم فی المنہال ولا یلیفت لکلام بن حزم بعد احتجاج الشیخین بہ و

لما رأی ابن حزم حدیث المنہال راد علی معتقدہ فی انکار عذاب

الاجساد فی قبورہا طعن فیہ وطلعنہ مردود والحدیث صحیح

ترجمہ۔ اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے، اسے امام یحییٰ بن معین اور عجلؒ

ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حزم نے اس پر کلام کیا ہے، لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے

کیونکہ حدیث کے دو بڑے امام اسے محبت مان رہے ہیں۔ ابن حزم چونکہ عذاب قبر

کے جہانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی اس لیے

انہوں نے اس پر جرح کر دی، حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مردود ہے

ماظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

فالمہمال احد الثقات العدول قال ابن معین المہمال ثقۃ وقال العجلی کوفی
ثقة واعظم ما قبل فیہ انہ سمع من بیئہ صوت عناء وھذا لا یوجب
القدح فی روایتہ واطراح حدیثہ وتضعیف ابن حزم لہ لاشیء فانہ
لم یدکر موجبا لتضعیفہ غیر تفرد بقولہ فتقاد روحہ فی جسدہ وقد
بینا انہ لم یتفرد بہا بل رواھا غیری قد روی ما ہوا بلغ منہا۔

ترجمہ: مہمال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ ابن معین اور عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں
نیادہ سے زیادہ جو ان پر اعتراض ہے، وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر سے
گاتے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے ہی مذکور ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط
نیز اس کا ترکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اس کی روایت میں موجب قدح
نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشع ہے۔ اس نے صرف اس کا
تفرد ہی بیان کیا ہے اور ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں۔

دوسرا اعتراض

حضرت برابر بن عازبؓ سے اس حدیث کو داذان نقل کر رہا ہے اور اس کا سماع حضرت
برابرؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزمؒ کو
کلام ہے۔

جو ابانگزارش ہے کہ مافظ ابو عوانہ اسفرائینیؒ نے داذان کنندی کا حضرت برابرؓ سے صیغہ سماع
نقل کیا ہے۔ پس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔
ماظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

هذه العلة باطله فان ابا عوانة الاسفرائني رواه في صحيحه باسناده

قال عن ابن عمرو وذاذان الكندي قال سمعت البراء

ترجمہ: یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابو عوانہ اسفرائینی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہے۔

تفرد ذاذان کے متعلق فرماتے ہیں:-

فالحديث لا شك فيه صحيح وقد رواه عن البراء بن عازب جماعة غير

ذاذان منهم عدي بن ثابت ومحمد بن عقبه ومجاهد

ترجمہ: پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براء سے اسے

ذاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے انہیں میں عدی بن ثابت

محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں۔

اور توثیق ذاذان کے متعلق ملاحظہ ہو:-

امام یحییٰ بن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں خطیب

اور محلی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی توثیق کی ہے (تہذیب لہتہذیب جلد ۳ ص ۳۳)

علامہ عزیزی اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح۔ (السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۴ مصر)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

ونهاذان من الثقات روى عن اكابر الصحابة كعمر وغیره وسأوى

له مسلم في صحيحه قال يحيى بن معين ثقة قال حميد بن هلال

وقد سئل عنه هو ثقة لا تسأل عن مثل هؤلاء

ترجمہ: ذاذان ثقہ راویوں میں سے ہے۔ اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہ سے

روایات لیں ہیں۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے یحییٰ بن معین

اسے ثقہ کہتے ہیں حمید بن ہلال سے زاذان کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، ایسے ذمہ دار دار لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث

اعادۂ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریقی حیات فی القبر کے باب میں »اعادۂ روح« کے قائل ہیں، لیکن متکلمین کے متعلق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وہ اعادۂ روح کے قائل نہیں، بلکہ انتقال روح سے بدن مدفن میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:-

ليس المراد بالحي ههنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية بل ما لم يدرك الالذة واللذة فاذا خلق الله فيه ادراكا..... يكون حيا لا جمادا. ۱

ترجمہ: اس جگہ سے »حي« سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح لوٹائی گئی ہو، اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں، بلکہ حیات سے مراد یہ ہے کہ وہ الم و لذت کا ادراک کر سکے، اس انداز حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے نکل جاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کئے جاتے ہیں:-

۱۔ عبدالحکیم علی انجیلی ص ۱۱۵

① — میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہلسنت و اجماع کا ہے۔

② — میت قبر میں جمادِ محض ہے پس عذاب قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ و روا فتن کا مسلک ہے۔

③ — میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت ”جو بعضهم تعذیب غیر الحی“ میں اس تیسرے مسلک کا بیان ہے اس پر حضرت مولانا سیالکوٹیؒ انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے نقطوں میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں جس میں کہ کوئی احساس نہ ہو۔ پس اسے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ اَلْمَوْلُذَاتُ کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہو گئی، جمادِ محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹیؒ حیاتِ میت کی تشریح میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جس ”صورتِ عذابِ قبر کو تم تجویز کر رہے ہو، اسے بھی حیاتِ قبر لازم آرہی ہے۔ ہاں اس صورتِ حیات میں اعادہ روح لازم نہیں۔ چنانچہ ”بہر اس علی شرح العقائد“ میں ایسے جواب پر لکھا ہے۔

هَذَا جَوَابُ اشْكَالِ اَوْدَهِ الْمُعْتَزِلَةِ مُسْتَدَلِّينَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى لَا يَذُوقُونَ

فِيهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَ الْاَوَّلِيَّ

ترجمہ۔ یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا، معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا۔ وہ نہیں چکیں گے وہاں کوئی اور موت، انکے لیے تو وہی موت ہے جو پہلی

یہ صورت جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادہ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیث برابر بن عاذب کی رو سے خبر واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبر واحد کی حجت کے قائل نہ تھے۔ پس انہیں اعادہ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جاسکتا تھا۔ ہاں عذاب قبر کی روایات چونکہ حدیث تواتر تک پہنچ رہی تھیں، اور ان کی رو سے میت مدفون کے لیے لذت و الم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے یہاں اسے ہی حیات میت ثابت کرنے کے لیے ایک ذریعہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب باصواب سے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے "میت میں پھر روح نہ لوٹنے کو" کیا تحقیق واقعی کے طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک الزامی شکل جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسلک وہی ہے جو محدثین کا تھا؟ شرح نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے :-

وعندی فی هذا الجواب بحث و هو ان الاحادیث الصحیحة فاطقة بان الروح تقاد فی الجسد عن السؤال فالجواب بانكار الاعادة غیر مرجح وقد اجاب المشائخ عن هذه الآية بوجوه^۱

ترجمہ میرے نزدیک یہ جواب محل نظر ہے۔ اس لیے کہ احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹانی جاتی ہے۔ پس اعادہ روح کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں۔ معتزلہ نے ان کی پیش کردہ اہمیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں۔

سانر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح ان البدن اذا
المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وانكره الجمهور
مبتدأ

و كذلك السؤال للروح بلا بدن قاله ابن ميسرة وابن حزم ولو كان كذلك
لم يكن للقبر بالروح اختصاص^١

هذا قول منكر عند عامة اهل السنة والجماعة^٢

واذا قبضت (الروح) عرج بها الى الله في احدى زمان ثم تقاد الى البدن
فتسأل وهي في البدن^٣

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی تحفۂ اثنا عشریہ میں ”حیات فی القبر“
کا حکمی ہونا رد افہن کے آیت مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ حق یہی
ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے غبار ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ
ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورت جواب ہے، وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے۔
جب جملہ اموات کے لیے اعادۂ روح ثابت ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کس دلیل کی بناء
پر مستثنیٰ کیا جاتا ہے؟ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں:-

وعود الروح الى البدن..... في سائر الموتي فضلا عن الشهداء فضلا

عن الانبياء وانما النظر في استمرارها في البدن^٤

ترجمہ۔ روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا۔ یہ تو تمام اموات کے لیے ثابت ہے شہداء اور
انبیاء پر تو بدرجۂ اولیٰ اس کا تحقق ہوگا۔ بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن
میں دائماً رہے گی یا پھر یہ تعلق ٹوٹے گا۔

۱۔ شرح حدیث النزول للحافظ ابن تیمیہؒ ص ۵۵ ۲۔ ایضاً ص ۵۶ ۳۔ شفاء السقام ص ۱۵۹
۴۔ اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال و جواب روح اور بدن کے مجموعے سے متعلق ہیں علامہ صدر الدین
الحنفیؒ کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجئے:-

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب
مفرده عن البدن ومتصله به۔ (شرح حقیقۃ الطحاوی ص ۳۲)

احادیث شریفہ میں ”حیات فی القبر“ کے لیے اعادۂ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے۔ لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزائے بدن میں ادراک المذلت کا کچھ اثر چھوڑتے ہوئے یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں:-

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح
الی البدن وقت السؤال۔

ترجمہ۔ احادیث الصحیحہ متواترہ بتا رہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں
لوٹائی جاتی ہے۔

قطع می کنم بعد حیات مرہرہت را چنانکہ در احادیث ورود یافته۔
اس منزل کے بعد پھر روح رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی شخص کو
اختلاف نہیں اور مجملہ فرق اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لیے اعادۂ روح
کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں۔ عود روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن پھر اس کی
مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر طبقاتی سے منقول ہے۔ ہاں انبیائے کرام کے لیے یہ مفارقت قطعاً
ثابت نہیں اور ہر طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے، اسی طرح
انبیاء کے لیے اس عدم مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر طبقاتی قائم ہے۔ فافہم وتدبر۔

المبحث الرابع

اعادہ روح اور اتصال روح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لیے اعادہ روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ میں ارواحِ قدسیہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صورتِ زیرِ بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جملہ اموات کے لیے پھر روح کی مفارقت ہوتی ہے، کیا انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ قدسیہ بھی پھر معرض مفارقت میں آ جاتی ہیں؟ اہل سنت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اتصال روح کا موقف اثباتِ حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی و دافی ہے اور اس صورتِ کیفیت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیاتِ عنصری جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی تاہم دیکھنا یہ ہے کہ اس صورتِ کیفیت کی اصل کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اتصال روح کا موقف کسی نصِ صریح پر مبنی نہیں بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لیے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا۔ تھا بعض مقامات پر ارواحِ قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دوسری طرف انبیاء کرام کے اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں زندہ ہونے اور عند القبر خود سُنانے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا اب بعض علماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدانِ مطہرہ کو ارواحِ قدسیہ کا مستقر قرار دے کر اعلیٰ علیین سے ایک قوی تعلق پیدا کریں اور منتقل ہوا کہ ارواحِ قدسیہ کو وہاں مان کر ابدانِ مدفونہ سے ایک قوی علاقہ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی تھا اور اتصال روح کا موقف علمائے کبار نے محض تطبیق میں روایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار

کیا تھا۔ یہی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبر ے سمعته و
من صلی علی ناساً بلغته فكيف التطبيق ؟ قلنا وجه التطبيق ان
مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابقه و نحو
ذلك كما مترو مقر اسرار الکفار فی سبعین ومع ذلك لكل روح
منها اتصال بجسده فی قبره لا یدرک کتبه الا اللہ تعالیٰ وبذلك
الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المركب من الجسد
والروح مقعده من الجنة او النار و یحس اللذة والا لمر یمع
سلام الزائر ے

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر
درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور دُور کا پڑھا مجھے پہنچا یا جاتا ہے (اور
یہ بھی سابقاً گزرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں) پس دونوں معتمدوں میں
تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کا مقر تو علیین یا ساتویں آسمان
ہی میں ہے، اسی طرح ارواح کفار مقام سحین میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق
کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزائے جسد) سے بھی ضرور
ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، ہاں روح کے جسد
کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملہ
قبر روح و جسد کے مجموعے سے ہوتے ہیں اور الم و لذت کا ادراک اسی طرح واقع
ہوتا ہے۔

پس جب اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصال روح کا موقف من

حیث الاستدلال اجتہادی ہے۔ تو اگرچہ بہر صودت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری جسمانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ تاہم اتصالِ روح کا مرقف اخیقہ کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثین اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورت کیفیت حیات کے قائل ہیں۔ جس کی اصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالم برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن الشرب الغرت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں ایسے اٹھے پرے بھی دنیا نے بار بار دیکھے ہیں ہم پہلے بہت ایسے واقعات پیش کر آئے ہیں حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں چودہویں صدی میں کھلیں تو لوگوں نے ان کے ابدان مبارکہ کو بالکل محفوظ پایا۔ ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں:-

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا منورہ برپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفات تحفظ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام سے ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے علاوہ بعض دوسرے اجسادِ کریمہ کو بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان اہل حق میں سے ہونے کا ایک کھلا دنیوی نشان ہے۔
واللہ اعلم وعلہ اتم و احکم۔

انبیاء کرام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی محفوظ ہونا

حیاتِ قبریہ اور اُن کے ادراکات

① — جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستان اُمدآتا تھا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اُٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو شہدائے اُمدآپنی اصل حالت پر بالکل تازہ تھے۔ کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا۔ یہ واقعہ جنگِ اُمد سے قریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

② — بیہقی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزاہیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا۔

السلام علیک یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہاں سے جواب آیا :-

علینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

③ — حضرت عمرو بن جوح الضاریؓ بھی شہدائے اُمد میں سے تھے۔ جب سیلاب نے اُن کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کئے گئے ہیں۔ جنگِ اُمد اور اس واقعہ سیلاب کے مابین ۴۶ سال کا فرق تھا :-

فوجد الم یتغیرا کما ینما مائا بالامس وکان احدہما قد جرح فوضع یدہ

علی جرحہ فدفن وهو کذلک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت

لما کانت لیلۃ

ترجمہ۔ پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا کہ وہ ابھی کی ہی قوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح انہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا تو وہ وہیں آگیا جہاں کہ تھا۔

④ — حضرت عذیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس بیس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفیہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریب ان جنازوں میں شامل ہوئے۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء یذقون وان
الحیة فیہم متعلقة بالحدیث۔

ترجمہ۔ شہدائے کرام کے حق میں، نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے بالا ہی کیوں نہ ہو)۔

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی، اور ہم انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کر سکتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے مصروف بالعبادت ہونے کا ادراک ہو سکے۔ یہ نہیں کہ وہ ذوات مدفونہ ہی مغلل عن الافعال ہیں۔ پردہ برزخ اس ادراک لطیف میں حائل ہوتا ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جب کسی کے لیے اس عالم سے پردہ اٹھا دیں، تو وہ اس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اس عالم کے بہت سے حالات مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

مسک ارجمند از اکابر دیوبند

المعروف

اجماع العلماء الاعلام

علی

حیات الانبیاء الکرام

پیشتر اس کے کہ حیات النبی کے باب میں ہم اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسک دیوبند سے کیا مراد ہے :

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر کا بانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسک ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر اپنی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلاثہ مشہور لہا بالحنیر سے ما انا علیہ واصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آئے تھے دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسک عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلف صالحین، اہل تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہلسنت والجماعت اور فروعیات میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مسک عمل پر تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں مسک فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا اور اس سے کسی کا اختلاف نہ تھا۔

اچانک اوپر سے تاریک ہوا اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اد اہل سنت ۱۳۲۴ھ میں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچ گئے تاکہ علمائے حرمین سے اس پر

دستخط لینے میں کامیاب ہو سکیں۔ ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ نہ جانتے تھے اور وہاں علماء دیوبند کی اردو تحریرات بدلے مفہوم سے پیش کی جاسکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے ”موضوعات زیر بحث“ اکابر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کئے اور ان کے عقائد و افکار کو اصول اہنت پر جانچنے کی کوشش کی۔

اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار کی قلمبند کر دیئے۔ اور اس پر اپنی مہریں ثبت کر دیں۔ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ عبدالحکیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے سب بزرگوں نے اس پر تصدیقات تحریر فرمادیں اور فقط اعتماد نہیں، بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

رأيت الاجوبة كلها فرجدها حقة صحيحة.

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔

ان عقائد پر پھر مکہ منظمہ، مدینہ منورہ، جامعہ ازہر، مصر و شام کے علمائے کبار رجن میں کہ احناف و شوافع، موالک و حنابلہ، مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے) سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ ”المہند“ نامی دستاویز عقائد علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہوئی۔

اس منزل سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح، معین اور مشخص صورت میں سامنے آگیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علمائے حق کی صدائے بازگشت تھی۔

دیوبندیت کے ضابطہ تحریر میں آنے کے بعد اب یہ امکان نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے، جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم افکار و آراء کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ سجاوہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابر دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس ”مرکزی مسلکی دستاویز“ کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ اس کا رد و ابطال اس کے نزدیک جزو تبلیغِ توحید ہو، تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ و فریب آخر کس بلا کا نام ہے عقل و خرد سے کھیلنے کا یہ خوف ناک منظر ہم نے آنکھوں دیکھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ اور دوسرے مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات و ترجیحات میں ہو یا فقہی جزئیات میں، ترجیحات کے باب میں ہو تنظیماتِ عمل میں، اصل دیوبندیت کو ہرگز مشتبہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ دیوبندیت اکابر دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلید شخصی ہے بلکہ مسلکِ دیوبند کا مرکزی نقطہ ”المہند علی المفند“ ہے جسے دقت کے تمام اکابر دیوبند اجتماعاً آئینہ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائلِ حدیث میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے اختلافات ترجیحاتِ اہل علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے مختلف مواقفِ عمل سے کون واقف نہیں۔ اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفردات کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپید اکنار سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دقات اس حقیقتِ حال کے پرزور ترجمان ہیں کہ اکابر دیوبند افکارِ شریعت اور اسرارِ کتاب و سنت کی تعلیم و تفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر اور سلف صالحین کے متبع رہے ہیں اور انہوں نے اپنی روایتی وسیع النظری کو کبھی گروہی تعصب یا دھڑے بندی کی نذر ہونے نہیں دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

افکار و آراء کے ان اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دوسرے کی دیوبندیت کو چیلنج نہیں کیا

نہ اسے اس پہلو سے کسی شے کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کبھی سنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسلک دیوبند سے ہٹ گیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات ان ابواب میں ہے جو مسلک دیوبند کی مرکزی مسلکی دستاویز ”المہند علی المفند“ سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے۔ مسلک دیوبند کے حدود و خال جس آئینے میں مشخص یا معین ہوئے، وہ بلا ریب اکابر دیوبند کی اجماعی تحریر ”المہند علی المفند“ ہی ہے۔ مسلک دیوبند کی حدود باعتبار کمیت کبھی بھی ”المہند“ سے متجاوز نہیں ہوتیں۔ ہاں باعتبار کیفیت یعنی قوت و ضعف کے مختلف بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

سلسلہ حیات، البنی کا مدار اگر صرف ”آب حیات“ پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسلک دیوبند سے خروج نہ تھا، اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتب فکر نہیں اور نہ حضرت نالوتویؒ کسی علیحدہ مکتب فکر اور مسلک عمل کے بانی تھے۔ بلکہ حضرت نالوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وہ سلف صالحین اہلسنت کی اعتقاد اور عملاً کامل اتباع ہی تھی۔ ان اکابر سے کسی ایک سلسلہ میں اختلاف یہ صورت فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانب مخالف اہل سنت سے خروج ہے۔ یا یہ اختلاف حدود اہل سنت میں بھی سمو سکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی تھی کہ یہ مسلک دیوبند سے خروج ہے یا نہیں، اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نالوتویؒ یا حضرت گنگوہیؒ کی تقلید شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سلسلہ حیات البنی میں مسلک دیوبند کا مدار صرف آب حیات پر نہیں، بلکہ ”المہند“ کی اجماعی مسلکی دستاویز پر ہے۔ پس اس سے اختلاف یقیناً مسلک دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے، ورنہ ان تمام اکابر کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے ”المہند“ کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا اور ان تمام بزرگوں کی بھی تجہیل ہوتی ہے، جو اسے دوسروں کے سامنے اسے دیوبندی مسلک فکر کے ترجمان کی صورت میں پیش کرتے رہے۔

سلسلہ زیر بحث میں مسلک دیوبند تو ”المہند“ سے ہی پوری طرح عیاں ہے، تاہم

اکابر دیوبند کی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیش خدمت ہیں۔ انہیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

مرثومین

① — مجتہد الشہ العالمین، مرکزہ دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار التشریع

حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم نانوتوی الصدیقی انار الشربہانہ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حسب ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک کتاب ”ہدیۃ الشیعہ“ تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں :-

رسول اللہؐ بلکہ تمام انبیاءؑ بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپؐ کی ہلک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم

عہ ہدیۃ الشیعہ اور ہدایہ الشیعہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اول الذکر حضرت نانوتویؒ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہیؒ کی مولانا نانوتویؒ کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہیؒ کی ہی تحریک پر لکھی گئی تھی یہ آپ حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے حضرت مولانا نانوتویؒ آپ حیات میں لکھتے ہیں :-

ارشاد حضرت محبوبہ علم و عمل جامع کمالات عیانی و دینیہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب

خلیفۃ ارشد حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ باعث تحریر اصل رسالہ اعلیٰ ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔

(آب حیات ص ۵ مطبع مجتہبائی)

ہدیۃ الشیعہ میں حیات النبی کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتویؒ کی افتاد طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے نفرد پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ کو اس سے بالکل لائق قرار دیتے ہیں، حق یہ ہے کہ ہدیۃ الشیعہ (حیات النبی کے بیان پر حضرت نانوتویؒ کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہیؒ تھے۔ فافہم و تدبر

کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھیں اور ہمارے لواحق وغیرہ ہماری اشیاء کو برقیں اور اس سے ہماری ملک زائل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے ایسے ہی رسول اللہ بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء اموال کے مالک ہیں، کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقہ جو ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بقید حیات ہیں، پیشیہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔

پھر نالوتویٰ لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں:-

انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔

اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ

لہ ہدیۃ الشیعہ ص ۲۶۹ از حضرت نالوتویٰؒ لطائف قاسمیہ ص ۷۷ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویٰؒ اور علماء دیوبند جو آنحضرتؐ کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دنیا والے جہد اطہر سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات جمیع الوجہ دنیاوی حیات ہے جب حضرت نالوتویٰؒ حیات دنیاوی کے منہدم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ بعینہا اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ وہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لیے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ وہی کے سہارے علمائے دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور انتقال دار من الدار کے قائل نہیں۔ انہیں حضورؐ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپؐ نے مغالطہ ڈالنے سے منع فرمایا ہے اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ بہ الموفق۔ ص ۷۷ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویٰؒ حیات البنی کے مضمون کو محض الہامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے۔ افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ وہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات البنی حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ آپؐ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لیے بیان کیا تھا۔ رب الغرۃ تفتیہ کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

جانے منکودوں کا کام یہی ہے

پھر لکھتے ہیں۔

انبیاء کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے، پر حسبِ ہدایت کل نفس ذائقۃ

الموت اور انکِ میت وانہم میتون تمام انبیائے کرام خاص کر حضرت سرورِ انام

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔

حضرت نانوئیؒ ایک دوسرے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ورودِ موت کا

اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

باجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استتار

حیات زیرِ پردہ موت ہے اور یہاں انقطاعِ حیات بوجہ عروجِ موت ہے

اگر موت ضدِ حیات اور صفتِ وجودی ہو یا بوجہ دیگر اگر موت عدم اور ملکہِ حیات

ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالمؐ کو جدا خطاب

کر کے ارشاد فرمایا: انکِ میت اور سو آپ کے اور دل کو بھی جدا ارشاد فرمایا،

انہم میتون اور مثلِ جملہ لائحۃ ثمر انکم یوم الفیئۃ عند ربکم تختصمون

سب کو شامل کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ انکم میتون۔ باجملہ جیسے حیاتِ نبویؐ

اور حیاتِ مومنین امت میں فرق ہے۔ چنانچہ اُس کے اثبات کے لیے تقریرِ وافی

اور تحریرِ شافی کافی ادراکِ گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ ایسے ہی موتِ نبویؐ اور

۱۔ اب حیات ص ۵۷ لطائفِ قاسمیہ ص ۷۷ حضرت کی یہ تصریح ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتناک

طمانچہ ہے جو یہ پراپگینڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نانوئیؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ پر ورودِ موت ہی نہیں ہوا

اور وہ حضورؐ کے لیے کسی قسم کی وفات کے قائل نہیں۔ یہ حضرت پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ ثانیاً اس عبارت سے مکملین

حیات کا یہ پراپگینڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفاتِ البنی کی یہ مذکورہ آیات حضرت نانوئیؒ کو یاد نہ تھیں یا بیان

حیاتِ البنی کے وقت مستحق نہ تھیں اور سامنے نہ تھیں۔

موت مومنین میں بھی فرق ہے اور مردہ فرق بین الموتین وہی فرق بین الحیاتین ہے اور اسی بناء پر لازم ہے کہ نوم نبوی اور نوم مومنین میں فرق ہو۔ اس لیے کہ النوم اخو الموت۔ چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت اور نوم کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔
 اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لو تمت فی منامھا۔

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی۔ چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر دال ہے۔ جیسے موت تقدم حیات پر دلالت کرتی ہے۔ تو پھر جو حال وقت امساک موت ہو گا وہی حال وقت امساک نوم ہو گا۔ جس کی موت کے وقت استتار حیات ہو گا، اُس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہو گا۔ فرق ہو تو شدت استتار وضعف استتار ہو۔۔۔۔۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا کلام اسی سچپان کی تصدیق کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

بنام عینای دلائنام قلبی او کما قال۔ (رواہ البخاری ومسلم بالفاظ مختلفہ)
 ترجمہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

لہ عزیزی شرح جامع صغیر جلد ۱۔ ۱۰ فیسک التی قضی علیہا الموتی ویسئل الاخری الی اجل مستی (پ ۲۴۴ الزمر) یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت بھی اور نیند کے وقت بھی، پھر انہیں ان کے متعلق رو کے رکھتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا۔ اور دوسری جانوں کو پھر لوٹا دیتا ہے کچھ مدت تک کے لیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جن سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی (جیسے آفتاب لاکھ میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع دلیا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے (فوائد القرآن للشیخ العثماني ص ۱۸) ہاں انبیاء کرام سے نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرو۔ واللہ اعلم۔ آج حیات پہلے محبتانی

حضرت نانوتویؒ نے ”آب حیات“ کو ”تقریر ابوت نبویؐ، تک پہنچ کر پھر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ وہ خود لکھتے ہیں :-

بغرض اطمینان و تصدیق مولانا و محمد و منار و رفیق طریقت زیب شریعت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ و ادا ام فیوضہ کی خدمت میں عرض کی :-
آب حیات کے پہلے ورق پر مرقوم ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چاندکشتوں کے عزت گزین ہیں، جیسے اُن کا مال قابلِ اجرائے حکم میراث نہیں ہوتا، ایسے ہی آپ کا مال بھی محلِ توریت نہیں ہے۔
پھر فرماتے ہیں :-

ارواحِ انبیاء کو بدن سے علاوہ بدستور رہتا ہے۔ ہر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے۔
پھر لکھتے ہیں :-

صحابِ انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لیے اُن کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے، جیسے ایام حیات میں ”احیاء“ کی زیارت ہوا کرتی ہے۔

۱۔ تسوید تقریر ابوت نبویؐ آب حیات ص ۶۲، ص ۶۳، ص ۱۰۸، ص ۱۰۹، ص ۱۱۵، بلکہ اس کے آگے تک پھلتی گئی ہے۔ عہد حضرت گنگوہیؒ کی تصدیق ان کی اپنی کتاب ہدایۃ الشیعہ میں بھی ہے فرماتے ہیں ”اس مضمون حیات کو بھی مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ”آب حیات“ میں بمالامزید علیہ ثابت کیا ہے“ ۲۔ مطبع مجتہبی حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد میں مالا مزید علیہ (کہ اس پر اور کچھ کہا ہی نہیں جاسکتا) کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی ”آب حیات“ کے متعلق فرماتے ہیں ”مولانا گنگوہیؒ قدس سرہ“ ہدایۃ الشیعہ“ اور رسالہ ”حج“ وغیرہ میں بھی اس کی تصریح و تائید فرما رہے ہیں۔ (الشہاب الثاقب ص ۴۲ بقی پریس دہلی)۔

۳۔ آب حیات ص ۶۲، ص ۶۳، ص ۱۰۸، ص ۱۰۹، ص ۱۱۵، بلکہ

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ پر درود و وفات کے ہرگز منکر نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی انہیں پوری تائید حاصل تھی اور وہ اپنی رائے میں منفرد تھے۔ آیت انک میت وانہم میتون ان سے اور جھل نہ تھی، وہ اسے ان مباحث میں پڑھتے بھی تھے اور تشریح بھی کرتے تھے اور آپ کی یہ تشریح اسلاف امت کے خلاف نہ تھی حقیقت یہی ہے، البتہ بھوٹ کا کوئی علاج نہیں۔

② — فخر المحدثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

ولان النین صلوات اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احياء فلا معنى لتوریت
الاحیاء منهم علیہ

ترجمہ: چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت سب کے سب زندہ ہیں، اس لیے ان کے آگے ان کی وراثت چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہونا۔
پھر فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ صلی یوزق۔ اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ”آب حیات“ میں بحال مزید علیہ ثابت کیا ہے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں:-

(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ

۱۔ الکواکب الدری جلد ۳ ص ۴۳ ۲۔ ہدایۃ الشیعہ ص ۱۵ مجتہبی عہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کی اس حیات النبی کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں: تقریر انقیادینبی ان
یکتب بماء الذهب۔ (اوجز المسالک جلد ۲ ص ۴۸۲)

عہ سنن ابن ماجہ ص ۱۹ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت نانوتویؒ کے پورے حامی تھے۔

میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے، اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد اسلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم لدراٹہ مرقدہ نے حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ سے آنک میت الایہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اوسچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے۔ مگر انبیاء کرام کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و تعاقب آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس طرح پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پران کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے مکہ ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ انتہی کلامہ الشریف۔

عہ معلوم ہو کہ حضور اکرمؐ کے اپنے روضہ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر پورے اجماع امت کا منکر ہے۔ عہ ثم یسئل النبی الشفاعۃ یقول یا رسول اللہ اسألك الشفاعۃ (فتح القدیر آخر کتاب الحج جلد ۲ ص ۳۳ مصر) عہ حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آرہا ہے یہاں صرف حضرت گنگوہیؒ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا اس لیے اس پر کفایت ہے۔ عہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

③۔ رئیس المحققین زبدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (۱۲۳۹ھ)

”المہند علی المہند“ میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے :-

عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالة صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ
الشریف وحیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتویۃ برزخیۃ لکونہ فی عالم
البرزخ بلہ

اس پر حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں :-

ہو معتقدنا و معتقد مشائخنا جمعاً لادیب فیہ

ترجمہ۔ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی
شک نہیں۔

حضرت شیخ الہند کے تصحیح کردہ ابو داؤد کے حاشیہ ص ۱۵۷ میں ہے :-

ان العرض هل هو على الروح المجرد او على المتصل بالجسد حسبوا ان
جسد النبي كجسد كل احد فكفى في الجواب ما قاله على وجه الصواب

ترجمہ۔ وفات شریفہ کے بعد حضور پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کرے
گیا یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عود عرض ہوگا؟ حضور کا جواب کہ انبیائے کرام کے
اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

④۔ فخر المحدثین زبدۃ العارفين حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری

ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبياء علیہم السلام احياء

فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت جبابہا کما لا فرق

بلہ کہ انرازیہ دیوبند کے المہند ص ۱۵۷

علمائے دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند کے مصنف یہی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے
برہنہا برس پہلے آپ نے مولانا عبد السمیع رامپوری کی کتاب انوارِ ساطعہ کے جواب میں براہین قاطعہ لکھی
تھی۔ یہ کتاب حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا
خال میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ
نے اپنا عقیدہ حیات البنی ان الفاظ میں لکھا ہے۔

اس بات کو خوب یاد کر لینا ضرور ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب اور رخت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ اچلتے
پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملنے
پہنچاتے ہیں اور اعمال امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ
دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالفت نہیں مگر یہ کہ
ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت
وہ زندہ اور عرض و حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدوں اعلام
حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اس جہان (عالم دنیا) کے فرد ہو
ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آوری ایک بزنخی زندگی سے ہی ہوگی جس طرح معراج کی رات عالم
بزنخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس تشریف آوری ایک بزنخی زندگی سے تھی اور اس
میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی بھوک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔
اس عالم میں عالم بزنخ کے مسافر اسی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے آپ نے عقیدہ حیات البنی صرف مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں
ترتیب نہ دیا تھا پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پہلے آئے ہیں اور براہین قاطعہ اس پر شاہد ہے

فی حضورہ و غیبتہ فی زمان حیاتہ و لہذا العلة لم یذهب الیہ احد
من الاممۃؑ

ترجمہ: یقیناً بنی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرامؑ اپنی اپنی
قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں، یا
پر وہ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپؐ کی اس دنیا
کی زندگی میں آپؐ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار
سے) کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں :-

ان الانبیاء فی قبورہم احياءؑ

ترجمہ: یقیناً انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
رأس التقیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ
سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ہے :-

استانہ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالتا تو کیا مواجہہ شریفیہ
کے قریب یا مقابل بھی آپؐ کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوفزدہ، مودبانہ، دبے
پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دُور کھڑے ہوئے بجمال خشوع و سلام
عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت حیات ہیں۔
لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبویؐ کی حد میں کتنی ہی
پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔
پھر لکھتے ہیں :-

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حتى في قبره

الشریف و حیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف فثبت
بہذا ان حیوۃ دنیویۃ لکونہما فی عالم البرزخ بل

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور آپؐ کی حیات (اس دنیا والے جہدِ اطہر میں ہونے کے اعتبار سے) دنیاوی
ہے، ہاں (بجميع الوجہ دنیاوی نہیں)، اس میں آپؐ سکنت بالا حکام نہیں پس
آپؐ کی حیات اس طرح دنیاوی اور عالمِ برزخ میں ہونے کے لحاظ سے بذاتی ہے۔

⑤ — شیخ الاتقیار زبۃ الصلی حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ

حضرت رائے پوریؒ قدس سرہ الغریۃ مذکورۃ الصدر "المہند علی المہند" جس کی عبارت دربارہ
حیات البتہ اور یہدیہ قارئین ہو چکی ہے، کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

الذی کتب فی هذه الرسالة حق صحيح وثابت في الكتب بنص صريح و
هو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان اللہ علیہم اجمعین احیانا اللہ بہما و
وامانا علیہما وانا العبد الضعیف عبدالرحیم عفی عنہ الرائیفورؒ

ترجمہ: جو کچھ اس رسالہ "المہند" میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح
کے ساتھ موجود ہے یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ
ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے میں
ہوں بندہ ضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائے پوریؒ

⑥ — امام کبیر محدث شہیر حضرت مولانا العلامة الشیخ امام نور شاہ صاحب کشمیریؒ

یرید بقولہ الاتبیاء احياء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط

لہ المہند ص ۱۱ اعزازیہ لہ ایضاً ص ۳۸ تہ نتیجۃ الاسلام ص ۳۱

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ”انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں“ کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاء (روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:-

المواد بحديث «الانبياء احياء في قبورهم يصلون» انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم فلا يرد ان الروح بنفسه يستطيع الصلوة ورد السلام فكيف وجه في الحديث بقاء الحيوة بفعل الصلوة وكذا رد السلام برد الروح^۱ ترجمہ: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور (فائز الحیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی) یہ کیفیت اُن سے سلب نہیں کی گئی، یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادا کے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا، تو حضورؐ نے حیات النبیؐ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح اُنہیں (متوجہ ہونے) کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:-

قوله فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبورهم يصلون تسرد فی ذکر الحیوة افعالها الاصلها اوراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت علی الارض^۲ ترجمہ: حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ افعال حیات (زندہ والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا تو یہ کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

④—حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الغرار، قانع البدعۃ الظلماء

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے، پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقعے ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی الموائج) اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تہذیبی ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جاتا ہے بلکہ

بدا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے، دو وجہ سے۔ ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبویؐ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضورؐ قریب ہی سے تشریف رکھتے ہیں، نداء غائب لازم نہیں آتی۔

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا۔ علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ تھے۔ آپ فرماتے ہیں:-

① جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ زمین جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح جس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

② ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں:-
ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

③ ایک مرتبہ فرمایا کہ:-
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیوں کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضور خود بہ تبسیر الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق پہنچتا ہے۔
اس کے بعد حضرت نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:-

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء کے کرام علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں

کھا سکتی۔ حدیث شریف میں ہے :-

حرم الله اجساد الانبياء على الارض۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں بنیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

منع معاشر الانبياء لا نورث ما تركنا صدقة۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں اموروں سے۔ ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔

بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے چنانچہ ایک واقعہ سے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔

④ حضرت حکیم الامتؒ ایک اور غلط فہمی فرماتے ہیں :-

خوب سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ کو میت کہہ سکتے ہیں، ورنہ واقع میں

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی۔ مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے بلکہ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

⑤

ایک شخص نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے۔ بل احياء عند ربہم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کہ زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار سہ کا نہیں۔ اس میں تو حدیث صریح موجود ہے اور نکتہ تائید کے درجہ میں ہے بلکہ

⑥ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے۔ وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب اقرب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندگی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے۔

④ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنصرِ حدیثِ قبر میں زندہ ہیں :-

ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

مدینہ طیبہ جانے والوں کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیونکہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں :-

⑤ حضرت حکیم الامتؒ کے ایک غلیفہ حب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ :-

جب تم مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اس طرح عرض کرنا :-

یا سیدی یا رسول اللہ اشرف علی خویہ مک یسلم علیک ویسئلك ان یدعوا

اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک وخدام دینک ومحشرہ معک :-

⑥ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ :-

بس اب میں بیان کر اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارتِ قبر شریف کے برکات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا :-

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض

کیا السلام علیک یا جدی جواب مسموع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی اس پر ان کو

وجہ ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے :-

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلمہا تقبل الارض عنی وہی ناٹلتی

فہدہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامد دیمینک کی تحظی بہما شفقتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا۔

انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا ہوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے :-

- ④ پھر فرماتے ہیں۔ آپ نبضِ حدیثِ قبر میں زندہ ہیں۔
 ⑤ مدینہ منورہ جانے والے... یوں کہے کہ میں نے حضور کی زیارت کی کیونکہ
 حضور زندہ ہیں۔

مذکورہ بالا تحریرات وارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا
 اشرف علی تھانویؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔
 ⑧ — رئیس المتکلمین، فاتمہ المحققین، محدث کبیر، شیخ الاسلام

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون۔
 ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔
 ان النبي حتى كما تقرر وانه يصلي في قبره باذان واقامة۔
 ترجمہ۔ بے شک حضور اکرمؐ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں
 اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔
 اما بعد وفاته فروجه المقدسة صلى الله عليه وسلم قد استقرت في الرفيق
 الاعلى مع ارواح الانبياء عليهم الصلوة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار
 حياته في قبره الشريف فان لروحه صلى الله عليه وسلم اشراقاً على البدن
 المبارك المطيب واشراقاً وتعلقاً به وبدنه في ضريحه غير مفقود و اذا
 سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام كما ورد في الحديث

لے التکشف ص ۲۴۲ لے و غرر التبلیغ ص ۳ جمادی الاولیٰ ۳۴ لے فتح الملہم جلد ۳ ص ۳۳ لے ایضاً ص ۱۹
 مع قال شیخ الاسلام المراد بقول رد الله على روحه كانت سابقة عقب دفنه لانها تقاد ثم
 تنزع ثم تقاد كما في الفتح ص ۳۳

ولم يفارق الملاء الاعلى ومن كشف دراکه وغلظت طباعة من هذا الادراك
فليتنظر الى الشمس في علم محلها

ترجمہ۔ ذرات شریفہ کے بعد آپ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے
ساتھ رفیق اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپ کا اپنی قبر شریف میں
زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن
پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روکشی اس پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر
کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہوا اور جب
بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو
آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے
ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ملا اعلیٰ اعلیٰ علیین سے
جدا نہیں ہوتے جس کا ادراک کشف ہوا اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک
کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علم محل میں دیکھنا پائیے۔

⑨ — محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدة الفقہار، راس الاتقیاء، مفتی اقلیم ہند

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی

حضرت مفتی اعظم ”المہند“ جس میں سلسلہ حیات البتئی ایک مستقل سوال اور جواب کی
صورت میں مرقوم ہے، اس پر لکھتے ہیں :-

رأيت الاجابة كلما فوجدتها حجة صريحة لا يحوم حول سداد قائلها شك
والاريب وهو مقصدك ومقصد مشائخي

۱۷ فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۱ ۱۸ المہند ص ۵۲ اعزازیہ

عہ جیسا کہ علامہ قزوینی کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب

ترجمہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔ کوئی شک
یادیں اس کے ارد گرد بھی گھوم نہیں سکتا یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے سب مشائخ
بھی انہی عقائد پر تھے۔

①۔ رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحجاز

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ

نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی
زمانے تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں
برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو اعدا امت کو
ثابت ہے، بعض ان کے حفظ جسد نبی کے قائل ہیں، مگر بلا علاقہ روح اور متعدد لوگوں

عمہ یہ تصریح ان لوگوں کے لیے مقام عبرت ہے جو محض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی دوسرے اکابر دیوبند کے نام ”المہند“ کی تصدیق میں لکھ دیئے تھے یا
یہ کہ دوسرے اکابر نے ”المہند“ پر صرف اعتماد استحضار کر دیئے تھے، عبارات خود نہ دیکھی تھیں۔ دیکھنے
حضرت مفتی صاحب کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں۔ اب ہم
اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مسکلی حمایت میں جھوٹ بولا ہے، انہوں نے جوابات خود
نہ دیکھے تھے، تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ بے حیا باتیں و سرچہ خواہی کُن
عمہ اس سے مراد نجدیہ متاخرین ہیں ورنہ متقدمین نجدیہ تو اجماع امت کے مخالف نہ تھے۔ شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد
عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں :-

والذی نقصد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق
وانه حتى في قبره حياة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليهما في التذليل
اذا هو افضل منهما بل ربي وانذ يسمع من يسمع عليه۔ (اتحاف النبلاء ص ۲۱۵ مطبوعہ کانپور)

کی زبان سے یا الفاظِ کریمہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں۔ دربارہ حیاتِ نبوی علیہ السلام
 مناجاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمائیے
 کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی
 قدس سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے۔ جو کہ مشہور
 بین العالم ہے۔ اس میں کس زور شور سے حیاتِ نبوی کا اثبات کیا ہے اور مذہب
 اہل سنت و الجماعت اور فضائلِ نبوت میں کسی درجہ اور قوت کے دلائل درج فرمائے
 ہیں مولانا گنگوہی قدس سرہ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی
 تصریح و تائید فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں خصوصاً ان حضرات کی عبارتیں
 بہت طویل و واقع ہو رہی ہیں اور متعدد رسالے اسی مضمون کے تفصیلاً و اجمالاً
 چھپے ہوئے مشہور ہیں۔ اس لیے بخوفِ تطویل میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے
 "آبِ حیات" و "ہدایۃ الشیعہ" و "اجوبۃ اربعین" و "لطائفِ قاسمیہ" و "ہدایۃ الشیعہ"
 و "زبدۃ المناسک" وغیرہ رسائل میں دیکھ لیوے۔ یہ ایک خاص مسئلہ ہے جس
 میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بارہا جدال و نزاع کی نوبت
 آئی۔ اس مسئلہ میں اور مسئلہ آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے ممتاز ہوتا ہے
 پھر لکھتے ہیں:-

عہ اس سے معلوم ہوا کہ حیاتِ النبی کا عقیدہ ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت میں سے ہے جو اس کا
 قائل نہیں، وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ حیاتِ النبی میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مابین کوئی اختلاف
 نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ حیاتِ النبی کے اقرار سے ہی کسی کا سنی ہونا پہچانا جاتا ہے۔

لہ رجم المدینین ص ۲۸ مطبوعہ ممبئی جو پرتی پریس دہلی، مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔
 محمد بن عبد الوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفہ و ملت کے مشہور اور مابہ الامتیاز (بین اہل سنت و بدعت) ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے "علاقہ بین الروح و الجسم" کے منکر ہیں۔ اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آب حیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز "ہدیتہ الشیعہ"، "اجوبہ اربعین"، حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ معتقدہ حضرت نانوتوی قدس سرہ الغریزہ اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔

۱۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۳ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۴۲۳ھ کے نقش حیات جلد ۱ ص ۱۰۴
 عہ حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیات جسمانی اور بقا علاقہ "بین الروح و الجسم" کے منکر اہلسنت میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ عہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف یہی نہیں کہ آنحضرت کے تعلق بین الروح و الجسم کا اقرار کر لیا جائے۔ بلکہ دیوبندی ہونے کے لیے اس کا مثبت ہونا (خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تقلیداً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لیے پوری طرح فکر و وقت صرف کرنا ضروری ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لیے پیام عبرت ہے جو اس تعلق روح و جسم کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر اس کے اثبات میں مصلحت خاموش ہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ آب حیات لکھنے کی غرض محض رد و انقضای ہی نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے، بلکہ اصل مقصد عقیدہ حیات البنی کا اثبات تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیزہ آں حضرت کی شان مبارک میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریم معلیٰ تک جلیل القدر علمائے امت کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ رسالہ ”آبِ حیات“، ”قبلہ نما“، ”ستحذیر الناس“، ”ہدیتہ الشیعہ“، ”اجوبۃ اربعین“، ”قاسم العلوم“، ”مناظرہ عجیبہ“ وغیرہ ایسے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔

دس اکابر دیوبند قدس اللہ سرہ ہم کا بیان ختم ہوا۔ تلک عشرہ کاملہ۔

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

①— صدر الافاضل، فخر الاماثل، جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ الحاج

القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں :-

مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متواتر ذوق کا تعلق ہے۔ دیوبندیت تو یہی ہے کہ بزرخ میں آنحضرت کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دارالعلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی (کہ اس عالم بزرخ کی حیات اسی حید اظہر میں ہے، جو اس دنیا میں تھا) ہے۔ پھر اذکر دو بزرگوں کے تلامیذ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہی، حضرت مولانا خلیل احمد

نہار پوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا، جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ و مقالات میں محفوظ ہے۔

پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لیے دیوبندیت تو حیات النبیؐ کے بارے میں حیات دنیوی (باعث بار ابدان دنیا) ہی ہے جو بزخ میں قائم ہے۔

محمدہ و نصلی، احرار و احرار کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ”المہند“ وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی بزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بحسب عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند حال وار دہلستان

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں:-

”اب حیات“ وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ المہندؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درماد رہا پڑھی رتب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحب سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انہوں نے بایں ذہن و ذکر فرمایا کہ میرے بس

کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے؟

..... حاصل یہ ہوا کہ سرورِ عالم ہر آن مشاہدہ جمالِ الہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں

ہیں اور امت کی طرف بھی آپ کی توجہ ہر لمحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں

مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارفِ کامل

حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا، تو

اس نے سرورِ عالم کو اس حال میں پایا۔

ورأيت مستقراً على حالة واحدة..... متوجهاً الى الخلق لا بسالباس

العظمة..... فاذا توجه اليه انسان بمحمد هتته ولا يريد الانسان

العالى الهمة فقط بل كل ذى كبد يشتاق الى شئ ويتوجه اليه بقصده

وشوقه فانه يتدلى اليه..... ورأيت صلى الله عليه وسلم ينشرح

انشراحاً عظيماً لمن صلى الله عليه وسلم ومدحه۔

ترجمہ میں نے سرورِ عالم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بندگانِ الہی کی طرف متوجہ تھے

پوری توجہ کے ساتھ عظمت و بڑائی کا لباس آپ کے زیب تن تھا جب کوئی خدا کا

بندہ ذوق و شوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرورِ عالم اس

سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور پر درود و سلام بھیجا اور

آپ کی تعریف کی، تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے اُن کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے، یعنی حضرت

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب

عہ جو شبہات منکرین حیات کی طرف سے حدیث ”ما من احد يسلم على الا نـد الله على روحى“

پر وارد کئے جاتے ہیں، ان کا ازالہ فرمانے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت

قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

”فیوض الحرمین“ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلہ اتم واحکم۔

(مضمون حضرت علامہ القاری محمد طیب صاحب ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

ربیع الاول ۱۴۲۲ھ ————— ۱۹۵۲ء

②- زبدۃ المحدثین شمس العارفین شیخ المہاشن حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور

مکرم و محترم مدنیو حکم بعد سلام مستون

نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے اسے شخص کو مخاطب بنا، جو نہ تو مفتی نہ مولوی۔ اس ناکارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں، جو اکابر و اسلاف کی کتاب میں ملتا ہے، اسی کو ادھر ادھر نقل کرتا رہتا ہوں۔ اسی کا نام شریعہ موطا ہے، یہی تبلیغی رسائل کی حقیقت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف کے کچھ لوگ تیری تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں، موجب تعجب ہے جن حضرات کو اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سترہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی تحریرات قابل قبول نہیں ہیں، وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کر سکتے ہیں۔ بہر حال یہ ناکارہ ان اکابر کا بالکل متبع ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائے پوری حضرت محفانوی قدس اللہ سرار ہم نے بلا کسی اجمال کے ”ہذا معتقدنا و معتقد مشائخنا“ لکھا ہے کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جاسکے

عہ فیوض الحرمین ص ۱۳ پیر یہ بھی فرماتے ہیں۔ ما توجہت قبل قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا وایتہ حاضرًا ظاہرًا ما بان انفتح بصورہ وحی فرأیتہ علی ما هو واما ان تأثرت نفسی منہ تأثرًا۔

(فیوض الحرمین ص ۲۳ مطبوعہ دیوبند)

جو نصوص آپ نے مہمات کے متعلق لکھی ہیں، ان سے کوئی بڑھا نکھا انکار کر سکتا ہے؟
 بالخصوص جن حضرات کی رائیں ہمیشہ تلاوتِ قرآن اور دن ساری عمر تدریسِ بخاری
 شریف وغیرہ کتبِ حدیث میں گزریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات
 میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا۔ ان میں سے
 حضرت رائے پوری قدس سرہ کے علاوہ کون سا ایسا ہے جس کی عمر کا معتد بہ حصہ
 تدریسِ حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے علوم
 و معارف کو سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ان میں سے
 کسی کو بھی نہ تو قرآن پاک کی کسی آیت کا پتہ چلا، نہ حدیث پاک میں کوئی مہمات
 والی روایت ان کی نظر سے گزری۔ یہ ناکارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ
 رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق
 ارشاد فرمایا کہ ”فانہم علی علم وقفوا وبصر فاذا كفوا وهم علی كشف
 الامر كانوا اقویٰ وبفضل ما كانوا فیہ اولیٰ فمادونہم من مقصر
 وما فوقہم من محسرو قد قصر قوم دونہم فحفوا وطمع عنہم اقوام
 فخلوا وانہم بین ذلک لعلی ہدی مستقیم، حقیقت یہ ہے کہ اس دور
 فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ سلفِ صالحین کے
 خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی ”ان من
 ورائکم فتنا یکثر فیہا المال ویفتح فیہا القرآن حتی یاخذہ المؤمنون و
 المنافق والرجل والمرأۃ والکبیر والصغیر والعبد والحرفیو شک قائل
 ان یقول ما للناس لا یتبعونی وقد قراءت القرآن ما ہم بمتبعی حتی ابدع
 لہم غیرہ فایاکم ما ابدع الخ لہذا یہ ناکارہ تو حذو النعل بالنعل ان حضرت

کا جامہ متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف ہے، تو وہ لغو ہے، ناقابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جمیع حیات کے درجات متفادات ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا۔ اسی طرح ممات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا اطلاق کیا گیا سونے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے »الحمد لله الذی احیاننا بعد ما اماتنا« وارد ہے، قرآن پاک میں »اللہ یتوفی الانفس حین موتہا«، الآیہ میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا »لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ« میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لہذا جن نصوص میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا اطلاق کیا گیا۔ ان میں سے کوئی سی بھی حضرت تانو توئی نور اللہ مرقدہ یا اکابر دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں بھی وہی موت مراد ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شایان شان ہے خود حضرت عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں، اس کی واضح تائید کرتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی نوع ممات کے بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ ان کا ارشاد »ان رجالا من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی واللہ مامات ولكن ذہب الی ربہ کما ذہب موسیٰ ابن عمران واللہ لیرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما رجع موسیٰ فلیقطعن ایدی رجالہ وارجلہم زعموا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات« یہی ہی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت و کذلک جعلکم امۃ وسطاً الآیہ کے متعلق فرماتے ہیں سو اللہ ان کنت اظن انہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدتی فی امتہ حتی یشہد علیہ باخرا عہما وانہ

هو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت» لہذا شیخین کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ
متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موت کا بالکل انکار فرماتے
تھے اور سمجھتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابھی واپس تشریف لے آئیں
گے۔ اس لحاظ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا رد بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من
الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمیع الوجہ سے ہے کہ
نوع خاص من الحیات فی الحبۃ الاظہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجسادِ انبیاء
کے بقا کے قائل ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع
کی بھی حیات نہ مانی جائے، تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ
حضورؐ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے «اکثر واعلیٰ من الصلوۃ
فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی» اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے۔
قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض وقد بیت» اس پر حضورؐ جواب فرماتے ہیں
ان اللہ حرم الخ آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیوۃ کی نہیں،
تو حضورؐ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال «کیف تعرض» کا جواب کیسے
بن گیا۔ روایت بھی صحیح ابن حبان کی ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط البخاری
بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا۔ ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت
قبرِ اظہر کا وہ حصہ جو حبیدِ اظہر سے متصل ہے، کعبہ شریف بلکہ عرشِ معلیٰ سے افضل
ہے۔ کیا یہ فضیلت صرف اس حبیدِ اظہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق
رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مومنین کے مبارک جو کبھی حبیدِ اظہر پر
پڑ چکا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال یہ ناکارہ تو اکابرِ یونہ
قدس اللہ سرارہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ «المہند»
میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔ اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح

ہو گیا۔ مختصر نمبر وار بھی عرض ہے۔ لیکن آپ نے ص ۵ پر سوالات کر کے گرامی نامہ ختم کر کے ص ۶ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے، یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال ہر دو کے جواب حسب ذیل ہیں:-
صفحہ نمبر ۵۔

- ①— اجماع انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔
- ②— یہ ظاہر ہے کہ حیوۃ نور روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیاۃ کا کیا مطلب ؟
- ③— اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذرہ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص رہی ؟ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں ”نحن تؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ“
- ④— ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابل اقتدار ہے یا نہیں، بے محل ہے۔ علامہ سخاویؒ تو امام بیہقیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں قال البیہقیؒ وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ہریرۃؓ انہ لقیہم بیت المقدس وفی حدیث ابی ذرؓ ومالک بن صعصعۃؓ فی قصۃ المعراج انہ لقیہم فی جماعۃ من الانبیاء بالسّموات فکلہم وکلموہ وکل ذلک صیح لا ینخالف بعضهم بعضاً فقد یرى موسى عليه السلام قائماً يصلي في قبره ثم يرسى بهوسى وغیره الى بیت المقدس کما اسرى بنینا فیراهم فیہ ثم یرج بهم الى السموات کما عرج بنینا فیراهم فیہا کما اخبر قال وحولہم فی اوقات مختلفۃ لمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کل ذلک دلة علی حیث قمر، یہ تو بہت ہی صاف ہے لیکن اگر یہ حضرات

اپنی قبروں میں روح مع الجسد ہوں اور دوسری مواقع میں روح متمثل ہو جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

⑤ — جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدس اس کو سنتے ہیں۔ ”من صلی علی عند قبری سمعته“ نص صریح ہے علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے ”سند جید“ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے اگر کوئی فرق نہیں تھا، تو ان کا یہ فعل عبث تھا، فقط۔

اس کے بعد صفحہ نمبر ۶ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟

① — یہ اُد پر بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیوۃ ہے۔

② — یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع حیوۃ کی ہے۔

③ — مجھے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ مہند میں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت رُپوریؒ وغیرہ کا یہ ارشاد ”ہذا معتقدنا و معتقد مشائخنا“ واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مفتی عزیر الرحمن صاحب مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی رحمہ قدس سرہ سے ”اَنتَ مَیت“ الایہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی اُد بچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرامؑ کی ارواح مشاہدہ جمال و جمال حق تعالیٰ شانہ و تعالیٰ

آفتاب و جوہر باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر
اُن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین
ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس
تحقیق سے نکتہ ان الله يحرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء بھی ظاہر ہو
جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجئے کہ ہم نادائق ان واصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔
④ معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد

ہے یقیناً مہند میں جو ہے صحیح ہے۔ شہاب ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔
⑤ حضرت رائے پوری دام مجدم باد باد زبانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں
کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا
کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہو کر من میں
الی اذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور بھی کس نفسی
کے الفاظ ارشاد فرمائے، جن کا نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابر کے
مقابلے میں کیا پیڑ ہوں۔

نوٹ : علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے۔ لیکن ہر شخص کے قول کو
دیگر اہل فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و تعدیل دوسرے
اکابر کے خلاف ہوگی، تو غور کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کر دوں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقل سے اونچے ہیں۔ اردو
رسائل و اشتہارات میں لانا، ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ لا یدرک
الصبی مدارک العالم۔ ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ

جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط والسلام

نکر یا تعلیم خود منظر ہر العلوم سہارنپور

۲۵ ج ۲ ش ۸

③ — فخر المحدثین و الفقہاء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یاسندھ

من ینکر حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ کان قوادہ فارغاً من
حبہ و عقلہ خالیاً من لبہ

ترجمہ: جو شخص حضور اکرمؐ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا
دل حضورؐ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

④ — زبدۃ الفقہاء بدرالادب حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب

دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ ”رحمت کائنات“ مصنفہ مولانا زاہد احسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیاتِ انبیاء
علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہورِ اہلسنت و الجماعۃ
کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیات
باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثارِ حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود
ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایہ سعادت و نیا د آخرت
ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دعا
تھی کہ جمہور علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جبکہ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اُن کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ کچھ آثار بعض دنیوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا۔ ازواجِ مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقدمین میں امام بیہقیؒ کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس سلسلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایاتِ حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقیؒ نے فرمایا ہے: *وَلِحَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ بَعْدَ مَوْتِهِمْ شَوَاهِدٌ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ* اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیثِ صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔ اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور *شَفَاءُ السَّقَامِ* میں امام حدیث وفقہ تفتی الدین بسکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی سلسلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفا کی حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے :-

وقد ذكرنا من جماعته من العلماء وشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فان الصلوة يستدعي جسدًا معها وكذلك الصفات المذكورة في الانبياء ليلة الاسراء كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حياة حقيقة ان يكون الابدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ في المحجبات الكثيف وغير ذلك من الصفات الاجسام التي نشاهد ما بل قد يكون لها حكم اخوفليس في العقل ما يمنع من اثبات الحياة الحقيقية بهم (شفاء الاسقام من السكبي)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 فلم یبق الا انها حياة حقيقية الآن وان الشهداء احياء حقيقة وهو قول
 جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معهما فيه قولان .
 اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے
 نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت
 کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے
 اعلیٰ و اتوئے ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات نبوی
 کے ہے۔ جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند
 کا ہے۔

(۳، ۴) مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی
 کا قائل جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی
 مستقل مذہب نہیں، اتباع سلف و جمہور اہل سنت و الجماعت کے خلاف
 ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ دارالعلوم کراچی

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

⑤ — محدث کبیر فقیر شہیر جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب

دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

الحجاب :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں سجدہ موجود ہیں اور حیات میں

آپ کے مزار مبارک پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بحسدہ و روحہ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خواب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔
 اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَحْيَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (المحدث) وعن
 ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی من بعید اعلتہ رواہ ابوالشیخ وسندہ جیداً۔ (القول المبدع)
 عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء صلوة اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون رواہ ابن عدی والبیہقی
 وعبرہا۔

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بحسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔
 کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۳۴/۵/۴۶

۵۰۲ الف: انجواب۔

اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبور میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کوان کے اجسام مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی

ان کا شریک و ہمیم نہیں ہے۔ اُن کی قبور پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں :-

قال الشيخ الكبير ابو عبد الله القرشي سافرت الى الشام فلما وصلت الى قريب ضريح الخليل عليه وعلى نبينا افضل الصلوة والسلام تلقاني فقلت يا رسول اجعلني ضيافتی عندك الدعاء لاهل مصر فدعاهم ففرح الله عنهم فقال ليا فعي نقوله تلقاني الخليل قوله حق لا ينكره الاحباہل بمعرفة ما يرد عليهم من الاحوال التي يشاهدون فيها ملكوت السموات والارض وينظرون الانبياء احياء ردت اليهم اسوا احمد بعد ما قبضوا واذن لهم في الخروج من قبورهم والتصرف في الملكوت العلوی والسفلیؑ وممثل صورته الکریمۃ السہمیۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کأنه قائم في لحدہ عالم به یسمع کلامہ قال صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتهؑ

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فدائے امتی و آبی اپنے مزار مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں، جو اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے۔ زائر کے صلوة و سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے زید کا خیال صحیح نہیں ہے، بلکہ کاذب اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہلسنت و الجماعت کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ، شرح زرقانی، انباء الاذکیار، انصاف الکبریٰ، شرح اللباب، شفاہ السقام وغیرہ ذلک من الکتب

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج

ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۵/۵/۵۸ھ

② — راس التقیار استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی

دامت برکاتہم، خلیفہ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علی والی بھجرویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام اولادِ آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت اور اُنک
میت وانہم میتون۔ کل من علیہا فان اعلانِ خداوندی سے تمام نبی آدم
نواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں، ضرور ایک وقت مرتے ہیں۔ اس کے ساتھ موت
کے بعد بھی انسان میں ایک نوعِ حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور
عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چار پائی پر قبرستان
لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو ”قدمونی۔ قدمونی“ مجھے جلد پہنچا دو، کہتا ہے
اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے ”کہ اے مجھے ہلاکت ہو، مجھے کہاں لے
جا رہے ہو“ قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے
وقت جو توں کی آواز سننا۔ قبر میں عذاب اور ثواب۔ یہ دلیل ہے کہ موت کے
بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا
اعلان ”احیاء“، ”حیاتِ میت“ کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سرورِ انبیاء
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان
کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جس پر اظہر قبر شریف
میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جس پر نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان

درود شریف چہرہ اسلام ڈالے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔ میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت و الجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔

مسکین نصیر الدین غور غشتوی

④۔ بقیۃ السلف، مجتہد الخلف، مجاہد کبیر شیخ اتغیہ حفزہ مولانا احمد علی صاحب لاہوری دابر کاہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنقری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالم برزخ بند فی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت و الجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحب بعیرت اس عقیدہ حیات النبی کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جن کی

باطن کی آنکھیں کھلی ہیں۔ اُن کے نزدیک تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روداد
اطہر کی حیات بدیہیات میں ہے۔

اختر الانام احمد علی عفی عنہ

⑧ — رائس لاتقیار اسوۃ الصالحین شیخ امشاشخ حنفی مولانا عبدالقادر رانی پوری دست برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے، جو اکابر دیوبند کا ہے۔ یہ لوگ بے کار وقت ضائع
کر رہے ہیں۔

(ارشاد حضرت رائے پوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

⑨ — دارالافتاء مدرسہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحب قائم شدہ ۱۹۱۵ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم

اجواب :

مترشح صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ الانبیاء احياء فی قبورہم۔ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جبہور
علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو لقبائے
نور اور درجہ پہلے جنت میں حقیقتاً زندہ ہیں۔ ان کو وہاں سے کہیں دوسری
جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔ الا فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرح مشکوٰۃ میں لکھتے
ہیں ”حیات انبیاء متفق علیہ است۔ بیچ کس را درو خلاف نیست۔ حیات جسمانی
دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔ چنانکہ شہداء راست“ اور حضرت
محدث گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور مزار مبارک کے پاس استشفاع بھی

کے ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق سنتے ہیں۔ اس استثناع اور طلب دعا جناب
باری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیات انبیاء فی القبر کا عقیدہ ایک جماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع
کا انکار ہے اور سخت بدعت اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہر حال اگر کسی نے علمی
کی وجہ سے انکار کیا، تو جہالت محضہ واجب الاجتناب ہے اور اگر احادیث کثیرہ
اور اجماع امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے
توبہ واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۶ جون ۱۹۵۹ء

حیات البقی کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرتؐ پر ورود موت کے قائل نہیں۔ اس کے
اذالہ اور حیات بعد الوفات کے اثبات واستمرار پر یہ سوال بیان لیجئے۔

⑩ — سلطان المناظرین عمدة المحققین بقیۃ السلف حجۃ الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم

پٹی ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں۔

کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لیے بھی روح مبارک حبوط
سے جدا نہیں ہوئی، کہاں تک صحیح ہے؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس سلسلہ کی تحقیق فرما کر
ممنون فرمائیں۔

تحقیق: یہ غلط خیال ہے اور خصوص قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور شاید ایسا خیال
کرنے والوں کو یہ سلسلہ حیات البقی کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم پر ”موت“ کا نفس ورود ایک ناقابل انکار بلکہ ناقابل شک و ریب حقیقت ہے۔ قرآن مجید

۵۸ء کی تحریر ہے جب ملک تقیم نہیں ہوا تھا اور پٹی ضلع لاہور میں تھا۔

میں صاف نقطوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کُلّ نفس ذائقة الموت (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ انک میت وانهم میتون (زمرہ ۴۱) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دو چار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔ پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں۔ ازاں جملہ حضور کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ثم نصب یداء فجعل يقول فی الرفیق الاعلیٰ حتی قبض ومالت یداء (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے ”آپ رفیق اعلیٰ ہیں“ یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آگیا۔

نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغسل اختلفوا فی دفنه فقال ابو بکر ما نسیت ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ما قبض اللہ بنیاً الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ۔ ادفنوه فی موضع فراشه للترمذی۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ۔ دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہو گیا۔ اس وقت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کرتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہتے

ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیے۔

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی میں حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے نکلا و اکبریاہ (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا لا کرب علی ابیک بعد الیوم، اذ قد حضر من ابیک ما لیس اللہ تبارک احدًا۔ الحديث (مٹی آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آگیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں ہے)۔

اور وفات نبویؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نصوص قرآن و حدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ ازاں صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبرؓ کو وفات نبویؐ کی خبر پہنچی تو آپؐ سیدہ حضرت کے پاس آئے۔ پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آنسو گراتے ہوئے کہا۔

بانی انت و امتی لا یجمع اللہ علیک موتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متہما۔

ترجمہ۔ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی ہے وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبرؓ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ ”ایسا نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو دفعہ موت کو وارد کرے۔ آپ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آگئی“

ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لیے دو موتیں ہیں پہلی دفعہ اس دنیا میں اُن پر موت وارد ہوتی ہے پھر قبر میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح اُن پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات نبویؐ کے دن جب حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے واللہ ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا :-

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا أَقْدَمَاتٍ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ
فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَقَالَ «فَأَنْتَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ» وَقَالَ
تَعَالَى «وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبِهِ
فَلَنُيْضِرَّ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيُجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ»

ترجمہ: جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمدؐ وفات پا گئے اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں دیکھو وفات نبویؐ کے ثبوت میں، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "آپ کو بھی (اے رسول!) موت آنی ہے اور آپ کے بدخواہ دشمن بھی مرنے والے ہیں (نیز صدیق اکبرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بس رسول ہی تو ہیں (کوئی جی و قیوم خدا تو ہیں نہیں) تو کیا
اگر وہ وفات پامائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں گمراہی کی
طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی
نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر
بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ خطبہ صحابہ کرامؓ کے بھرے مجمع میں دیا۔ اور کسی
نے اس کے کسی جز پر کوئی تنقید نہیں کی۔ بلکہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”ابو بکرؓ کے اس بصیرت
افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔“

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کے عام قاذن کَلِّ
نَفْسِ ذَاتِ الْقُوَّةِ الْمَوْتُ کے ماتحت موت جاری ہونی (اور دو موت ہندو ص قرآن و حدیث سے
ثابت ہے۔ اور دوسری طرف گویا صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے۔ لہذا سوال میں کسی کا جو ”خیال“
ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں ”حیات النبی“
کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ ”علماء کرام“ جو ”حیات النبی“
کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں
ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدسؐ کو حیات بخش دی گئی
ہے۔ غالباً متقدمین میں امام بیہقی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر مستقل

۱۔ امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:-

من صلی علی عند قبری سمعته ومن علی ذامیاً ابلغته۔

ترجمہ: کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف
پڑھے گا میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دوسرے درود شریف پڑھے گا وہ

رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں اس سلسلہ کے متعلق تمام احادیث جمع کی ہیں۔ انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

ان الانبياء بعد ما قبضوا ردت ايلهم ارواحهم فمراحيا عند ربهم
كالشهداء۔ (درقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۳)

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں لوٹا دی گئیں ہیں وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کے کام۔

(فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

طاعلی القاریؒ کی اپنی کتاب الدرۃ المصنیۃ فی الزیارة المصطفویہ میں فرماتے ہیں۔

ومن اعظم فوائد الزیارة ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ
سمعه سماعا حقیقیاً ورد علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی
او یسلم علیہ من بعد فان ذلك لا یبلغه الا بواسطۃ لما جاء
عنه بسند جید من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی
من بعد اعلمته۔

ترجمہ۔ زیارۃ قبراقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ
کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطا
فرماتے ہیں بجز اس شخص کے جو دور سے درود و سلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں
پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے بوجہ اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص
میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور
سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (در تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء)

طاعلی قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابوالشیخ کی ہے بسند جید
کہا ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک علیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب ”شفار السقام“ میں ”حیات انبیاء“ پر ایک مستقل باب لکھا ہے جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ ”قرآن عزیز صاف حضورؐ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت وانہم میتون) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ مَقْبُوْضٌ (میں قبض کیا جاؤں گا)۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ ان محمدًا قدمات (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں۔

یقال انه موت غیر مستمر وانہ احوی بعد الموت۔ (شفار السقام ص ۱۴۲)

ترجمہ جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر (کا ذکر) ہے اور حضورؐ کو اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرمادی۔

بہر حال حیاتِ انبیاء کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر ”موت“ قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات مع الجسد بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح و سالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔
 ھذا الجواب ویؤب اللہ علی من تاب۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سندِ حید سے مانا گیا ہے۔ پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبد الرحمن کیمپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی۔
 ”میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع

ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے۔ (از تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادات ہیں جو بقیہ حیات ہیں۔ وکفی بہم شرفاً وفضلاً۔
ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضور کے سماع حقیقی کی
توثیق کی گئی ہے۔ وہو الحق والحق احق ان یتبع۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی
(دال بچراں) نور اللہ مرقدہ نے سلازالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریرات سامنے
بیٹھ کر سنیں اور فرمایا۔ مسک دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر
میر سامنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسک برحق ہے۔

حضرت مولانا منصور محمد نعمانی نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ میں جب سلازالی کے مناظرہ کے لیے
چلا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحب سے ملاقات نہ
کر دوں۔ وہ بطور مبصر مناظرہ میں میری تقریریں سنیں اور حضرت سے میری ملاقات

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور علماء دیوبند کا مسک حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے
بارے میں کوئی نہ کہے گا کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں
کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غشتی کبھی کھلے بندوں حیات النبی کا اقرار نہ کرتے
اور حضرت مولانا عبدالرحمن کیمپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشافۃ التوحید والستہ کے سرپرست
بھی رہے نہ کہتے کہ حیات النبی میں مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے۔ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو اپنے خیمے جنت میں
لگا چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے
آپ کے سامنے پیش کر چکے۔ ان میں بڑے مسلمانوں کی تشریح و تفصیل کے مقابلے میں ایک بدی عقیدے
کی اثبات اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علم و دیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت در حیرتم کہ بادہ فرودش از کجاستنید

صورة ماكتبه اكابر العلماء وجهابذة الفضلاء من تولى لدروس الافتاء في عقيدة حياة الانبياء

پاکستان کے دس اکابر مسک دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا
کامسک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں
اور جسہ عسری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی کے مماثل
ہے۔ صرف یہ کہ وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس
پر جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی مہر محمدین اور مسلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسک ہے۔
اکابر دیوبند کے مختلف مسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل
تصنیف حیاء انبیاء پر آب حیات کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد
گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ المہند علی المنہد بھی اہل انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی ہے
اب جو اس مسک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسک سے کوئی
واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وهو یمہدی السبیل۔

- | | |
|------------------------------------|---|
| ○ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ | ○ عبدالحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ خشک |
| ○ محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ | ○ شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ |
| ○ محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ | ○ (مفتی) محمد حسن عفا اللہ عنہ |
| ○ خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ | ○ (مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور |
| ○ عبدالقدیر عفا اللہ عنہ | ○ محمد عبداللہ در خواستی عفا اللہ عنہ (خانپور) |

پنجاب کی رُبّ صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد

دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جاسکا۔ ہندوستان بنگلہ دیش برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت کر رہے ہیں مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں لیا۔ اور اکابر دیوبند کی پہلی تصریحات سے کہیں سرِ مو بھی آگے نہیں نکلے۔ صوبہ سرحد آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلاء دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات غلط طور پر مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعت دیوبند میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کچھ علماء حیاقی ہیں اور کچھ مماتی۔ پھر لطف یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ دارالعلوم دیوبند کوئی آثارِ قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جاسکے اور حقیقت حال معلوم نہ کی جاسکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑے زور سے چلا۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف کے دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی غرض اور کوئی مصیبت نہ تھی۔ وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے

غور کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار الرزق الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔ اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسک پر حجم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے تھبٹ اس پر دستخط کر دیئے۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آرا رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند چھ سوال روانہ کیے۔ مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی طغیر الدین صاحب نے نمبر ۶۸۴ کے تحت ۱۳۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پر دستخط کیے اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی مہر اس پر ثبت کر دی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔ اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگئی ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو غور سے پڑھیں۔ آپ غموس کریں گے کہ یہ فتوے مقام حیات کا ہی ایک دوسرے مختصر پیرایہ ہے۔ ماتنا اللہ علیٰ هذه العقیدۃ اصلاً و خلاً و متوفی عن اللہ رحمۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۶۸۲
ج

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

① — کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریف میں دنیا کی سب سے بڑی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

اجواب ۹۲ ومنہ الصواب

حامداً و مصلياً

تمہید — سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگانِ دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر یہ بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دنیا میں معروف و مشہور ہیں مثلاً ۱۔ آبِ حیات ۲۔ جمالِ قاسمی ۳۔ نشر الطیب ۴۔ الشہاب الثاقب ۵۔ المصالح العقلیہ ۶۔ فیض الباری ۷۔ المہند علی المفند ۸۔ تسکین الصدور ۹۔ متفقہ اعلان ۱۰۔ مقامِ حیات وغیر ذلک — پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے قصیدہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرمادئے — عبارت مجوزہ یہ ہے :-

وفات کے بعد بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روحہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

اس صاف اور صحیح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی فی اللجب ویا حسرتاہ۔

پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشتت و افتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافتِ ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے۔ فالج اللہ المشتکیٰ۔

خدا اصلاح اعمال کی توفیق بخشے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔
اس مہتید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں :-

① — جی ہاں —

تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی حیاتِ دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوتِ نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ مومنین بلکہ ارواحِ کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصولِ شریعت، کتاب و سنت اور اجماع امت سے

ثابت ہے۔ چنانچہ ادلہ ثلاثہ پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :-

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃ، دلالت اور اقتضاء) ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی۔ اس لیے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

① واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اُجعلنا من دون الرحمن الهمة

عبدون۔ (پ زخرف)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا تیدالور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-
يستدل به على حيات الانبياء

② ولقد اتينا موسى الكتب فلا تكن في مرية من لقائه۔ (پ الم سجدہ)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:-
معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔ اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں۔ لہذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت افراد قوت و استدلال میں عبارتۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔

③ ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء ولكن تشعون۔

(پ البقرہ آیت ۱۵۴ ع ۱۹)

④ بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما آتاهم الله من فضله (پک آل عمران آیت ۱۶۹)
ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا:-

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون
الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء^۱

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار
سے بھی یہ بات سچتہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام
تو شہداء سے بہر حال افضل ہیں۔

غور فرمائیے: حافظ الدین کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالت النض یعنی
درجہ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

⑤ فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الارض تاكل
منسأته. (پک السباہ)

اس آیت سے بھی دلالت النض سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے
کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھالینا اس سے
کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

① حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

الانبياء احياء في قبورهم يصلون^۲

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے روایت کی توثیق کرتے ہیں اور

اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت بدون سند
المصالح البکری میں اور سند ابویعلیٰ کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری^۱
اور فتح الملہم میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اہل الرجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانی^۲ فرماتے ہیں کہ :-

وصححه الیہتی^۳ امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے

محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

ووافقه المحافظ فی المجلد السادس^۴

امام بیہقی کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ عثمانی^۵ بھی اس کی تائید کرتے ہیں^۶

علامہ سیوطی^۷ فرماتے ہیں کہ :-

رجال ابی یعلیٰ ثقات^۸ ابویعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی^۹ لکھتے ہیں :-

وهو حدیث صحیح^{۱۰} یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ قاری^{۱۱} لکھتے ہیں :-

یصح خبر الہ بنیاء احياء فی قبورهم^{۱۲} الانبیاء احياء فی قبورهم کی حدیث صحیح ہے۔

علامہ الرئوف مناوی^{۱۳} لکھتے ہیں :-

هذا حدیث صحیح^{۱۴} یہ حدیث صحیح ہے۔

المصالح البکری ص ۲۸۱ ۱ فتح الباری ص ۲۵۲ ۲ فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹ ۳ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۵۲ ۴ فیض الباری جلد ۲ ص ۲۸۱ ۵ فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹ ۶ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱ ۷ السراج النیر جلد ۲ ص ۱۲۲ ۸ مرقاة المفاتیح جلد ۲ ص ۳۷۲ ۹ فیض الباری جلد ۲ ص ۲۸۱

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

ابو یعلیٰ ثقات از روایت انس بن مالکؓ آورده قال قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون^۱

امام ابو یعلیٰ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں
میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

انه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره وروحہ لا تفرقہ لما صح ان الانبیاء
احیاء فی قبورهم^۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے
جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء
علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احياء فی قبورهم رواہ المنذری
وصححه البیہقی^۳

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں علامہ منذری نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقی رحمہ نے
اس کی تصحیح کی ہے۔
علامہ سمہودی لکھتے ہیں:-

رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقات ورواہ البیہقی وصححه^۴

ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-
اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے بلکہ

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابو یعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

② حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-
ما من احد یسلم علی الارۃ اللہ علی روحی حق ارۃ علیہ السلامؐ
کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر نازل کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی فرماتے ہیں کہ : وہو اعتماد صحیحؒ
(امام ابو داؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے) اور یہ اعتماد صحیح ہے
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ : رواۃ ثقاتؒ
علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ : اسنادہ حسنؒ
حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ : صححہ النووی فی الاذکارؒ

۱۔ فضائل درود شریف ص ۳ ۲۔ ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۹۹ واللفظہ منہ احمد جلد ۲ ص ۵۲۴ ۳۔ شفاء السقام ص ۱۵
۴۔ فتح الباری ص ۲۹۹ ۵۔ السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۹۹ ۶۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۳

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔۔۔ بالاسناد الصحيح۔
 حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔۔۔ وهو حدیث جید۔
 علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔۔۔ بالاسناد صحيح۔
 نواب صدیق صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں۔۔۔
 قال النووي في الاذكار اسنادہ صحيح وقال ابن حجر رواه ثقات۔
 علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں۔۔۔

وی ابوداؤد بسند صحيح۔
 مولانا انور شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔۔۔ رواه ثقات۔
 امام سخاویؒ فرماتے ہیں۔۔۔

روى احمد وابوداؤد والطبرانی والبيهقي باسناد حسن بل صححه
 النووي في كتاب الاذكار وغيره۔
 اور علامہ محمد بن محمد الفانجی البوسنیؒ فرماتے ہیں۔۔۔

قال النووي في الاذكار ورياض الصالحين اسنادہ صحيح وصححه
 ايضا ابن القيم۔

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں
 جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحسین اور تصحیح کرتی ہے
 ③ حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔

ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة
 وفيه الصعقة فاكثروا علي من الصلوة فيه فان صلواتكم معروضة

۱۔ کتاب الاذکار ص ۱۱۷ ۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۱۷ ۳۔ زرقانی شرح مواہب ص ۳۸ ۴۔ دلیل الطالب ص ۸۴
 ۵۔ فکار الفار ص ۳۳ ۶۔ عقیدۃ الاسلام ص ۵۲ ۷۔ فتح المسلمین ص ۲۳ ۸۔ القول البلیغ ص ۸۹ ۹۔ حیاۃ الانبیاء البیہقی ص ۱۷

علي قال قالوا وكيف تعرض صلوٰتنا عليك وقل ارممت قال يقولون
 بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء
 بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت
 آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ
 اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا
 کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ
 ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء علیہم
 السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال لیجئے

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

وصححه ابن خزيمة وفیه ثبوت

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:-

ومن تامل فی هذا الاسناد لم يشك فی صحته لشدة رواته وشهادة

وقبول الأئمة حديثهم

اور یہی الفاظ اس موقع پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کے ہیں:-

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:-

صح عنه صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبياء

۱۔ ابوداؤد ص ۱۵۱ واللفظ لہ والدارمی ص ۱۹۵ والنسائی ص ۵۴ مستدرک ص ۲۸ ص ۵۲ موارد النعمان ص ۱۴۱ وابن ماجہ ص ۱۰۰
 وکنز کبریٰ ص ۲۴۹ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۵۷ فتح الباری ص ۲۴۹ ج ۱۰ الاہام ص ۲۴۲ الاصابہ ص ۲۴۲ فتح الباری ص ۲۴۹ ج ۱۰

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبياءؑ

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں:- انه حسنؒ

اور علامہ عبد الغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں:- انه حسن صحيحؒ

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:- حدیث صحيحؒ

علامہ الورشؒ کشمیری فرماتے ہیں:-

فانه صح عنه صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياءؑ

امول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح (بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے)۔

④ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک طویل حدیث میں) ارشاد فرمایا:-

فنبی اللہ حی یرزقؑ

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں:- اسنادہ جیدؒ

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں:- و رجالہ ثقاتؒ

۱۔ کتاب الروح ۲۔ القول البدیع ص ۱۱۹ ۳۔ ترجمان السنۃ جلد ۲ ص ۲۹۷ ۴۔ تاریخ النبوة ص ۹۳ ۵۔ خزائن
۶۔ مستدرک حاکم ص ۵۲ ۷۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹ ۸۔ ترجمان السنۃ ص ۲۹۷ ۹۔ السراج المنیر جلد ۱ ص ۱۲۹

علامہ منہادیؒ کا ارشاد ہے۔ قال الدمیری رجالہ ثقات۔

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

رواہ ابن ماجہ برجالہ ثقات۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ قلت رجالہ ثقات۔

اور علامہ سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ۔

رواہ ابن ماجہ باسناد جید۔

علامہ قاریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرہ۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔ باسنادہ جید۔

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں۔ باسنادہ جید۔

⑤ حضرت عبداللہ بن سعدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان لله ملئکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح۔

علامہ ہیشمیؒ فرماتے ہیں۔

رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح۔

۱۔ فیض القدیر جلد ۲ ص ۸۰۔ زرقانی شارح مواہب ص ۳۳۶۔ تہذیب التہذیب ص ۴۹۸۔ خلاصۃ الوفا
ص ۴۸۔ مرقات ص ۱۱۳۔ نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۶۲۔ عون المعبود ص ۴۵۔ نسائی ص ۴۳۔ منذ احمد
ص ۴۴۔ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۵۔ دارمی ص ۳۱۔ موارد الطمان ص ۵۱۲۔ مشکوٰۃ ص ۸۶۔ البدایہ والنہایہ ص ۵۴۔ الجامع الصغیر
ص ۹۳۔ خصائص الکبریٰ ص ۲۸۰۔ السراج المنیر ص ۵۱۸۔ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۲۔

امام حاکمؒ اور علامہ قسیمیؒ فرماتے ہیں۔ صحیحؒ

امام سخاویؒ فرماتے ہیں۔

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابونعیم والبیہقی والمنذری وابن حبان والمحاکم
فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد۔

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے بلکہ علامہ سمہودیؒ
اور علامہ ابن عبدالبہادیؒ کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے مختلف طرق سے
اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔

یہاں تک شاہ عبد الغزیزؒ محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔
ومتواتر رسیدہ اس معنی۔

⑤ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔
من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعیدا علمته۔

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے
مجھ پر دُور سے درود پڑھا تو وہ مجھے بواسطہ فرشتوں کے بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث کی سند بطریق ابوالشیخ کے متعلق فرماتے ہیں۔
بسنجد جید۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ وبسنجد جید۔
حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ بسنجد جید۔

لہ مستدرک حاکم ص ۴۱۱ ۱۰ القول البدیع ص ۱۱۱ ۱۱ وفار الوفاء ص ۲۰۲ ۱۲ الصائم المنکی ص ۱۲۸ ۱۳ فتاویٰ
عزیزی ص ۱۲۸ ۱۴ جلاء الافہام للماظن ابن القیم ص ۱۹ ۱۵ فتح الباری ص ۲۵۲ ۱۶ القول البدیع ص ۱۱۲ ۱۷ مرقاۃ ص ۲۱

نواب صدیق حسن خاں صاحب بھی لکھتے ہیں۔ اسنادہ جید۔

اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں۔

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:-

ان ابن الصلاح یری التسوية بین الجید والصحیح۔

چونکہ حضرات اہلباء علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثبوت موجود ہے (یہاں اختصار کی غرض سے چھ احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے) اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے، اس لیے امام سیوطیؒ نے تو اتر کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره هو شأن الأنبياء معلومة عندنا
علماً قطعياً لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار الدالة
على ذلك۔

ایک دوسرے مقام پر تو اتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الأنبياء في قبورهم۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

۱۔ دلیل الطالب ص ۸۴۲ ۲۔ فتح الملہم ص ۳۳۳ ۳۔ تدریب الراوی ص ۱۸۱ ۴۔ انباء الاذکیار ص ۱۴۱ ۵۔ امام سیوطی ص ۱۴۱

۶۔ انظم المتناتر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح ابو سنوی ص ۱۸۱ ۷۔ المنحة الوہابیہ ص ۱۸۱

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کتنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے۔ جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں مجددہ موجود اور حیات میں۔ اور اہل السنۃ والجماعت کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مفسرین۔ ۲۔ محدثین۔ ۳۔ متکلمین اور ۴۔ فقہاء۔ اس لیے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب باقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:-

ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستقر حیًا و
الانبیاء احياء فی قبورهم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ فرماتے ہیں:-

لے فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۱

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم احياء۔
 ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں
 مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔
 حضرت امام بہیقیؒ فرماتے ہیں:-

ان الله جل ثناؤه رد الانبياء ارواحهم فہم احياء عند ربہم كالشہداء۔
 بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح اُن کی طرف لوٹا
 دیئے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔
 حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں:-

المعتقد المعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ کسائر الانبیاء
 فی قبورہم وہم احياء عند ربہم وان الارواح ہم تعلقا بالعالم
 العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشون
 وباعتبار القلب فرشیون۔

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس
 طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں
 اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا
 میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔
 اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔
 علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:-

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم
 السلام احياء فی قبورہم حیة اکل من حیة الشہداء التي احسنوا للہ

بہارِ کتابہ العزیز

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے، بڑھ کر ہے۔
دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وَمَا اَدْلٰهُ حَيٰۤاةُ الْاَنْبِيَاۥ فَمَقْتَضٰهَا حَيٰۤاةُ الْاٰبِدَانِ كَحَالَةِ الدُّنْيَا مَعَ
الِاسْتِغْنَاءِ مِنَ الْغِذَاءِ

بہر کیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں بھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔
یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض بوزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادیہ خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حتیٰ اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں۔ یہی بات شیخ الاسلام دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:-
انہی احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حتیٰ و اجساد ایشان نیز ثابت باشند و بوسیدہ نگردند۔ و اس حیات ہمو حیات دنیا باشد، با وجود استغناء از غذا۔
ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وقول مختار و مقرر جمہور ہم اینست کہ انبیاء بعد از اقامت موت زندہ اند بحیات دنیوی بکے

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی

کنیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراکِ علم اور شعور حاصل ہے۔ اس طرح اس حیاتِ برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 من انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء في
 قبورهم يصلون فاذا اثبت ان نبينا صلى الله عليه وسلم تحت
 الفلح لا بد اما ان يكون عالما او جاهلا ولا يجوز ان يكون النبي
 صلى الله عليه وسلم جاهلا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو یا جاہل۔ اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لا محالہ آپ عالم ہوں گے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

لأن عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حي يحس ويعلم
 وتعرض عليه اعمال الامة ويبلغ الصلوة والسلام

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جس و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے جس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔

علامہ ابو الوفاء علی بن محمد بن عقیلؒ کا ارشاد ہے۔

وہو حیات فی قبرہ یصلیٰ بہ

۲ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
امام بدرالدین بعلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ کا اختصار کیا
ہے۔ لکھتے ہیں۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون۔

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بہا اوقات نماز بھی
پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز ملذذ کے طور پر پڑھتے ہیں۔ اس
لیے پابندی لازم نہیں۔ قد يصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قد مضارع
پر داخل ہو کر اکثر تفتیل کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ غزینیؒ حدیث مامن احدی سلم علی الارواح اللہ علی روحی کی تشریح کرتے
ہوئے فرماتے ہیں۔

الارواح اللہ علی روحی، احرار علی نطقی لانہ حی دائمًا وروحہ
لا تفارقه لان الانبياء احياء في قبورهم۔

اور روح سے مراد نطق ہے۔ کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں۔ آپ کی روح
مبارک آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

فالجواب ان الانبياء احياء في قبورهم^۱

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ حدیث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وفيه دليل على انه صلى الله عليه وسلم حي حياة مستمرة^۲۔
اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دائمی طور پر زندہ ہیں۔
مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین سبکیؒ متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-
ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم^۳۔
ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
وعندهم محمد صلواة الله عليه حيا في قبره^۴۔
اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے امام ابوالحسن الاشعریؒ کے نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر طہر میں زندہ ہیں — یہاں یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے معنی مکتبہ فکر اشعری اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں اب مطلب صاف ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے دونوں طبقے اشعری

اور ماتریدی کا مجموعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں — چنانچہ امام ابو منصور طاهر الشافعی البغدادیؒ لکھتے ہیں :-

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم
حي بعد وفاته يسر بطاعات امته ۛ

ہمارے اصحاب کے مکملین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔
اصحابنا — سے مکملین کی جماعت مراد ہو یا شوافع کی بہر صورت ان میں محققین کلمہ سک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالیؒ لکھتے ہیں :-

ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يرزق متمتع
بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن الابصار القاصرين من
شريف المقامات ۛ

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔
آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں۔ مگر ان
نگاہوں سے اوچھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق
و عبادات سے منتفع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں۔ بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں
کا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :-

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث ۛ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔
علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں معتمد السکال ہیں کس طرح مراحت کے ساتھ
حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت و الجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں
عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ
مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔ علمائے دیوبند جو خالص اہل سنت و الجماعت
ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان۔ اس لیے قدرتی طور پر اس بات پر
کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔ ذیل میں علمائے دیوبند کے ایسے حوالے
نقل کیے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر
حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے
محشی یعنی سب سے پہلے محدثین پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے۔
ملاحظہ ہو :-

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی بخاری فرماتے ہیں :-

والاحسن ان يقال ان حياته صلى الله عليه وسلم لا يتعقبها موت بل يسقم

حیاء الانبیاء احياء فی قبورهم۔^۱

بیہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی۔ بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بہار پوریؒ لکھتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کما ان الانبیاء احياء فی قبورهم۔^۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبدل کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے

حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں:-

فدلت النصوص الصحیحہ علی حیاة الانبیاء۔^۳

نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔
ایک دوسرے مقام پر بھی علامہؒ فرماتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامة۔^۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہیں یہ بات

بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان و اقامت سے نماز

پڑھنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد نور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کا اذان والاقامة عند الدارمی وقراءة القرآن عند الترمذیؒ

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں، اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں۔ غور کیجئے! قبر میں اذان و اقامت کا ثبوت اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آپ بنصرِ حدیث زندہ ہیں۔
حضرت اقدس مولانا ابو الحقیق عبد الہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادیؒ لکھتے ہیں:-
انہم اتفقوا علی حیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیالہ الانبیاء علیہم السلام متفق علیہا لا خلاف لاحد فیہ۔

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

غور فرمائیے! حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ مظلہ العالی حدیث مامن احدی سلم علی الارذاللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

علاوہ ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔

۱۸۳۱ھ تکشف ۱۲۴۶ھ انوار المحمود شرح ابی داؤد منہ ۱۱۱۱ھ معارف احادیث ص ۲۹۱

آگے فرماتے ہیں:-

اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔ حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث شریف و نبی اللہ حی یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزقؐ
مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔
حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ مدظلہ العالی حدیث ان اللہ ملت کتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:-

اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دُور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

مشکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں:-

عندنا وعند مشائخنا حیاة حضرة الرسالہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ

لہ معارف الحدیث ص ۳۷۸ ۲۷۸ ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶ ۳۷ نشر الطیب ص ۱۸۱ ۱۸۲ معارف الحدیث ص ۸

من غیر تکلیف وہی مختصہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وجميع الانبياء صلوات
 اللہ علیہم والشہداء لابن زخية كما هي لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما
 نص عليه العلامة السيوطي في رسالة انباه الاذكياء بحياة الانبياء
 حيث قال: قال الشيخ تقي الدين سبكي: حياة الانبياء والشهداء في القبر
 كحياة لهم في الدنيا ويشهد له صلاة موسى عليه السلام في قبره فان
 الصلاة تستدعي جسدًا حيًا (إلى آخر ما قال) فثبت بهذا ان حياته دنيوية
 برزخية لكنهما في عالم البرزخ بل

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک
 میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات
 مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے
 ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ
 علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباه الاذکیاء بحیوة الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے فرماتے
 ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و شہداء کی قبر میں
 حیات ایسی ہے کہ جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا
 اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اچھٹس اس سے ثابت ہوا کہ
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ
 میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ المہند علی المفند سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زاد سجاد الشہ
 شرقا کے ان پھیس ۱۶ اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے
 کہلاتے ہیں۔ جسے سرخیل علماء محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مرتب کیا۔

اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تئیں^{۱۳} بزرگوں جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا میر محمد حسن صاحب امروہی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں، کی تصدیقات لکھو اگر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں۔ وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علمائے دیوبند کا اجماعی جواب ہے۔ اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنا یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم مزید چند حوالے اطمینان خاطر کے لیے ملاحظہ ہوں۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم نالوتویؒ فرماتے ہیں :-

حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کے حیات کے لیے ستر ہے رافع

حیات اور دافع حیات نہیں بلکہ

واضح رہے کہ حضرت نالوتویؒ نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ

حضرت فرماتے ہیں :-

میں انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔

بحسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانہم میتون۔ تمام

انبیاء کرام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت

کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی

یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بنیوں

کی نظر سے مستور ہے۔ بمثل امت کے ان کی موت میں دوال نہیں ہے بلکہ

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

① اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیر ارضیٰ سے بالکل محفوظ رہنا۔

② اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

③ اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سب سے بڑی امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل یہ ہے کہ ازواج طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔

حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسم مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے :-
انبیائے کرام علیہم السلام کو ابدان دنیویہ کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔

فقہائے دیوبند اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں :-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حیات میں ذق ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ لکھتے ہیں:-

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے۔

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء میں فرماتے ہیں:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں سجدہ موجود اور حیات میں ہے۔

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحابِ طواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا تو کوئی حنفی۔ سب قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام محبت کے لیے ہم اس مقام پر اصحابِ طواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیاتِ انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعوے بھی صاف ہو جائے۔
قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي

بعد وفاته وانه ليس بطاعات امته وان الانبياء لا يبلون مع ان مطلق

الادراك كالعلم والسمع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) ورد النص في

كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحياة فيهم متعلقة

لنشر الطيب منہ ۱۱۷ فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل جلد ۵ ص ۴۳۷ فتاویٰ دارالعلوم غیر مطبوعہ

بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء
احياء في قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقي في صحيح مسلم عن
النبي صلى الله عليه وسلم قال مريت بموسى ليلة اسرى جب عند
الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي به

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں
اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک جیسے
علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور اللہ
تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں
اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء
اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی
ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت
کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات نثرخ رنگ کے ٹیپے کے پاس
موسے علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی تسلیم کرتے ہیں
اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ
حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:-

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء

احیاء فی قبورہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں:-

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته ويؤيد ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون في قبورهم والنبى صلى الله عليه وسلم منهم

ہمارے اصحاب میں تسکمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:-
والذی نعتقد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلی مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حي في قبره حياة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها في التنزيل اذ هو افضل منهم بلا ريب وانه يسمع من يسلو عليه

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیات دائمی سے مستصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

اس عبارت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ علمائے نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ علمائے نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پر کئی اعتماد کرتے ہیں۔

اما الکلام علی حیوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذلک اعتقاد
سلف الامة واثمتنا وھما الاموۃ۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتدا ہیں۔

متاخرین اصحابِ ظواہر حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔
اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں۔
ان الانبیاء احياء فی قبورهم۔

حضراتِ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ذمہ دار اصحابِ ظواہر بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور بزمِ خ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس سلسلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ وغیرہ

میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر انصاف و اعراض نہیں کیا جاسکتا۔

اجماع امت اور حیات الانبیاء

”علماء امت اور حیات الانبیاء“ کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند مرتبہ حوالے نقل کیے جا رہے ہیں۔
امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ:-

مَنْ نَوَّهَ وَنَصَّدَقَ بِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَرِزْقَ فِي قَبْرِهِ وَانْجَسَ جَسَدُهُ الشَّرِيفُ لَا تَاكُلُهُ الْأَرْضُ إِلَّا جَمَاعٌ عَلَى هَذَا۔

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع منفقہ ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک مدنی دلیل ہے۔ علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں:-

إِنَّمَا هُمْ غِيَاثٌ لَكُمْ فِيهَا وَلَا خِلَافَ لِأَحَدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي ذَلِكَ وَالْحَيَّانُ قَالَ مِنْهُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى عَلَى الدَّوَامِ۔

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے

کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہی اجماع سکوئی ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-
حیات متفق علیہ است، پیچ کس را دروے خلاف نیست بل
شیخ محدث دہلویؒ ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا
دعوے کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:-
زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ سکہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں
خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔
نواب صاحب دنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت انبیاء علیہم
السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ
سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ ہیں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں:-
والحاصل ان حياة الانبياء ثابتة بالاجماع۔
حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگان دیوبند کا اقرار اجماع بر حیات الانبیاء

مولانا ابوالعزیز عبد الہادی صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں:-

انهم اتفقوا على حيوة صلى الله عليه وسلم بل حياة الانبياء عليهم السلام

۱۔ اشعة اللمعات جلد ۱ ص ۶۱۳ ۲۔ مظاہر حق جلد ۵ ص ۴۲۵ ۳۔ المنحة الوہابیہ ص ۶

متفق علیہا لاخلاف لاحد فیہ ۱؎

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے، اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارجح کفار کو بھی حاصل ہے ۲؎

اصحابِ ظواہر حضرات اور اجماعی حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلمیٰؒ لکھتے ہیں :-
اہلسنت کے دونوں مکاتب فکر اصحابِ رائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں۔ (آگے فرماتے ہیں) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے ۳؎

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ الباری فرماتے ہیں :-

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر

کون الشهداء احياء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشهداء۔

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام اور شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (اس لیے بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔

غور فرمائیے۔ جب شہداء کی زندگی نص قرآن سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لا محالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہے۔

سوال ۲: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے۔ نام متعین فرمائیں۔

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:-
ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتوے دیا تھا۔
اس کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضہ اطہر کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی
ٹھری ٹھریوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس پر علماء نے اس پر کفر کا فتوے لگا دیا۔

اسی طرح فرقہ متقشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال ۱۷: حیات النبیؐ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبیؐ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: بلا تاویل حیات النبیؐ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ تھنکیؒ فرماتے ہیں:-

(ومیکرہ املامۃ) مبتدع ای صاحب بدعة۔^{۱۷}

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:-

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔^{۱۸}

سوال ۱۸: حجاج کرام کا سر دار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں، اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی تاکہ سید و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام کا تحفہ پیش کر سکے مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

زیارتِ روضہ اطہر احادیث شریفہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
 من زار قبری وجبت له شفاعتیؑ

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔
 ایک دوسری روایت میں ہے :-

من زار بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتیؑ

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی
 میں زیارت کر لی۔

غور فرمائیے! کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ وعدہ

کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-
 من حجّ البیت ولم یزدح ففقد جفائیؑ

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے
 ساتھ زیادتی کی۔

انہی وعدہ وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضہ اقدس کی زیارت

گو اعتقادی اعتبار سے سنت ہےی تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے چنانچہ محقق علی
 الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں :-

ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحبہ وقریۃ من الواجب فطرًا

الی هذا النزاع وهو الحق عندی فان الاف الاولف من السلف کانوا

لہ صحیح ابن خزیمہ، دارقطنی بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ۱/۳۶ لہ طحاوی علی المراقی الفلاح ص ۵۴ لہ ایضاً

فصل فی زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن عدی بسند حسن مرقاۃ المفاتیح)

يشدون رحالهم لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم ويزعمون بها من
اعظم القربات له

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :-
انها قربة من الوجوب لمن له سعة

مخدوم ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں :-

تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آن بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم من حج ولعیزنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن، ونیز
مروی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت
له شفاعتی رواہ الدارقطنی والطبرانی والبزار وصححه عبدالحق.
ونیز فرمود او صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی
حیاتی رواہ ابوسعید بن منصور والد دارقطنی، ووارد شدہ اند در فضل
زیارت امادیت و آثار بسیار کہ اکتفاء کردہ مے شود از آنہا بریں مقدار
طلباً للاختصار

اجماع امت اور زیارت روضہ اقدس

میساکہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارت نبوی جہاں احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے
وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ
مخدوم ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں :-

بدانکہ اجماع کردہ اند مسلماناں برآنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات
وافضل طاعات و اکد سنن و مندوبات است

لے بحوالہ مذکورہ بالا لے فیض الباری جلد ۲ ص ۴۲۳ لے شامی جلد ۲ ص ۲۹۸ لے حیات القلوب ص ۲۹۸ لے ایضاً

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں :-

اعلم ان زیارة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر
عبرة بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات وافضل الطاعات ونج المسأ
لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات۔ بل قیل انہما من الواجبات
لمن له سعة وترکها غفلة عظیمة وجفوة کبیرة وفيہ اشارۃ الی
حدیث استدل بہ علی زیارة وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم
یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید قال بعض المالکۃ بان المشی
الی المدینۃ افضل من الکعبۃ وبیت المقدس ۛ

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارت نبویؐ اجماع امت سے ثابت ہے وہاں
یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا۔ نیز درجہ کی تقین کے ساتھ
ترک زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بھی بتلایا گیا
کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے۔ ہمارے
فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے (بعد میں
زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد
میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے :-

قالوا۔ ان کان الحج فرضاً قدمہ علیہا والا تخیر ۛ

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی

نیت کرے :-

والاولی فی زیارة منجریۃ النبیۃ لزیارة قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ۛ

الحاصل۔ مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دور صحابہؓ سے لے کر

ۛ نزل المجہود جلد ۳ ص ۲۷۲ ۛ طحاوی علی المراقی الفلاح ص ۴۷۳ ۛ ایضاً

آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالك والشافعي وابو حنيفة واحمد على ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه

وسلم من افضل المندوبات۔

لہذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے — روحہ اطہر کی زیارت کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا — جن میں سماع البنی عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے — انکار ہے اور اجماع امت سے انحراف جس کی امانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے — اعاذنا اللہ منہ — وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے چنانچہ بذل المجہود کی عبارت گزر چکی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں :-

وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ

و شناعتی قبیحہ۔

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال و کذاب و مشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

جواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہلسنت و اجماعت

سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ایسے شخص کو

اہل سنت و اجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں — اس باب

(حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو

شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت و اجماعت سے خارج ہے۔

اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور استاذ اہل حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیاۃ الانبیاء) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً مسلمانوں کو کافر مشرک اور دہمال کہیں، یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔

ناطقہ سر بگیاں ہے اسے کیا کہیے

سوال ۱۱: منکرین ثواب و عذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جملہ اہلسنت و الجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گناہگاروں کو عذاب اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظریہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے۔ حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑے محتاط ہیں اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو معافی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جن میں تنالوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قاتل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قاتل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں، اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لیے مسلم حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز الصلوة خلف من ينكر شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم وينكر الكرام

الکاتبین وعذاب القبر کذا من ينکر الرویة لانه کافر^۱
 جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کرام الکاتبین اور عذاب قبر
 اور رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کیوں کہ
 وہ کافر ہے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی
 محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبد الواحد الحنفی السیواسی فرماتے ہیں :-
 ولا تجوز الصلوة خلف منکر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والکرام
 الکاتبین لانه کافر لتوارث هذه الامور من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم^۲
 شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب القبر اور کرام الکاتبین کے انکار
 کرنے والے کی اقتدار میں نماز درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے
 کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔
 یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی انکار عذاب
 قبر کو کفر لکھا ہے^۳۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں :-
 فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرح بہ الاحادیث
 الصحیحة ولكن الله تعالى ياخذ بابصار الخلاق واسماہم من الجن
 والانس عن روية عذاب القبر ونعیمہ لحكمة المیة ومن شك فی
 ذلك فهو ملحد^۴۔

۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۴۹ فتح القدیر مصری جلد ۲ ص ۲۴۳ ۲۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۳ طبع مصری
 ۳۔ مختصر تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب الشحرانی ص ۲۲ طبع مصری۔

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صریحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مکلف مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمت الہی کا تقاضا ہی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ٹکڑے ہے۔

علامہ عبدالشکر السالمیؒ فرماتے ہیں:-

فَلَمَّا عَذَابَ الْعَذَابِ لِلْمُؤْمِنِينَ حَقٌّ لِلْكَافِرِينَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَاللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ النَّارِ عِزْضُونَ عَلَيْهِمَا عَذَابٌ أَوْ عَشِيًّا يَعْنِي فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ دَلَّ أَنَّه كَانَ صَحِيحًا فِي أَيْ مَوْضِعٍ وَعَلَى أَحْسَنِ حَالٍ وَمَنْ أَنْكَرَ هَذَا يَصِيرُ كَافِرًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِهِ

عذاب قبر مؤمنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے، جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو۔ جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم

مولانا عبدالعلی بھرا العلوم اعظمیؒ لکھتے ہیں:-

منكر الشفاعة لاهل الكبائر والزوية وعذاب القبر وكرام الكاتبين كافر به

ترجمہ: اہل کبار کی شفاعت کا منکر روایت باری تعالیٰ کا منکر عذاب قبر کا منکر اور کرام کاتبین کا منکر سب کافر ہیں۔

مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند ۲۲ شعبان ۱۴۰۵ھ

دستخط حضرات مفتیان کرام

۱۲۵ طبع مصر لے رسائل بھرا العلوم ص ۹۹

